جلد سی و یک | ماہ شوال المکرم ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۳۳ء | عدد ۲

مضامین

شذرات

پنجاب یونیورسٹی کی مجلس تحقیقات نے دوسرے صیغون کے ضمن مین مشرقی علوم اور اورینٹل کالج لاہور کے مسائل پر جو کچھ غور کیا ہے، اس کے متعلق مختلف افواہین اخبارات کے صفحون مین پڑھنے مین آرہی ہین، گو آج کل کے کمیشنون کی اصطلاح مین اصلاح اور تخریب کے معنون مین بہت کم فرق ہے، تاہم ضرورت ہے کہ پنجاب کے اہل علم اس موقع سے فائدہ اٹھاکر متحدہ یکجہتی سے کام لین، اور علوم مشرقی کی تعلیم مین وہ جدید مناسب اصلاحین جاری کرائین جنسے وہ موجودہ ضروریات کا ساتھ دیسکے، طرز تعلیم، طریقۂ تعلیم، نصاب تعلیم، حقوق، یہ سب باتین بحث واعتنا کے قابل ہین، اور بجائے اشخاص اور جماعتون کے متحدہ قوم کی طرف سے اس کا لائحہ پیش ہونا چاہئے، اور اس کے پیچھے پنجاب کے اسلامی اخبارات کی پوری طاقت ہو، ڈر ہے کہ اختلاف، جماعت داری، اور فرقہ پروری سے فائدہ کے بجائے نقصان پہنچ جائے۔

ہمارے پاس یوٹسنڈم (جرمنی) سے ایک جرمن فاضل ڈاکٹر ہرلڈ فان کلوبر KLUBER کا ایک جرمن خط مع ایک بگڑے ہوئے اردو ترجمہ کے آیا ہو، جسمین موصوف نے یہ لکھا ہے کہ وہان کے انسانی عجائب خانہ مین ہندوستان کا بنا ہوا ایک عربی کرہ (گلوب) ہو جسپر اسکے بنانے والے کا نام ضیاء الدین محمد بن قائم محمد بن ملا عیسیٰ بن شیخ الہداد ہمایونی اصطرلابی لاہوری کاتی ۱۰۷۱ھ درج ہو، وہ اس پر ایک مضمون لکھنا چاہتے ہین، اور ہندوستان کے اہل علم سے اس بنانے والے کا حال دریافت کرتے ہین اور اگر اس قسم کے کرے ہندوستان مین بھی اسکے بنائے ہوئے ہون تو وہ انکا بھی حال جاننا چاہتے ہین، ہم کو اب تک اس شخص کا کچھ حال معلوم نہین ہوسکا ہو، اگر دوسرے اہل علم ہمکو اس کے متعلق کچھ مدد دے سکتے ہون، تو ممنونیت کا باعث ہوگا، اسکے بنائے ہوئے دو اصطرلابون کا علم ہمکو ہے، ایک ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتب خانہ مین ہو اور دوسرا مولانا ابوبکر صاحب جونپوری (ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی) کے پاس ہو، ہندوستان مین جن صاحبون کے پاس قدیم کرے یا اصطرلاب ہون براہ کرم وہ ان کے

کاریگرون کے نامون اور تاریخون سے مطلع فرمائین، جو عموماً ان گرون اور اصطرلابون پر کھدے رہتے ہین، شاید کہین سے کوئی مسئلہ حل ہو سکے، ہم ابتک اسکے متعلق جو کچھ پتہ لگا سکے ہین، وہ آیندہ حاضر خدمت ہوگا،

معارف کا مجموعۂ مضامین "اہل السنۃ والجماعۃ" رسالہ "اہل السنۃ والجماعۃ" کے نام سے چھپ کر شائع ہوا ہے، اسکا ملیالم ترجمہ کرکے (ٹراونکور) کے اسلامیہ دار الاشاعۃ نے گذشتہ سال چھاپا تھا، اب سنہ ۱۹۲۳ء کے نئے سال مین حافظ محمد یوسف صاحب باقوی نے اپنے دار الاسلام مدراس کی طرف سے اسکا تامل زبان مین ترجمہ شائع کیا ہے، ہمکو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ایک بنگالی متعلم دار العلوم ندوہ نے بنگالی مین اسکا ترجمہ کیا ہے،

تمام ہندوستان مین مسلمانون کی جتنی آبادی ہے، اسکی کسی قدر کم نصف تعداد بنگال مین آباد ہے، یہ حقیقت اس امر کو واضح کرتی ہے کہ مسلمانون کی نگاہ مین بنگال کی اصلاح و ترقی کا مسئلہ کسقدر اہم ہونا چاہئے، تاہم یہ کس قدر قابلِ افسوس بات ہے کہ بعض مسلمان اہل سیاست اسکو دوسرے صوبون کی مسلمان آبادی کی قیمت مین فروخت کرنا چاہتے ہین، اور بعضون نے تو یورپین سوداگرون کے ہاتھون مین اسکو عملاً فروخت بھی کر ڈالا ہے، اس کے یہ معنی ہین کہ ہندوستانی مسلمانون کی تقریباً نصف تعداد ہمیشہ کے لیے اپنے گھر کے اندر بیگانون کی غلام بنی رہے،

بہرحال ہم کو یہان انکی سیاسی غلامی سے زیادہ اُن کی ذہنی غلامی سے بحث ہے، ہندوستان کے تمام صوبون سے زیادہ عربی و مذہبی تعلیم جہان جاری ہے وہ بنگال ہے، پٹنہ سے لیکر بنارس، الہ آباد، کانپور تک اور وہان سے لیکر دیوبند تک ہر جگہ بنگال کے طالب العلمون کی کثرت ہے، ان کے علاوہ خاص بنگال کے چھوٹے بڑے مدرسون مین ساٹھ ہزار طالب العلم عربی کی تحصیل مین مصروف ہین، بااینہمہ وہین سب سے زیادہ مذہبی و علمی جہالت کی عالمگیری ہے، اور وہین جاہل ملاؤن اور جاہل پیرون کی سب سے زیادہ کھپت ہے، انگریزی تعلیم نے اس قرب کے باوجود بہت کم اثر کیا ہے، اور سنتے ہین کہ جاہل مولوی ابتک وہان انگریزی کو کفر کے مترادف

سمجھتے ہین بلکہ روایتین تو یہان تک ہین کہ خود بنگالی زبان اُن کے ہان کافرون کی زبان سمجھی جاتی ہے، جبتک یہ صورت حال ہی ہندوستان مین مسلمانون کے سب سے اہم صوبہ کی اصلاح کا کام خواب و خیال ہی، حالانکہ یہ تاریخی واقعہ ہے کہ بنگال کی بولی کو جنھون نے زبان کا درجہ دیا، اور اسکو علم و ادب کے قابل بنایا، وہ بنگال کے مسلمان سلاطین ہین،

زبان گر بہر حق خوانی چہ عبرانی چہ سریانی

ہم نے پچھلے معارف مین بنگال کے مسلمانون کو اردو زبان کی طرف جو توجہ دلائی تھی، اُس کا منشا یہ نہ تھا کہ وہ اپنے صوبہ کی زبان کو چھوڑ کر اردو کی طرف توجہ کرین، بلکہ یہ منشا تھا کہ اپنی صوبہ وار زبان کے ساتھ ساتھ اس عمومی قومی زبان سے جو بہت کم وقت لیتی ہی بے توجہی نہ برتین، ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ اوتنا حصہ ہندوستان کی اسلامی برادری سے گویا کٹ جائیگا، اور اسلامی تحریکات کے پھیلنے مین سخت رکاوٹ پیش آئیگی، ورنہ ظاہر ہی کہ ہم تو اس تجویز کے حامی ہین کہ نہ صرف یہ کہ ان صوبون کے مسلمانون کو ان بانون مین مہارت حاصل کرنی چاہئے، بلکہ ان زبانون کو بھی اسلامی لٹریچر کی فراوانی سے مسلمان بنا ڈالنا چاہئے"

* * *

ہمارے ملک مین افسانہ نویسی جس طرز کی جاری ہی اس کیلئے نہ علم کی ضرورت نہ مہارت انشا کی، ہر وہ صاحب قلم جو دو انسانون کی باتون کو قید تحریر مین لانا جانتا ہو، وہ ہمارے ملک کا بڑا افسانہ نویس ہی، اس طرز تحریر مین نہ منطقی دلائل کی حاجت پڑتی ہے نہ فلسفی نظریون کی، نہ تاریخی معلومات کی، نہ ادبی نکتہ دانی کی، نہ مذہبی علوم کی، بلکہ صرف اتنا سلیقہ کافی ہی کہ وہ مبتذل خیالات سوقیانہ فحاشی اور عریان جذبات کو نامانوس ترکیبون، اور مضحکانہ فقرون مین ادا کر کے نوخیزون کو بہلا اور نوجوانون کو بہکا سکے،

* * *

مدیر نگار کے افسانون کے بعد ابھی حال مین معاصر سچ لکھنو نے تفویض نام ایک افسانہ پیش کیا ہی جسمین بے سبب صحابۂ کرام اور ائمہ مجتہدین کی نسبت نادانی سے دلآزار الفاظ استعمال کئے گئے ہین، اور اس ہفتہ سرفراز لکھنو نے ایک رکن کونسل کے افسانون کے اقتباسات نقل کئے ہین جنمین خدا اور رسول پر پھبتیان کہی گئی ہین، کیا علم و دانش کے بعد اخلاق و آداب بھی اس طبقہ سے رخصت ہوچکا،؟

مقالات

احادیثِ اسلام

ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی مولوی فاضل ایم اے، پی ایچ ڈی، پروفیسر اسلامیات کلکتہ یونیورسٹی کے جن تین خطباتِ حدیث کی تالیف کا ذکر معارف میں پہلے آچکا ہی، وہ تینون خطبے موصوف نے ۱۴ دسمبر ۱۹۳۲ء ۱۵ دسمبر ۱۹۳۲ء اور ۲۱ دسمبر کو آسوتوش بلڈنگ مین انگریزی مین دئے، ان تینون خطبون کا انگریزی خلاصہ موصوف نے معارف مین اشاعت کے لئے بھیجا ہی جسکو ہم خوشی کے ساتھ شائع کرتے ہین، انگریزی کا اردو ترجمہ مولوی محمد عزیز صاحب ایم اے ال ال بی رفیق دار المصنفین نے کیا ہی،

"معارف"

پہلا خطبہ، ۱۴ دسمبر ۱۹۳۲ء پروفیسر موصوف نے خطبہ کے شروع مین پہلے لفظ "حدیث" کے معنی اور شعرائے جاہلیت کے کلام نیز قرآن مجید مین اس کے استعمال کو بیان کرکے یہ دکھایا کہ کیونکر یہ لفظ اسلام کے وسیع اثر کے ماتحت اپنے اصلی معنی سے علیحدہ پیغمبرِ اسلام کے اقوال واعمال کی روایات کے لئے استعمال کیا جانے لگا، اس موضوع پر زمانہ حال کے یورپین مستشرقین نے جو کتابین لکھی ہین اُن کا اجمالی ذکر کرنے کے بعد اُنھون نے بتایا کہ ڈاکٹر اسپرانگر سابق پرنسپل کلکتہ مدرسہ، پہلے یورپین مستشرق تھے جنھون نے احادیث کا مطالعہ صحیح تنقیدی نظر کے ساتھ کیا، اور اپنی تحقیق وتفتیش کا بڑا حصہ کلکتہ مین پورا کیا،

اسپرانگر کے بعد سر ولیم میور آئے انھون نے تحقیق وتلاش سے جو مواد جمع کیا تھا زیادہ تر اسی کی بنا پر مسلمانون کی تدوینِ حدیث اور ان حدیثون کے صحیح اور مستند ہونیکی نسبت اپنی رائے کا اظہار کیا ہی،

گولڈزیہر جس نے اس موضوع کا ذاتی طور پر مطالعہ کیا تھا، احادیث اور متعلقات احادیث کے مطالعہ مین اپنی وسعت معلومات اور دقت نظر کے اعتبار سے اسپرنگر سے بھی کہین بڑھ گیا، اوس نے اپنی تحقیق کا بیشتر حصہ فن حدیث پر اپنی کتاب کی دوسری جلد مین شائع کر دیا ہے، یہ غیر معمولی کتاب اس موضوع پر ہمیشہ ایک مستند تصنیف سمجھی گئی،

اسی تصنیف پر زیادہ تر پروفیسر گیلام (Guillaume) کی کتاب "احادیث اسلام" مبنی ہے، موصوف کا شمار اُن ممتاز مستشرقین مین ہے جنھون نے احادیث کے وسیع لٹریچر کی ایک ضخیم فہرست تیار کی ہے جو مشہور و لائق ڈچ مستشرق پروفیسر جے ڈبلو ونسنک (A. J. Wensinck) کی نگرانی مین شائع کی جارہی ہے، پروفیسر ونسنک نے عربی لٹریچر کی جو مستقل اور بیش قیمت خدمات انجام دی ہین وہ تمام دنیائے اسلام کو ہمیشہ اون کا ممنون احسان رکھین گی،

احادیث سے مسلمانون کا شغف تقریباً اسلام کے ساتھ ہی ساتھ شروع ہوا، اور اس وقت تک جاری ہے، اونھون نے احادیث کے لئے طویل، مشکل اور پرخطر سفر اختیار کئے، اون کو جمع کیا، ان کے مطالعہ کے سلسلہ مین عربی لٹریچر کی بہت سے شاخون کو قائم کرکے فروغ دیا، اور پھر ان احادیث اور قرآن کو بنا قرار دیکر متعدد علوم دینیہ کو مدون کیا،

احادیث کے سلسلہ مین مسلمانون نے جس غیر معمولی سرگرمی کا ثبوت دیا ہے، دنیا کی علمی تاریخ اسکی نظیر سے خالی ہے، اُن کا نظام اسناد جسے اونھون نے احادیث کے سلسلہ مین قائم کیا، اسماء رجال پر وہ وسیع لٹریچر جو اونھون نے احادیث کے باقاعدہ اور ناقدانہ مطالعہ کی غرض سے تیار کیا، اور اون کی وہ کتابین جن مین صحیح اور موضوع حدیثون کو چھانٹنے کے لئے "موضوعات" سے بحث کی گئی ہے، یہ سب آج بھی دنیا کی علمی تاریخ مین بے مثال ہین،

اگرچہ کچھ حدیثین خود آنحضرت صلعم کی حیات مین قلم بند ہو چکی تھین، تاہم دوسری صدی کی ابتدا تک اون کو یکجا کرنیکی کوشش نہین کیگئی، اوس صدی کے شروع مین حضرت عمر ثانی نے بعض محدثین کو وہ سب حدیثین جمع کرنیکی ہدایت

فرمائی جو مل سکتی تھیں، چند مستند راویون کا بیان ہے کہ انھون نے مختلف صوبون کے علما کے نام گشتی خطوط بھی جاری کئے کہ جتنی حدیثین مل سکین، جمع کر لیجائین، بعض عربی کتابون مین ہے، کہ حضرت عمر ثانی نے اس مجموعہ کو اپنی مملکت مین شائع بھی کر دیا تھا،

حضرت عمر ثانی کے بعد مختلف صوبون کے متعدد محدثین نے اس عظیم الشان کام کو اوٹھالیا جسکی ابتدا خلیفۂ موصوف نے کی تھی، اور حدیثون کے بہت سے مجموعے مرتب کئے، جن کا ذکر ابن الندیم نے کیا ہے، لیکن بدقسمتی سے آج وہ مجموعے مفقود ہین، پھر اس کے بعد خصوصاً آٹھوین اور نوین صدی عیسوی (دوسری اور تیسری صدی ہجری) مین اور بہت سے مجموعے تیار کئے گئے، یہ محفوظ ہین اور دنیا کے مختلف حصون مین مسلمان اون کو پڑھتے ہین،

ان مجموعون مین حدیثین تین مختلف اصولون کے ماتحت جمع کی گئی ہین، بعض مین وہ ان صحابہ کے نامون کے تحت مین جمع کی گئی ہین، جن کا آنحضرت صلعم سے روایت کرنا بیان کیا جاتا ہے، ایسی حدیثون کا عام نام "مُسند" ہے، بعض مین اُنھین مضامین کے لحاظ سے مختلف ابواب مین ترتیب دیا گیا ہے، یہ مصنف کے نام سے مشہور ہین، بعض مجموعے وہ ہین جنمین حدیثین نہ تو صحابہ کے نامون کے تحت مین یکجا کی گئی ہین، اور نہ مضامین کے لحاظ سے، بلکہ حروف تہجی کی ترتیب کے ساتھ ان مستند راویون کے نامون کے نیچے لکھی گئی ہین، جن سے خود جمع کرنے والے نے ان حدیثون کو حاصل کیا ہے، ان کا عام نام "معجم" ہے،

یہ حدیثین جن کو مختلف ممالک کے مسلمانون نے بہتیری پشتون مین مسلسل محنت و جانفشانی سے جمع کیا تھا، آج تک علمائے اسلام کے زیر مطالعہ ہین، اور اس وقت بھی تمام دنیا کے مسلمانون کے لئے اپنے اندر ایک سرمایۂ سعادت رکھتی ہین،

احادیث اور قرآن ہی پر مسلمانون کے نظام اجتماعی کی بنیاد ہے، اسی بنیاد پر مختلف اسلامی علوم کی یادگار عمارتین تعمیر کی گئین، احادیث و قرآن ہی مین مسلمان آج اپنی فلاح و ہدایت کی راہین تلاش کرتا ہے، انھین پر موجودہ زمانہ کی ضروریات کے مطابق بجا طور پر اسلامی نظریہ کی از سرِ نو تاسیس کیجا سکتی ہے، جس طرح قرون وسطیٰ

کے بعض اسلامی فرقون کو اس وجہ سے فروغ حاصل نہ ہو سکا، کہ اونھون نے قرآن اور حدیث کی اہمیت کو نظرانداز کر دیا تھا

اسی طرح زمانہ حال کے بہتیرے مصلحین کی کوششون کی ناکامی کا سبب بھی قرآن و حدیث سے اونکی بے پروائی ہی ہے،

دوسرا خطبہ ۵ اردسمبر ۱۹۳۲ء

آج کا خطبہ اصحابِ رسول اللہ صلعم اور اون کی خدمات حدیث سے متعلق تھا،

لفظ اصحاب کے معنی اور صحابۂ کرام کی تعداد سے بحث کرنے کے بعد پروفیسر موصوف نے (۱۲۲) صحابہ کے نامون کی ایک فہرست سنائی اور ان حدیثون کی تعداد بتائی، جو اُن مین سے ہر ایک سے مروی ہین اونھون نے بیان کیا کہ صرف "گیارہ صحابہ" ایسے ہین جنھون نے پانچ سو سے زیادہ حدیثین بیان کین ان مین سے سات ایسے ہین، جنھون نے ایک ہزار سے زیادہ حدیثین بیان کین، محدثین کے ہان ان صحابہ کا نام "مکثرین" ہے یعنی کثرت سے حدیثین بیان کرنے والے ان گیارہ محدثین کے مختصر حالات بیان کرنے کے بعد پروفیسر صاحب نے فرمایا کہ صحابۂ مذکور، نیز دوسرے صحابہؓ نے احادیث نبوی کو اسی جوش کے ساتھ پھیلایا جس جوش کے ساتھ انھین یاد کیا تھا، اونھون نے اپنے آقا کے صحیح اقوال کو تمام دنیائے اسلام مین پھیلانا اپنا مذہبی فرض خیال کیا، حضرت عمر فاروقؓ کا جنکی احادیث سے متعلق انتہائی سختی مشہور ہے، یہ قول بیان کیا جاتا ہے کہ جس شخص نے حدیث کو ٹھیک اوسی طرح بیان کر دیا جس طرح اوس نے اوسے سُنا تھا وہ محفوظ رہا، حضرت علیؓ خلیفہ رابع لوگون سے فرماتے تھے، کہ مجھ سے احادیث کی نسبت دریافت کرو، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اپنے غلام عکرمہ کو قرآن اور حدیث سکھانے کی غرض سے زنجیرون مین باندھ دیتے تھے،

عموماً یہ حضرات جو حدیثین خود بیان کرتے تھے، یا جو دوسرون سے معلوم کرتے تھے، ان کی صحت کی نسبت احتیاط سے کام لیتے تھے، حضرت ابوبکرؓ خلیفہ اول اکثر اپنے احباب سے حدیثین دریافت فرماتے تھے، لیکن کسی حدیث کو شہادت کے بغیر تسلیم نہین کرتے تھے، حضرت عمر خلیفہ ثانیؓ نے متعدد صحابہ کو اپنی بیان کردہ حدیثون کی شہادت پیش کرنے پر مجبور کیا، اور اُن مین سے بعض کو صرف کثرت روایت کے جرم مین قید کر دیا، حضرت عثمانؓ خلیفہ ثالث علم حدیث کے ماہر ہونیکے باوجود حدیثون کے بیان کرنے مین حد درجہ محتاط تھے، حضرت علیؓ کسی حدیث کو اُس وقت تک تسلیم ہی نہ کرتے تھے جب تک راوی قسم کھا کر اُسکا صحیح ہونا بیان نہ کرے،

بعض صحابہؓ جو لکھنا جانتے تھے، آنحضرت صلعم کے زمانہ حیات ہی مین حدیثین قلم بند کر لیتے تھے، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص نے آنحضرت صلعم سے حدیثین لکھنے کی اجازت حاصل کر لی تھی، اونھون نے ایک ہزار حدیثین ایک صحیفہ مین جمع کین، جسے "الصادقہ" کہتے ہین، اس صحیفہ کو المجاہد نے اون کے پاس دیکھا تھا، اور بعد مین یہ اون کے پرپوتے عمرو بن شعیب کے قبضہ مین آیا، حضرت علیؓ داماد رسول اللہ صلعم کے پاس ایک دوسرا صحیفہ تھا، جسمین بعض احکام درج تھے،

بہت سے صحیفون کا ذکر کرنے کے بعد جو صحابہ کے پاس تھے، اور ان متعدد حدیثون کو بتا کر جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض حدیثین صحابہ نے آنحضرت صلعم کی حیات ہی مین لکھ لی تھین پروفیسر صاحب نے بیان کیا کہ کچھ حدیثین ایسی بھی ہین جنمین قرآن کے علاوہ کسی اور چیز کے قلم بند کرنے کی ممانعت آئی ہے، لیکن اونکی تعداد اُن حدیثون سے کم ہے، جو لکھنے کی اجازت دیتی ہین، مختلف علماء اسلام نے مختلف طریقون سے ان حدیثون کے اس ظاہری تضاد کو رفع کرنیکی کوشش کی ہے، خود پروفیسر صاحب کی یہ رائے ہے کہ جن حدیثون مین لکھنے کی ممانعت ہے، وہ تاریخ اسلام کے ابتدائی دور سے تعلق رکھتی ہین اور جن مین لکھنے کی اجازت ہے، وہ بعد کی ہین، اور پہلی حدیثون کو منسوخ کرتی ہین،

آنحضرت صلعم نے فن تحریر کو عربون مین مقبول بنانے کی براہ راست اور بالواسطہ کافی کوشش فرمائی تھی، آپ نے بہت سے صحابہ کو اس فن کے سیکھنے اور دوسرون کو سکھانے کی ہدایت فرمائی تھی، آپ نے متعدد احکام اور مسلمانون اور غیر مسلمون کے درمیان متعدد صلحنامے خود لکھوائے تھے، آپنے جنگ بدر کے بعد یہ اعلان فرما دیا تھا کہ قیدیون مین سے جو ناداری کی وجہ سے اپنا فدیہ نہ ادا کر سکتے ہون وہ دس مسلمان لڑکون کو لکھنا سکھا کر آزادی حاصل کر سکتے ہین، پروفیسر صاحب نے ڈاکٹر اسپرنگر اور پروفیسر گولڈزیہر کی بعض کتابین پڑھ کر سنائین جن سے ثابت ہوتا ہے، کہ کچھ حدیثین خود آنحضرت صلعم کی حیات مین لکھ لی گئی تھین، اسپرنگر کے بیان کے مطابق بعض صحابہ مثلاً حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت انسؓ بن مالک اور حضرت ابن عباسؓ نے دوسرے صحابہ کی بہ نسبت زیادہ حدیثین محفوظ کی تھین اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے جو حدیثین مروی ہین، وہ ان کے خاندان والون نے قلمبند کرکے محفوظ کر لی تھین، گولڈزیہر کہتا ہے کہ اسے تسلیم نہ کرنے کی کوئی وجہ نہین کہ صحابہ اور طلبہ احادیث نبوی کو بھول جانے کے خطرہ سے لکھ کر محفوظ کر لینا چاہتے تھے پھر جن لوگون مین معمولی آدمیون کے حکیمانہ اقوال قلمبند کر لئے

جاتے ہون، کیونکہ ممکن ہو کہ رسول اللہ صلعم کے اقوال کے تحفظ کے لئے زبانی روایات کافی سمجھ لی گئی ہون، اکثر صحابہ اپنے صحیفون کو اپنے ساتھ رکھتے تھے، اور انہی صحیفون سے وہ اپنے طلبہ کو تعلیم دیتے تھے،

ممتاز یورپین مستشرقین کے یہ بیانات جنھون نے حدیث اور متعلقات حدیث کا مکمل اور ناقدانہ مطالعہ کیا ہی نیز وہ بہتیرے واقعات جو بعض اہم ترین قدیم عربی تصانیف سے لئے گئے ہین سخت بطی الاعتقاد اشخاص کو بھی اس امر سے مطمئن کرنے کیلئے کافی ہین کہ بعض صحابہ نے کچھ حدیثین اپنے نبی کریم صلعم کے زمانہ حیات ہی مین لکھ لی تھین،

تیسرا خطبہ ۱۲ دسمبر ۱۹۲۳ء تیسرے خطبہ کا موضوع "علم الحدیث" تھا، حدیث کے اساتذہ اور طلبہ کے مختلف دور کا کچھ ابتدائی ذکر کرنے کے بعد اونھون نے فرمایا:-

محدثین کے یہ تمام مختلف دور تلاش حدیث کی حیرت انگیز سرگرمی ظاہر کرتے ہین، حدیث سے اون کو کمال درجہ کی محبت تھی، اس کے لئے اُن کے جوش و حوصلہ کی کوئی انتہا نہ تھی، کوئی بھی مصیبت ایسی نہ تھی، جو اسکی خاطر وہ برداشت نہ کر سکتے ہون، جو اون مین دولتمند تھے، وہ اوس کے لئے اپنی دولت قربان کر دیتے تھے، اور جو غریب تھے، وہ اپنی غربت کے باوجود اپنی زندگیان اس کے لئے وقف کر دیتے تھے،

الزہری نے حدیث کی خاطر دولت کو پانی کی طرح بہا دیا، ربیعہ نے اسکی تلاش مین اپنی تمام ملک صرف کر دی، اور آخر مین اپنے مکان کی شہتیرین بھی فروخت کر ڈالین اور ان سڑے ہوئے چھوہارون پر زندگی بسر کرنے لگے جو اہل مدینہ پھینک دیا کرتے تھے، ابن المبارک نے حدیث کی تلاش مین چالیس ہزار درہم خرچ کر دیئے، یحیی ابن معین نے دس لاکھ سے زیادہ، الذہبی نے پندرہ لاکھ اور ابن رستم نے تیس لاکھ، اور عبید اللہ نے ستر لاکھ درہم نقرئی،

اُن مین سے جو دولتمند گھرون مین پیدا نہ ہوئے تھے، وہ مایوس ہو کر تحصیل حدیث کو چھوڑ نہ بیٹھے، بلکہ بجد محنت و جانفشانی کے ساتھ اوس کے حصول مین مصروف رہے، ابن ابی ذہب، ابو حاتم، اور بہت سے دوسرے محدثین نے اپنی غربت کی وجہ سے سخت دشواریون کا مقابلہ کیا، اور حدیث کی تعلیم کو جاری رکھا، امام شافعی اپنی طالب علمی کے زمانہ مین اتنے غریب تھے کہ کاغذ نہین خرید سکتے تھے، اس لئے وہ جن حدیثون کو پڑھتے تھے، اونکو ہڈی کے ٹکڑون

پر لکھ لیا کرتے تھے جنھیں وہ ایک تھیلے میں رکھے رہتے تھے،

امام بخاری تین روز گھاس اور جڑی بوٹیوں پر رہ گئے، ان کے علاوہ اور مختلف محدثین کو بھی اپنی غربت کے باعث بہت کچھ مصیبتیں جھیلنی پڑیں،

حدیثوں کے تلاش کرنے والوں کی تعداد جو تاریخ حدیث کے مختلف دور میں گذرے ہیں نہایت کثیر ہے، صحابہ میں تنہا حضرت ابوہریرہؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اونھوں نے آٹھ سو سے زیادہ طلبہ کے سامنے حدیثیں بیان کیں، صرف کوفہ میں جب ابن سیرینؒ اس شہر میں گئے ہیں، چار ہزار طالب علم حدیث کے موجود تھے، علی بن عاصم کے درس حدیث میں تین ہزار طلبہ شریک ہوتے تھے، اسی طرح سلیمان بن حرب کے درس میں چالیس ہزار، عاصم بن علی کے درس میں دس لاکھ سے زائد، یزید بن ہارون کے درس میں ستر ہزار اور ابومسلم الکجی کے درس میں ایک نہایت کثیر تعداد حدیث کے طلبہ کی شریک ہوتی تھی، ان میں سے جو یادداشتیں لکھنے کے لئے دوات کا استعمال کرتے تھے، اون کا شمار چالیس ہزار سے زیادہ تھا،

محدثین کی اتنی بڑی تعداد سب کی سب استعداد اور احتیاط کے لحاظ سے یکساں نہیں ہوسکتی تھی آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد بعض صحابہؓ کو اون کے احباب نے اون کی بے احتیاطی پر سرزنش کی، بعد کے دوروں میں مختلف جماعتوں اور فرقوں کے عروج کے ساتھ ساتھ حدیث کے غیر محتاط ناقابل اور غیر مخلص طلبہ اور اساتذہ کی تعداد بھی بہت بڑھ گئی، اُن میں سے بعض نے اپنے اساتذہ کے انتخاب ہی میں بے پروائی برتی، بعض اساتذہ سے اُن حدیثوں کے بیان کرنے میں غلطیاں ہوگئیں، جو انھوں نے خود لکھی تھیں، بعض ایسے بھی تھے جنھوں نے چند حدیثوں کے متن یا اسناد میں جان بوجھ کر ردوبدل کر دیا، اور بعض نے ذاتی نفع کی خاطر یا اپنی جماعت کے فائدہ کے لئے، یا لوگوں کو خدا اور مذہب کے راستہ پر لگانے کی غرض سے ایک نیک مقصد کے ساتھ کچھ حدیثیں وضع بھی کرلیں،

اس طرح موضوع حدیثوں کی ایک کثیر تعداد نکل کر مسلمانوں میں پھیل گئی، ان کی ابتدا کے ذمہ دار حسب ذیل اشخاص ہیں (۱) مبتدعین، (۲) جماعتوں کے سردار، مختلف فرقوں کے مبلغ، اور وہ لوگ جو فرمانرواؤں کے

لطف وکرم کے متلاشی تھے، (۳) قُصّاص (یعنی قصہ گو واعظین)، (۴) وہ نیک نیت محدثین جن سے اجتہادی غلطیان ہوگئین، یا جنھون نے مذہبی اور پاک اغراض کیلئے کچھ حدیثون کا وضع کرلینا جائز خیال کیا،

ان زندیقون اور مختلف دنیادار اور خداترس مسلمانون نے یعنی اسلام کے جانی دشمنون اور وفادار دوستون نے ہزارون حدیثین وضع کرکے تمام دنیائے اسلام مین پھیلا دین، ایک ممتاز انگریز اہل قلم نے سچ کہا ہے کہ ہر شخص اپنے منظور نظر کو مارڈالتا ہے، بہادر آدمی تلوار سے مارتا ہے، اور بزدل بوسہ سے" اسی طرح ان واضعان حدیث نے بھی فنِ حدیث کو فنا کردینے کی کوشش کی،

لیکن علم الحدیث کی تاریخ کے ہر دور مین ایک کثیر تعداد حق پسند، خداترس متدین اور محتاط محدثین کی بھی تھی، جو نہ تو اشخاص اور جماعتون کی پروا کرتے تھے، اور نہ قوت اور رائے عامہ سے ڈرتے تھے، اون کی زندگی کا واحد مقصد اپنے نبی کریم صلعم کی صحیح حدیثون کو حاصل کرنا، ان کی اصالت اور صحت کو محفوظ رکھنا، اور مسلمانون مین اون کی اشاعت کرنا تھا، وہ حدیثون کا مطالعہ نہ تفریح اور وقت گذاری کے لئے کرتے تھے، نہ مالی نفع اور شہرت کی غرض سے، اور نہ اس لئے کہ لوگ اون کا اثر قبول کرین، حدیث کو وہ صرف حدیث کے لئے حاصل کرتے تھے، اون کے نزدیک علم وسیلہ نہین بلکہ مقصد تھا، بقول سفیان الثوری تحصیلِ حدیث ان کے لئے ایک مرض ہوگئی تھی جس سے خود اونھین کوئی چارہ نہ تھا،

اکثر صحابہ حدیثون کے بیان کرنے مین حد درجہ احتیاط کرتے تھے، محدثین کے دوسرے دور مین بہت سے ایسے تھے، جو اسناد حدیث کے بارہ مین نہایت متدین، اور سخت تھے، اوسی طرح اونکے بعد جو ہوئے مثلاً امام شافعیؒ، یحییٰ بن معینؒ، احمد بن حنبلؒ، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، ابو داؤدؒ، ترمذیؒ، اور دوسرے اکثر محدثین، یہ سب رواۃ کے معاملہ مین بے حد محتاط تھے،

یہ متدین محدثین، جو علم حدیث کے حقیقی ستون ہین، تاریخ اسلام کی ابتدا ہی سے جماعتون کی کشاکش سے بالکل علحدہ رہے، اور صاحبِ اقتدار جماعت سے کسی قسم کا واسطہ نہ رکھتے تھے، اسلام کے ابتدائی دور مین عبداللہ

نام کے تینون حضرات نے اپنے کو جماعتی جھگڑون سے بہت بلند رکھا تھا، بہت سے دوسرے صحابہ نے بھی اپنے تئین بنوامیہ اور دوسرون کی کشمکش سے بالکل الگ رکھا تھا،

بنو عباس کے ساتھ بھی بہت سے محدثین نے بے غرضی کا برتاؤ رکھا تھا، سفیان الثوری، انس بن مالک احمد بن حنبل اور بہت سے دوسرے محدثین نے خلفای بنی عباس کے ہاتھون قید اور مختلف سزائین برداشت کین، واقعہ یہ ہے کہ فن حدیث پر جو اہم کتابین لکھی گئی ہین، اون کے اکثر مصنفین نہ تو خلفاء کے تنخواہ دار تھے، اور نہ اون کے دربار کے مقرب، سلطان جائر (ظالم بادشاہ) کی طرف سے بے پروا رہنا اون کے اصول مین داخل تھا،

یہ انھی متدین اور محتاط محدثین کی مسلسل جانفشانیون کا نتیجہ ہے، کہ آنحضرت صلعم کی حدیثین تلف ہونے سے محفوظ رہین اور موجودہ شکل مین ہم تک پہونچین، اسلام کے بالکل ابتدائی دور مین، جب صحابہ جو احادیث نبوی کے تنہا حامل تھے، مختلف دور دراز صوبون اور شہرون مین سکونت پذیر ہوگئے تھے، یہ محدثین طویل اور دشوار گذار سفر اختیار کر کرکے ان صحابہ سے ان کی نئی قیام گاہون مین ملے جسوقت تک ضروری سمجھا اُن سے ملتے جلتے رہے اور اس طرح اُس علم کو یکجا کیا جو صحابہؓ کے ذریعہ سے اسلام کی وسیع سلطنت مین پھیلا ہوا تھا،

گولڈزیہر کہتا ہے، دنیاے اسلام کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اُندلس سے وسط ایشیا تک حدیث کے یہ جفاکش اور نہ تھکنے والے متلاشی گشت کرتے اور ہر مقام سے اپنے سامعین کے لئے حدیثین جمع کرتے رہے، حدیثون کو جو مختلف صوبون مین پھیلی ہوئی تھین ایک مستند شکل مین جمع کرنے کا یہی تنہا ممکن طریقہ تھا، "الرحال" یا "الجوال" کا معزز لقب ان سیاحون کے لئے لفظی ہی معنون مین استعمال کیا جاتا ہے، "طواف الاقالیم" کے لقب مین ان کیلئے کوئی مبالغہ نہین ہے، جنمین سے بعض ایسے تھے جنھون نے تمام مشرق و مغرب مین چار مرتبہ سفر کیا تھا، ان تمام ملکون مین اون کے سفر کی غرض مناظر کا دیکھنا یا تجربہ کا حاصل کرنا نہ تھی، بلکہ اُن کا مقصد ان مقامات مین محدثین سے ملنا اور ہر ایک سے حدیثین سننا اور مستفید ہونا تھا، جیسے کہ بعض چڑیان درخت پر اسی لئے بیٹھتی ہین، کہ اونکی پتیان چُنین"

موجودہ مجموعون کی شکل مین احادیث کی تدوین پہلی صدی ہجری کے آخر مین شروع ہوئی اور اوس کے

بعد تیزی کے ساتھ ہوتی رہی، یہانتک کہ تیسری صدی کے ختم سے پہلے ہی حدیث اور متعلقات حدیث پر تقریباً تمام مستند اور اہم کتابین لکھ لی گئین، تدوین حدیث کے ساتھ ساتھ محدثین تمام رواۃ کے حالات بھی دریافت کرکے ان کی حیثیات پر نقد و تبصرہ کرتے گئے، اور احادیث کی جرح و تعدیل کے لئے ان رواۃ کے حالات پر ایک وسیع لٹریچر تیار کرلیا، انھون نے فرداً فرداً ہر حدیث کا بغور مطالعہ کیا، ہر ایک کی صحت اور اصالت سے ناقدانہ بحث کی، اور "موضوعات" پر ایک ضخیم دفتر تیار کردیا، انھون نے احادیث کی صوری اور معنوی دونون حیثیتون سے جرح و تعدیل کرنیکی غرض سے بہت سے فنون قائم کئے، اور ان کو فروغ دیا،

فلسفۂ فقرا

یعنے

سائنس اور تصوف

از

جناب ڈاکٹر نواب سر امین جنگ بہادر کے سی آئی ای سی، ایس، آئی ایم اے، ال ال ڈی حیدرآباد دکن،

جناب نواب سر امین جنگ بہادر کسی تعارف کے محتاج نہین، وہ بھی کبھی "نئے تعلیم یافتہ" تھے، مگراب تو پرانے ہو چکے ہین، وہ فلسفۂ جدیدہ کے ماہر، انگریزی کے ادیب اور تصوف کے ذوق چشیدہ ہین، ذیل کے مقالہ مین اونھون نے گویا اپنی روحانی سیر کا سفرنامہ لکھا ہی،

یہ مقالہ انگریزی مین ۱۳ اکتوبر اور ۱۴ نومبر ۱۹۳۱ء کو اسلامک ایسی سوشین تھیاسوفیکل ہال حیدرآباد دکن مین پڑھا گیا تھا، اور بصورت رسالہ وہان تقسیم کیا گیا تھا، لیکن اس خیال سے کہ اس کا فائدہ عام ہو اور ایک لائق صاحب فکر کی جستجو کا پتہ دوسرے سرگردانون کو بھی معلوم ہو، صاحب مقالہ کی اجازت سے ہم اس کو معارف مین شایع کرتے ہین،

اڈیٹر

تمہید

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا[1]

۱۔ تَصَوُّف سے ہر زمانہ مین ہر قوم وملت کے افراد کو کم وبیش دلچسپی رہی ہے، اوس کی طرف اکثر وہ بزرگوا

[1] سورۂ والشمس ۹۱: ۷-۱۰،

مائل رہے ہین، جو اپنے زمانہ کے جنگ و جدال یا خانہ جنگیون سے بیزار ہو کر گوشہ نشین ہو گئے، اور اون کی گوشہ نشینی کے غلط معنی سمجھے گئے کہ اونھون نے اپنی دانست کے موافق دین یعنی راہ حق اختیار کرنے کیلئے دنیا ترک کردی، لیکن کوئی فرد بشر دنیا ترک نہین کر سکتا، نہ دنیا کو چھوڑ کر کوئی دین یا راہ حق اختیار کر سکتا ہی، یہ راستہ انسان کو اپنی زندگی ہی مین اپنے ماحول یعنی دنیا ہی مین ملتا ہے، راہ حق جس کو کہتے ہین، وہ دنیا کے ماسوا یا ماورا نہین ہے، بس صوفیون کی گوشہ نشینی فی الحقیقت دنیا ترک کرنے کے واسطے نہین، بلکہ اپنے خیالات قدسیہ و قیاسیات الٰہیہ کو درست کرنیکے واسطے ہی[۱]

۲- اس مضمون کا نام فلسفۂ فقراء یعنے "سائنس اور تصوف" رکھا گیا ہی، مگر ہمارا روئے سخن اون فقرا کی طرف نہین ہے جن کے عادات و اطوار نے، علی الخصوص ہند مین لفظ فقیر کے معنی بدل دئے ہین، اور سچے فقرا کی وقعت اور عزت گھٹا دی ہے حتی کہ فقیری گداگری کے مترادف ہو گئی، ہم کو اُن فقیرون سے بحث نہین جنھون نے اپنی فقیری کو ذریعۂ معاش بنا لیا ہے، یہان صرف اون فقیرون کے خیالات، قیاسات اور عقائد کا ذکر کیا جاتا ہے (جو اپنے آپ کو پا لینے) کی کوشش مین بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہین، ایسے اشخاص ہر ملک و ہر زمانہ مین اگرچہ نایاب نہین تھے، مگر کمیاب تو ضرور ہے، خود ہمارے اس مادی زمانہ مین بھی ہندو مسلمان دونون قومون مین اور نیز دوسری قومون مثلاً سکھ اور عیسائیون مین قابلِ احترام فقرا موجود ہین، مگر وہ اپنا فقر یا اپنی فقیری ظاہر نہین کرتے، بلکہ اوسکو چھپا رکھنے کی کوشش کرتے ہین، ایسا فقیر جس نے اپنے آپ کو پا لیا ہے، جیسا کہ آیندہ ظاہر ہوگا، وہ اپنے ملک کا بڑے سے بڑا امیر بھی ہو سکتا ہے، اور چھوٹے سے چھوٹا کسان یا مزدور بھی ہو سکتا ہے، پس سچا فقیر کون ہے اور کون نہین، یہ معلوم کرنا سچے فقیر ہی کا کام ہے، جیسے چور ہی چور کو پکڑ سکتا ہے، اگر اتفاق سے کوئی ایسا فقیر کسی کو مل جائے، اور دونون مین اصولی خیالات و دلی خواہشات کا تبادلہ بلا تکلف ہو جائے، تو معلوم ہوگا کہ فقراء کا فلسفہ دلچسپی سے خالی نہین اور واقعی قابلِ لحاظ ہے، ایسا فلسفہ یعنی علوم و فنون مروجہ کے اصولی

[۱] کثرت مین جمال پاک وحدت دیکھو — عشرت مین ہے صاف نقش عشرت دیکھو
دنیا مین رہے عالم دین پیش نظر — آئینہ ہے اس لئے کہ صورت دیکھو

باتون سے استقرار کسی کام کا نہین جس کے نتائج انسان کو اوسکے روزمرہ امور زندگی کے مسائل اور دشواریون
کو حل کرنے مین مدد و معاون نہ ہون، ہماری رائے مین فلسفۂ فقرار کا ایک پہلو ایسا بھی ہے، جو زندگی کو زندگی
بنا سکتا ہے، اسی لئے ہم نے تعلیم یافتہ نوجوانون کی توجہ اس قدیم فلسفہ کیطرف مائل کرتے ہین، ہم اس فلسفہ کو اوسی
(PRAGMATIC) عملی نقطۂ نظر سے دیکھتے ہین، جس سے پروفیسر ولیم جیمس ہر فلسفہ پر نظر ڈالتے تھے وہ فلسفہ
کی اون تمام باتون کو لغو سمجھتے تھے، جو انسان کے عمل کیلئے فائدہ بخش نہ تھے، اور اوس کے عمل کو خطا و غلطی سے نہ بچا سکتے تھے،

۲۔ تصوف کوئی خاص مذہب نہین ہے، بلکہ ہر مذہب اسی پر مبنی ہے، تصوف کوئی فلسفہ نہین ہے، لیکن
ایک خاص قسم کا فلسفہ اوس سے متعلق ہے، جس کا نام ہم نے فلسفۂ فقرار رکھا ہے، اس اجمال کی تفصیل کے
قبل یہ کہدینا مناسب ہوگا کہ تصوف نفس کو وہم و تردد سے پاک کرکے قلب کو تشفی بخشتا ہے، اور اخلاق کی درستی
کا باعث ہوتا ہے، تزکیۂ نفس اسی کے معنی ہین، قد افلح من زکٰىھا، اگر اس سے ایسے مفاد کی امید نہ ہوتی، تو
تصوف فقیرون کا ڈھکوسلہ سمجھا جا کر اب تک ملیامیٹ ہو جاتا،

۲- توضیح

۱۔ ابتدا ہی مین لکھدیا گیا ہے، کہ ہر ملت و مذہب مین تصوف ہے، مسلمان جسکو تصوف کہتے ہین،
ہندو اوسکو ویدانت اور عیسائی اوسکو مسٹی سیزم کہتے ہین، جہانتک غور کیا گیا، ویدانت اور تصوف
کے اصول مین کوئی فرق نظر نہ آیا، حتی کہ بعض ویدانتیون کا ادعا ہے، کہ نوشیروان اور بزرجمہر کے زمانہ مین ویدانت
ہند سے فارس گیا، اور ایران سے بشکل تصوف پھر ہند مین واپس آیا، واقعہ جو کچھ ہو، ادعا یہی بتاتا ہے، کہ بعض
قابل احترام ویدانتی صوفیاے کرام کو اپنا ہم خیال اور ہم مشرب سمجھتے رہے، بلکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ اکبر
بادشاہ کے عہد اور بعد کے زمانون مین بھی ویدانتی و صوفی ایک دوسرے کے مرشد و مرید رہے، بہرحال اس مضمون
کے اغراض کے لئے فرض کر لیا جاتا ہے کہ ویدانت و تصوف مترادف ہین، فقرا جن کو ہنود یوگی یا بھگت

کہتے ہین۔ اون کو مسلمان عارف یا سالک کہین گے، یوگی یا عارف، بھگت یا سالک وہ شخص ہے جس نے اپنے آپ کو پالیا۔ اور جس کا نفس مطمئن ہوگیا، یا دوسرے الفاظ مین جسکو نفس مطمئنہ حاصل ہوگیا،

۲- انسان اپنے آپ کو کیسے پالیتا ہے، اور اوس کا نفس اپنے آپ سے کس طرح مطمئن ہوتا ہے؟ یہی دو دشوار سوال ہین جن پر اس رسالہ مین روشنی ڈالنے کی کوشش کیجائیگی، اس کوشش کا منشا محض اصل موضوع کی توضیح و تشریح ہے۔ کوئی عبارت آرائی نہین، اور نہ کسی کے قول و فعل پر کوئی اعتراض یا نکتہ چینی، اکثر ویدانتی اور صوفیون نے مذکورہ سوالون کے جواب اشعار مین ادا کئے ہین اور نثر مین اگر کچھ بیان بھی کئے ہین، تو اس مین ایسے اصطلاحات و استعارات لائے گئے ہین جن کے صحیح معنی سمجھنے مین مبتدیون کو تو کیا منتہیونکو بھی مشکل پیش آتی ہے، ازمنۂ سابقہ مین بعض پنڈت اور اکثر ملّا ویدانتیون اور صوفیون کے ایسے مخالف تھے، کہ اون کی ذرا ذرا سی بات پر اون کو کافر، ملحد، مرتد قرار دیکر یا سیاسی اغراض کے لئے اونکا وجود خوفناک ظاہر کرکے اون کی جان لینے کے درپے ہوجاتے تھے، لہذا تعصبی حملات سے بچنے کے لئے مسائل الٰہیات کی تفہیم ویدانتی اور صوفی سینہ بسینہ اپنے مریدون کو زبانی ارشادات سے کرتے اور اپنی تحریرات مین فقط اشارات و کنایات سے کام لیتے رہے، اسی وجہ سے تصوف کا شیوع زیادہ نہ ہوسکا، اور عامۃ الناس اوس سے خاطر خواہ بہرہ یاب نہ ہوسکے، انھی وجوہ کے باعث اس روشن زمانہ مین بھی تصوف تعصب کا شکار ہوتا رہا، تصوف کی باتین اصطلاحات اور استعارات ترک کرکے سہل طور سے بیان کرنا ازبس دشوار ہے، کیونکہ غلط فہمی کفر و الحاد کا فتویٰ دیدیتی ہے، ویدانت یا تصوف دراصل کسی مذہب کا مخالف نہین ہے، بلکہ ہر مذہب کا ممد و معاون ہے،

---

۵۱ یورپ کے ایک مشہور شاہی منجم کیپلر (KEPLER) جنھون نے سیارون کے حرکات کے تین قواعد مقرر کئے ہین جن پر اب تک ہر مہندس کا عمل ہے، اون کی بھی دہی اعلیٰ ترین خواہش رہی جو اب بھی ہر صوفی کی اعلیٰ ترین خواہش ہو کہ "وہ اپنے مین اوس اللہ کو پالے جسکو ہر وقت ہر جگہ خارج مین پاتا ہو" یعنی دوسرے الفاظ مین (اپنے آپکو پالے) اس بات کو وہی سمجھ سکتا ہو جسکو اوسکے مرشد نے (پانا) کیا ہے، اچھی طرح سمجھا دیا ہو،

۳۔ اگر محض تشبیہًا تصور کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچانے والا مذہب (جائے ذہاب) ایک ایسا راستہ ہے جو مسافرون کو کسی خوشنما شہر سے ایک بڑے سمندر کے کنارے پہنچاتا ہے، اس راستہ یا مذہب کے حالات شرک وکفر ومکروہات کے غار، پہاڑ، ندی نالے جو ہوتے ہین، اون مین سے ہوکر یا اون پر سے عبور کرنے والے سرنگ اور پل عقائد ہین، اور راستہ دراصل پختہ شاہراہ شریعت ہے، اور بازو کے پیدل راستے اور اسمین اگر ملنے والے گلی کوچے انسان کی نیتین اور اعمال ہین جن کو درست رکھنے کے واسطے فقہ بنا اور جس خوشنما شہر سے شاہراہ شریعت نکلتی ہے وہ تَصَوُّف ہی، سمندر کا کنارہ جہان مسافر پہنچ سکتے ہین وہ قرب الٰہی ہے اس سڑک سے پیدل افتان وخیزان جو گذرتے ہین، وہ معمولی انسان ہین، علما، وفضلا کسی قدر آرام سے گھوڑے بگھیون پر سوار چلے جاتے ہین لیکن اہل سلوک سبک سیر موٹرون پر جلد تر مقام مقصود پر پہنچ جاتے ہین، رشی اور اولیا برق رفتار ایروپلین پر منٹون مین کہین سے کہین پہنچ جاتے ہین، اس سادہ تشبیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ تصوف وسلوک مذہب وشریعت سے الگ یا باہر نہین ہے بلکہ اس شاہراہ کا مبدأ ویدانت یعنی تصوف ہے، کرم یا سلوک سے قرب الٰہی کے سمندر کے کنارہ تک رسائی ممکن ہے کوئی ویدانتی اپنے دھرم کو ترک نہین کرسکتا، نہ کوئی صوفی اپنے مذہب وشریعت سے الگ ہوسکتا ہی،

۴۔ اصطلاحًا علم (SCIENCE) اور فن یا ہنر (ART) مین اسی قدر فرق ہے جسقدر کہ معمولی طور سے کسی چیز کو جاننے اور پہچاننے مین اور اوس چیز کے متعلق کوئی کام کرنے مین ہے، مثلاً پانی کے اجزا کیا ہین ہر ایک جزو اس کا کس مقدار مین ہے، یہ پانی کا علم ہوگا، اجزا لیکر اون کو برقی قوت سے ترکیب دیکر پانی بنانا فن ہوگا، علم و فن کی اس تعریف کے موافق تصوف صوفی کا علم ہے اور سلوک اوس کا فن ہے، جو اپنے علم تصوف کے موافق کوئی کام کرکے اوس سے فائدہ اوٹھاتا ہے، فنون لطیفہ مین بہترین فن سلوک ہی،

۳۔ ویدانت اور تصوّف

۱۔ اس قدر تمہید وتوضیح کی ضرورت ویدانت اور تصوف کی کیفیت بیان کرنے کے واسطے واقع ہوئی، تاکہ تعصب

دور ہو اور غلط فہمی نہ ہونے پائے. تصوف کے متعلق فلسفہ کے چند اہم مسائل کی وضاحت و تفہیم کے لئے یہ رسالہ جو لکھا جاتا ہے،

اوس کے واسطے یہ بھی لازم ہے، کہ "ویدانت یا تصوف کیا چیز ہے": اس کا مختصر بیان کیا جائے تاکہ اوس کے متعلقہ

مسائلِ فلسفہ سمجھنے مین سہولت ہو،

بیا و حالِ اہلِ درد بشنو لفظِ اندک و معنیِ بسیار، (حافظ)

۲- اختصار کی غرض سے تصوف کی چار باتین اول سوال و جواب کی شکل مین لکھ کر بعد مین ہر اجمال

کی مختصر تفصیل کیجاتی ہے،

(۱) چہ؟ تصوف کسکو کہتے ہین،؟

پراگماٹک یعنی عملی نقطۂ نظر سے اوس کو نفس انسان کی ایک خاص اُمنگ یا ہیجان کی خاص حالت کہین گے،

چنانچہ صوفی کہتے ہین تصوف "حال" ہے "قال" نہین،

(۲) چون؟ وہ خاص حالت کس طرح پیدا ہوتی ہے،؟

جب انسان اپنی ذات اور اپنے مختلف و متعدد تعلقات پر خوب غور کرکے بطور خود یا کسی مرشد کی امداد سے

سے کسی نتیجہ پر پہنچتا ہے، اور اس نتیجہ پر اوس کو یقین کامل ہو جاتا ہے. تو اوس کے نفس مین وہ امنگ یا

ہیجان پیدا ہوتا ہے جسکو تصوف یا ویدانت کہتے ہین،

(۳) چرا؟ ایسی امنگ کیون پیدا ہوتی ہے،؟ اس کا باعث کیا چیز ہوتی ہے،؟

رویا، الہام، القا، کشف وغیرہ اس امنگ کے باعث ہوتے ہین،

(۴) مفاد؟ تصوف سے کیا فائدہ ہے،؟

تصوف ہر فرد بشر کو اہلِ بہشت کو بنا سکتا ہے، ؎

آصف کسی مقام کی تخصیص کچھ نہین جنت وہی جگہ ہے، جہان جی بہل گیا، (آصف)

اگر تصوف عام ہو جائے تو جنس انسان کے لئے روئے زمین فردوس بریں ہو جائے، جوابات مین خط کشیدہ

الفاظ وہی ہین (یعنی خاص حالت، نتیجہ، یقین کامل، رویا، کشف، الہام وغیرہ) جنمین تصوف کا گر پوشیدہ ہی، اور جن کے معنی گرو یا مرشد اپنے مرید کو سینہ بسینہ اوسکی فہم کے موافق بتاتا یا سمجھاتا ہی،

۳- کسی شئے کی مکمل تعریف یا کسی امر کی کامل تفہیم کے لئے تین سوال چہ؟ چون؟ چرا؟ کے تشفی بخش جوابات دینا ضرور ہے، اگر ان تین سوالون مین سے کسی ایک کا بھی جواب ادا نہ ہوسکے، تو انسان اوس کو جاننے اور پہچاننے سے قاصر رہتا ہے، چنانچہ صاحب گلشن راز نے انسان سے خدا کی تعریف کے ممکن نہ ہونے کو یون بیان فرمایا ہی،

منزہ ذات اوازچہ؟ چرا؟ چون؟

تعالی شانہ عما یقولون،

اگر تصوف کی نسبت تین سوالات مذکورہ کے جوابات تشفی بخش نہ ہون اور خط کشیدہ گر یا الفاظ جن کے معنی ارشاداً سچے گرو اور مرشد کامل ہی بتا سکتے ہین، وہ اس مضمون مین اچھی طرح بیان نہ ہوسکین تو اوس کو تصوف کا کوئی نقص ہرگز نہ سمجھا جائے، بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ مضمون نگار اس کو اچھی طرح نہ سمجھا، تصوف کی جو باتین بیان کیجاتی ہین، وہ صوفیون یا ویدانتیون کے نزدیک متفق علیہ نہین ہین، لہذا اون کی نسبت اختلاف آرا بھی ممکن ہی،

۴- عربی لفظ "تصوف" کی اصل صوف ہے جس کے معنی یونانیون کے نزدیک عقل کے ہوتے ہین، اس کا معرب باب تفعیل مین تصویف بن گیا جس کے لغوی معنی عقل لڑانے کے ہوتے ہین، مگر اصطلاحی معنی "ذات اور صفات پر غور و خوض" کے لئے جاتے ہین، اس تصویف یعنی غور و خوض کا نتیجہ باب تفعل مین تصوف قرار پایا، جسکی تعبیر اور "امنگ" یا "ہیجان کی حالت" سے کیگئی ہے،

۵- نفس[1] کی امنگ کی ہر حالت جسکو انگریزی مین ATTILUDE کہتے ہین، اوس کے کم و بیش تین

[1] چونکہ تصوف کا تعلق نفس سے ہی، اس لئے یہان کسی قدر توضیح کی ضرورت ہے کہ نفس کسکو کہتے ہین؟ انسان جسکو (مین) کہتا ہی اور جسکو (تو) اور (وہ) سے الگ سمجھتا ہے، اوسکو اصطلاحاً **ایغو** کہتے ہین جسکو ہر شخص عام زبان مین "میرا نفس" "میرا ذہن" "میرا دل" کہتا ہے (۱) کسی چیز کو اپنے لئے حاصل کرنے کی کوشش مثلاً کوئی غذا اپنے لئے کسی نہ کسی ترکیب سے پیدا کرنے کی سعی، میرے ایغو کا خاصہ ہی (دیکھو صفحہ ۱۰۲)

پہلو FUNCTIONS تین وظیفے[۵۱] لازماً ہوتے ہیں ایک وجدہ COGNITION / KNOWING دوسرے

جذبہ CONATION / STRIVING تیسرے ہیجہ EMOTION / FEELING پھر تینون پہلو ہر امنگ مین رہنا لازم ہے

لیکن ایک ہی وضع پر یکسان رہنا شرط نہین، کیونکہ انسانی طبائع مختلف ہین، ہر ایک کی طبیعت کے مطابق اوسکی

صوفیانہ امنگ ہوگی، کسی کے تصوف مین جذبہ اس قدر زیادہ ہوتا ہے، کہ وجدہ وہیجہ کو دبا رکھتا ہے، اور کسی کے

تصوف مین ہیجہ، ہیجان، اس شدت سے ہوتا ہے، کہ اوس کے مقابل نسبتہً وجدہ وجذبہ قلیل ہوتا ہے، ہم فی الوقت

فاضل صوفیون کے وجدہٗ الہیہ سے اور مجذوب صوفیون کے جذبۂ قدسیہ سے قطع نظر کرکے فقط سالک صوفیون کے

ہیجۂ محترمہ کو پیش نظر رکھتے ہین،

۶ - غرض تصوف نفس انسان کی ایک امنگ وتہیج کی حالت کا نام ہے، جو تصویف کا نتیجہ یا ماحصل ہے اور

تصویف وہی ہے کہ کوئی شخص INDIVIDUAL جو اپنے آپ کو لفظ مین[۵۲] سے موسوم کرلیتا ہے، اور دیگر اشخاص

واشیاء کو میرے کہکر اپنی طرف منسوب کرلیتا ہے، خوب سوچے کہ

(الف) مین کیا اور کون ہون، ؟ چہ ؟

(ب) مین کیون یہان آیا ہون، ؟ چون ؟

(ج) مین کس لئے یہان ہون ، ؟ چرا ؟

اگر ان تینون سوالون کے جوابات اوسکی تشفی وتسلی کے موافق اوسکو مل جائین، اور اوسکو اس پر یقین ہوجائے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۱) جسکو اصطلاحاً ہیجہ کہتے ہین، (۲) کیا چیز کیسے (مجھے) مل سکتی ہے، اوس کا جاننا اور یہی نا مثلاً سیب کیا ہے، اور کیون مل سکتا ہے، اوسکا علم میرے ایغو کا لوازمہ ہے جسکو اصطلاحاً وجدہ کہتے ہین، (۳) کسی چیز کے احساس سے (میرے) جسم کے اندرونی حالات مین تبدیلی واقع ہونا مثلاً خوشنما سیب کو دیکھنے سے منہ مین پانی آنا جو ایک قسم کا جذبہ ہے، وہ میرے ایغو کی قوت ہے جسکو اصطلاحاً بھی جذبہ کہتے ہین، پس سعی، علم، جذبہ یا اصطلاحاً ہیجہ، وجدہ، جذبہ، ایغو کے تین پہلو ہین، جو میری خواہش یا شغف مین جمع رہتے ہین،

[۵۱] پہلو معمولی لفظ ہے اصطلاحی لفظ "وظیفہ" ہے ان معنون مین جو حافظ نے بیان فرمایا ہے،

حافظ (وظیفہ) تو دعا گفتن ست وبس ۔ دربند آن مباش کہ نشنید یا شنید،

[۵۲] ہاتھی کو ہم "شخص" نہین کہہ سکتے کیونکہ ہم کو معلوم نہیں، آیا وہ اپنے کو "مین" کہتا ہے یا کیا،

تو وہ صوفی یا ویدانتی ہوجاتا ہے، اوس وقت اوس کے نفس مین جو خاص ہیجان یا تہیج پیدا ہوتا ہے وہی اوس کے غور کا نتیجہ یا ماحصل یعنے تصوف ہے اس تصوف کا اثر جو اوس کے اطوار و اقوال و افعال پر پڑے گا، وہی اوس کا سلوک ہوگا، اگرچہ ہر شخص کی تصویت ایک ہی وضع کی ہوتی ہے، لیکن کہا نہین جاسکتا کہ اس کا لازمی نتیجہ ایک ہی ہوگا کیونکہ ہر ایک سبب سے مسبب متعدد و مختلف ہوتے ہین، جیسے سورج کی گرمی سے موم گھل جاتا ہے، کیچڑ سخت ہوجاتی ہے، پانی بخار بن کر اُڑ جاتا ہے، اسی طرح ہر شخص کی طبیعت یا خصلت جداگانہ ہونے سے ہر طبیعت کے آدمی کا تصوف نوعیت اور مقدار کے لحاظ سے QUALITATIVELY AND QUANTITATIVELY جداگانہ ہوتا ہے، جس علم سے جو عمل ظہور مین آے جس تصوف کا اثر جو سلوک ہے وہی اوسکی نیکی یا بدی کا پیمانہ ہے، کسی صوفی کا سلوک غیظ و غضب برپا کرنے والا جلالی ہے، اور کسی کا سلوک امن و امان پیدا کرنے والا جمالی، لیکن علی العموم ویدانتی گرو اور صوفی شیوخ اپنے مریدون مین ایسا تصوف اور ایسا سلوک پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہین جس سے یہی عالم جسکو ہم دنیا کہتے ہین، مرید کے حق مین بہشت ہوجاتا ہے، اور وہ مرید اپنے ماحول کو فردوس بنانے کی کوشش بلیغ کرتا ہے، (یاد رہے ہمارا روے سخن معمولی گندم نما جو فروش صوفیون اور ویدانتیون کی طرف نہین ہے، بلکہ اون محترم اور مبارک ہستیون کی طرف ہے جو دراصل صوفی ہین اور صوفیون کے مرشد اور گرو ہوتے ہین)،

۷۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے، ہر امر کی کامل تعریف یا تفہیم کے لئے اوس کا متعلق چہ چون چرا کی صراحت کرنی لازم ہے، لیکن دنیا مین بعض ایسے امور ہین جن کی نسبت اگرچہ چہ اور چون کے جوابات دئے جاسکتے ہین، اگرچہ اون کی ماہیت و کیفیت بیان کیجاسکتی ہے، لیکن اون کی وجہ چرا؟ بیان نہین کیجاسکتی، ایسے ہی امور مین ایک تصوف بھی ہے، جس کے متعلق چرا یا وجہ کی تشریح الفاظ یا ارشادات سے بھی ممکن نہین، فقط الہام و القا، کشف و کرامات ہی سے اسکی تفسیر ہوسکتی ہے، مگر یہ ہمارے امکان سے خارج ہے اگر آپ کسی اہل سائنس

سلہ امجد:۔ کیون گرم ہے آفتاب معلوم نہین کیون ہے یہ انقلاب معلوم نہین
جی بھر کے سوال کر لو جتنے چاہو سب کا ہے یہی جواب معلوم نہین

سے پوچھین کہ پانی کیا چیز ہے؟ اور کس طرح بنتا ہے،؟ وہ پانی کے گلاس کی طرف اشارہ کر کے بتائیگا کہ وہ پانی ہے،
اور کہے گا کہ ہیڈروجن اور آکسیجن کی مقدار مقررہ کو برقی قوت سے ترکیب دینے سے بنتا ہے، لیکن آپ اگر اوس سے یہ بھی
پوچھین کہ کیون اون عنصرون کی اوس مقدار کی ترکیب سے فقط پانی بنتا ہے شراب یا اور کوئی چیز کیون نہین بنتی تو وہ
آپ کو تنور دیکھکر خاموش ہوجائے گا، ایسا ہی اگر آپ کسی پنڈت یا شیخ سے پوچھین کہ وہ کیون ویدانتی یا صوفی ہے، کوئی
چور یا بدمعاش کیون نہ ہوا؟ تو وہ بھی آپ کو ویسا ہی نیچے اوپر دیکھ کر خاموش ہوجائے گا، اوس کے اس دیکھنے اور چپ
ہوجانے کے یہ معنی نہین ہین کہ وہ سائل کو دیوانہ سمجھتا ہے، یا اوس کو آپ کے بیجا سوال پر غصہ آیا نہین بلکہ صوفی یہی سمجھے گا
کہ آپ خدا کے اوس الہام القا، یا کشف سے محروم ہین، جو اوس نے بڑی ریاضت یعنی نفسی جدوجہد کے بعد پائی یا جو شیخ
کی مہربانی سے اوس کو حاصل ہوئی، چنانچہ اکثر مغربی مراکش وغیرہ کے صوفیونکا مقولہ ہے من لا شیخ لہٗ فشیخہٗ
الشیطان جس کا کوئی مرشد نہین اوس کا مرشد شیطان ہے لیکن یہان الہام القا، کشف وغیرہ کی ماہیت یا کیفیت
کی بحث نہین ہوسکتی جو تصوف کے خاص تہیج سے تعلق رکھتی ہین، کیونکہ فی الحال ہمارا مطلب خود تصوف کی تفسیر و
تصریح نہین ہے، بلکہ فقط تصوف کے فلسفہ کی تاویل ہے جسکی صوفیون کو ضرورت ہوتی ہے تاکہ تصوف کی اُمنگ
سہل طور سے پیدا ہوسکے، ؎

تلقین درس اہل نظر یک اشارتست ۔۔۔ کردم اشارتے و مکرر نمی کنم (حافظ)

۸- تصوف سے کیا فائدہ؟ کیا اوس سے ہر متنفس کی روزمرہ خوشی کی مقدار مین کوئی اضافہ ہوسکتا ہے؟
کیا اوس سے نوع انسان کی بہبودی من حیث المجموع زیادہ ہوسکتی ہے،؟ اس قسم کے سوالات کسی صوفی سے کئے
جائین، تو وہ ہنسکر جواب دیگا کہ تم خود صوفی بن کر دیکھو[1]، تصوف حال ہے قال نہین، تم صوفی بنجاؤ تو معلوم ہوگا،
تصوف کی حالت اگر بار بار کسی کے نفس پر طاری ہوتی رہے، تو اوس کے خذبہ مین کچھ ایسی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے

[1] امجد:- ساری دنیا سے ہاتھ دھو کر دیکھو، ۔۔۔ جو کچھ بھی رہا سہا ہے کھو کر دیکھو،
کیا عرض کرون کہ اس مین کیا لذت ہے، ۔۔۔ اک مرتبہ تم کسی کے ہو کر دیکھو،

کہ اوہ اوس مین رہنے کے واسطے بلا تامل اپنا من تن دھن وقف کردیتا ہے، وہ اپنے نفس مطمئنہ ہی کو اپنے حق مین ہزار بہشت کی ایک بہشت سمجھتا ہے، ؎

خرم دل آن کہ ہمچو حافظ　　جامے ز مئے الست گیرد (حافظ)

وہ اپنے کو ہر شخص و ہر شئے مین دیکھتا ہے، گویا وہ شخص خود آپ ہے، یا وہ شے یا اوسکی صفت خود آپ مین ہے اوس کے نزدیک کوئی غیریت نہو گی، ہر مین کہنے والے کو وہ خود آپ ہے سمجھیگا، ہر چیز کے حسن و قبح کو خود آپ مین پائے گا، دوسرون کے اغراض اپنے اغراض تصور کرے گا جب کسی فرقہ یا گروہ کے افراد مین سے اس طرح غیریت اوٹھ جائے اور ہر ایک اپنے اغراض کو دوسرون کے مخالف تو کیا یکسان بلکہ ایک ھونا تصور کرے گا، تو اوس گروہ مین صلح و امن کی ایسی لہر پیدا ہو جائے گی، کہ جسکے دیکھنے والے یہی کہین گے، ؎

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمین است و ہمین است و ہمین است

۹۔ فقرۂ بالا مین جس بہشت و فردوس کا ذکر ہے وہ محض نفس کا ایک وجدان Ideal ہے، جو صوفیون کے مدِ نظر رہا کرتا ہے، ساتھ ہی اس کے صوفیون کو بخوبی اس کا علم و احساس بھی رہتا ہے، کہ اپنے موجودہ زمانہ مین وجدانات Sentiments کا کامل وجود امکان سے باہر ہے، مگر اون کا خاصہ یہ ہے کہ اون کے مقاصد کے حصول کے لئے جس قدر زیادہ کوشش کیجاتی رہے اور اس کوشش مین جسقدر کامیابی جس حد تک حاصل ہوتی رہے، اوسی قدر زیادہ خوشی انفراداً، زیادہ بہبودی اجماعاً ہوتی ہی،

۱۰۔ ویدانت یا تصوف کے فلسفہ کی کوئی توضیح تشفی بخش نہین ہو سکتی، جب تک اوس کے ایک مفروضہ[۱] Phyno the ses کا سرسری ذکر نہ کیا جائے، جو تمام ویدانتی و صوفی تحریرات مین مسلمہ ہے، جس کا نام عام زبان

[۱] اصطلاحاً، قیاس، مفروضہ، نظریہ مین ویسا ہی فرق ہے، جیسا (۱) ایک بات سے دوسری بات نکالنا، (۲) چار پانچ باتون سے ایک بات نکالنا (۳) بہت سی باتون سے ایک عام بات نکالنا،

مین «بے ثباتیٔ عالم» ہے، وہ سادہ الفاظ مین اسی قدر ہے کہ ہمارے محسوسات وادراکات مین ہم کو کوئی ہستی درحقیقت قائم نظر نہین آتی، بلکہ ہر ہستی اپنی ہیئت وحالت ظاہر وباطن کو ہر لحظہ وہر آن بدلتی ہوئی پائی جاتی ہے، کسی ہستی کو یہان کوئی ثبات نہین، اگر ثبات ہے تو صرف تبدیلی کو، اکثر ویدانتی اور صوفی بے ثباتیِ عالم کے ثبوت کی ضرورت ہی نہین سمجھتے، بلا تامل مان لیتے ہین کہ ہمارے فہم وادراک مین کوئی ایسی چیز نہین آسکتی جو ہر وقت اور ہر جگہ بالکل یکسان اور ایک حالت مین ہو، زمین اپنے محور پر اس طرح سہولت سے پھرتی ہے، کہ ہم کو معلوم ہی نہین ہوتا کہ ہم بھی اوس کے ساتھ رات دن پھرتے اور سال بھر سورج کے اطراف چکر لگاتے ہین، البتہ اگر کوئی زلزلہ آجائے تو کسی قدر احساس ہوتا ہے کہ ہماری زمین متحرک ہے، اگر کوئی شے اس عالم مین یکسان اور ایک ہی حالت مین رہنے والی قائم ودائم ہے تو ہم انسانون کے فہم وادراک سے خارج ہے، ہر ہستی یا چیز خواہ انسان ہو یا حیوان، خواہ درخت ہو یا پتھر، ہر جگہ ہر وقت اپنی ہیئت وحالت اور اپنے اوضاع وتعلقات کو ہمیشہ ہر طرح سے بدلتا رہتا ہے، ہم جس کو فلان چیز کہتے ہین، وہ ایک ساعت تو کیا ایک آن مین دوسری چیز ہو جاتی ہے، مین جو اس وقت ہون منٹ دو منٹ مین بالکل دوسرا زمین ہو جاتا ہون، مثلاً ندی جو بہتی چلی جاتی ہے، اگر دور سے دیکھی جائے تو استادہ پانی کا چشمہ نظر آئے گی، اگر قریب جاکر دیکھی جائے تو بہتا ہوا پانی نظر آئے گا، جو بہاؤ کی سرعت کی وجہ سے دور سے ار بنسبت ندی کے کنارون کے استادہ پایا گیا، اگر اور بھی قریب جاکر خوب غور سے پانی پر نظر ڈالی جائے تو اوس کا قطرہ قطرہ ایک مقام سے دوسرے تیسرے چوتھے مقام پر جاتا ہوا پایا جائے گا، پانی کا ایک ایک قطرہ بھی اگر کلان بین سے دیکھا جائے تو اوس کا ذرہ ذرہ اپنی ماہیت وحالت بدلتا ہوا نظر آئے گا، یہی حالت اس عالم کی ہر ہستی یا ہر شئی کی ہے، جو اگرچہ بادی النظر مین ایک طور سے قائم پائی جاتی ہے، لیکن دراصل جلد سے جلد تر بدلتی رہتی ہے، کسی کو کوئی ثبات یا دوام نہین، ہر ہستی نہ بود ہے نہ نابود ہے، بلکہ بود ونابود دونون کے مابین ہے، اسی کو حالت ارتقا کہتے ہین، دنیا بقول جامی، سہ

بحریست نہ کاہندہ نہ افزایندہ ‏ ‏ امواج برآورندہ وآیندہ

عالم چو عبارت ازہمین امواج است ‏ ‏ نبود دو زمان بلکہ دوان پایندہ

۱۱- غرض اس طرح ہر جگہ اور ہر وقت اپنے صفات و حالات، اپنے حرکات و سکنات اپنے باہمی تعلقات، اپنی ہیئت و حالت کو بدلتے ہوئے اشیا، یا ہستیون کو فلاسفر اصطلاحاً انگریزی مین (واحد) فنامنن Phenomenon (جمع) فنامنا، اور عربی مین (واحد) مظاہرہ (جمع) مظاہرات یا ظواہر کہتے رہے، مگر حال مین پروفیسر آئین سٹین نے اپنے مشہور نظریۂ تناسبیہ کے واسطے ان کا نام (واقعات مکان و زمان) رکھا ہے، مگر صوفی اپنے فلسفۂ تناسبیہ مین جملہ ظواہر کو (حادثات جسم و جان) یا (حوادث روح و جسم) کہتے ہین، جن کا بیان متعاقب آئے گا۔

۴- ارتقاء

۱- راقم گذشتہ تیس سال مین کسی ایسے صوفی یا ویدانتی سے نہین ملا، جو مذکورہ معنون مین ظواہر یا حادثات جسم و جان کے ارتقا کا قائل نہ تھا، لفظ ارتقا، و نیز انگریزی لفظ ایولیوشن (Evolution) کے لغوی معنی "خود بخود کھلتے اور پھیلتے جانا" ہوتے ہین، اوس کے اصطلاحی مفہوم مین ترقی و تنزل، عروج و نزول "دونون" شریک ہین، مثلاً بعض یکسان اجزا، یا قوتون کے اجتماع (Integration) سے ایک جدید شئے یا جدید قوت بن جانا اور، اوس جدید شئے یا جدید قوت کے اجزا مین افتراق (Differentiation) پیدا ہونے پر بھی باہم اجزا، مین ایک طرف اور نیز اجزا، اور کل مین دوسری طرف اعتدال Equilibrium باقی رہنا یہ سب امور مجموعاً ارتقاء عروج کے معنون مین شامل ہین اور اوس جدید شئے کے یا جدید قوت کے اجزا، یا قوتون مین پھر افتراق ہونے سے اجتماع باقی نہ رہ کر باہمی اعتدال کا زوال ہوجانا، یہ سب امور بھی مجموعاً ارتقاء نزول کے معنون مین شامل ہین، لیکن نظریۂ ارتقا کے تین طریقے اجتماع و افتراق و اعتدال کی کیفیت بیان کرنا تو کہان اوس نظریہ کی تعریف بھی مختصر طور سے کرنیکی یہان گنجایش نہین ہے، فقط سرسری طور پر ارتقا کے معنی بتا کر یہ کہدینا مقصود ہے، کہ ویدانتی اور صوفی اس ارتقا کے ہمیشہ قائل رہے ہین، اگرچہ اون کے تصانیف و تالیفات مین اشیا یا قویٰ کے ارتقا کا کوئی ایسا ثبوت نہین ہے، جیسا کہ انیسوین صدی کے مغربی محققین نے پیش کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اگلے

زمانہ کے صوفی محققین اپنے اختبارات (Observations) وآزمائشات (Experiments) وتحقیقات (Investigations) کا فقط نتیجہ بیان کردیتے تھے، طریقۂ اختبار، ترکیب آزمایش اور آئین تحقیقات کی توضیح وتصریح غیر ضروری سمجھتے تھے، غرض صوفی بے تکلف مانتے ہین کہ ظواہر، واقعات زمان و مکان، حادثات جسم وجان مین (۱) طبعیات کے اعتبار سے فعل وضدِ فعل کا (۲) حیاتیات کے اعتبار سے ولادت اور موت کا (۳) اقتصادیات کے اعتبار سے تدریجی ترقی اور تدریجی تنزل کا دور دورہ، دورِ دائرہ (Cycle) ہر وقت اور ہر جگہ رہا ہے، اور ہمیشہ رہے گا، مزید برآن یعنی ارتقاء کے عمل کو ماننے کے علاوہ صوفی اور ویدانتی ارتقاء مین مدارج بھی تسلیم کرتے ہین، چنانچہ مولینا رومی کی مثنوی کے ابیات[1] مین ارتقاء کے مدارج بتائے گئے ہین ویدانتی وشنو کے اوتارون کے استعارات مین مچھلی سے لیکر انسان و ملائکہ تک کے مدارج ارتقا بیان کرتے ہین بلکہ ارتقا کا نظریہ ان حضرات کے نزدیک بے ثباتی عالم کے کلیہ کا محض ایک جزو یا شعبہ ہے

۲- صوفیون اور فیلسوفون نے ظواہر کے یعنی حادثات جسم وجان کے دور دورہ کو ہستی تصور کیا ہے لیکن سوال یہ ہے، کہ "وہ کیا چیز ہے" "وہ قوت کیا ہے، جس کے دورۂ دائری یا دور دورہ Cycle کو ہم ہستی کہتے ہین؟" دوسرے الفاظ مین سوال یون کیا جا سکتا ہے، کہ "وہ کیا ہے جس کا عروج ونزول ارتقاء مین ہوتا ہے؟" ہربرٹ اسپنسر، ہسلی، اسٹیفن جیسے فیلسوف (فلاسفہ لاادری) Agnostics کہتے ہین، کہ "وہ کیا ہے، ہم نہین جانتے اور نہ جان سکتے ہین، اُس کا علم ہم کو کچھ بھی نہین ہو سکتا حتی کہ وہ ہے، یا نہین، یہ بھی ہم نہین کہہ سکتے" چند دوسرے فیلسوف (فلاسفہ الٰہی) [illegible] کہتے ہین، "کہ وہ ذات ہے جو ظواہر مین، واقعات زمان ومکان مین، حادثات جسم وجان مین مستتر ہے، جس کا اجمالی علم یا احساس ہم کو کسی نہ کسی طور سے ہوتا رہتا ہے" لیکن سوال مذکور کا جواب صوفیون اور ویدانتیون کے پاس یہ ہے کہ وہ ذات بحت یا ذاتِ مطلق خدا ہے، جسکی نسبت چہ چون وچرا کچھ بھی ہم نہین کہہ سکتے لیکن اس کے وجود کا محض احساس ایک طور سے کبھی نہ کبھی تصوف کی خاص حالت یا امنگ مین ہونا ممکن ہے اسی لئے وہ انسان کا اکثر تصوف کی حالت مین رہنا پسند کرتے ہین،

---

[1] من جمادی بودم و نامی شدم ۔۔ الی آخرہ،

۵- ذرائعِ سلوک

۱- "صوفیون یا ویدانتیون کے مختلف فرقے ہین"۔ ایسا کہنا غلط ہے کیونکہ (سب کو ایک سمجھنے) والون مین تفرقہ نہین ہوسکتا۔ ان مین کوئی فرقہ بندی ممکن نہین۔ البتہ بعض صوفیون نے اپنی اپنی سمجھ کی تائید کے لئے کوئی ایک معمولی طریقہ سوچ لیا ہے۔ بعض نے غیر معمولی طریقہ اختیار کرلیا ہے۔ چند اور صوفیون نے ایک تیسرا طریقہ ایجاد کرلیا ہے۔ اوپر بیان کردیا گیا ہی کہ علم و فن مین جو فرق ہی، وہی فرق تصوف و سلوک مین ہے۔ اور ایک تشبیہ سے سمجھایا گیا۔ کہ شاہراہ شریعت پر سے گذر کر قربِ الٰہی حاصل کرنے کے ذرائع (تیز رفتار سواریان) ہوتے ہین جسطرح سواریان اقسام کی ہوتی ہین۔ اوسی طرح سلوک کے ذرائع بھی قسم قسم کے ہوسکتے ہین۔ ایسے ہر ذریعۂ سلوک کا نام صوفیون نے طریقہ قرار دے لیا ہی۔

۲- شریعت کی شاہراہ سے جلد عبور کرنے کے ذریعہ (طریقہ) کے نام سے موسوم ہین۔ سلوک کے طریقے دراصل "دو" ہین۔ اور دیگر تمام طریقے ان دونون طریقون کے متعدد امور کے شمول و خروج۔ جمع و تفریق سے نکالے گئے ہین۔ ایک اصولی طریقہ اون صوفیون اور اَدویتا ویدانتیون کا ہے جو ھوالکل کہتے ہین۔ اور دوسرا اصولی طریقہ اون صوفیون اور دُویتا ویدانتیون کا ہے۔ جو ھُوالباری کہتے ہین۔ دونون اگرچہ پکے موحد ہین۔ لیکن توحید کو پانے کا "طریقہ" جس کو ہم "ذریعہ" کہین گے۔ ہر ایک نے الگ الگ اختیار کیا ہی۔ ہر طریقہ یعنی ذریعہ کے متعلق مختلف مباحث طول و طویل ہین جن کا تذکرہ اس مضمون کے اغراض کیلئے غیر ضروری ہی۔

۳- یہان فقط اشارۃً و کنایۃً دونون کا فرق حسب ذیل بتایا جاتا ہی۔

(الف) ھُوالکُل	(ب) ھُوالباری
۱- نظریہ- ہمہ اوست یا اندر ہمہ اوست	۱- نظریہ- ہمہ از وست[۱]
۲- ارتقا، خودبخود ہوتا ہی Emergent	۲- ارتقار- پیدا کیا جاتا ہی Creative

[۱] گر بگوئی بگو (ہمہ زوست)۔ ور بدانی بدان (ہمہ اوست)

۳۔ تصوف: ہیبہ، سکون کی طرف مائل Peace	۳۔ تصوف: ہیبہ، جوش کی طرف مائل Ecstacy
" جذبہ، وہ اور مین جدا نہین (وہ دریا تو مین قطرہ ہون)	" جذبہ، اوس کے ساتھ مین اور میرے ساتھ وہ ہے،
" وجد: وصل؛	" وجد، "عشق"
۴۔ حقیقت، حق، حق، حق؛	۴۔ حقیقت، "حسن ازلی محبوب کل"
۵۔ اعتقاد، مین کون ہون؟ انا الحق (عارف)	۵۔ اعتقاد، مین کون؟ انا عبدہ (عاشق)

۴۔ فلسفہ مین یعنی علوم و فنون کے اصول سے استقرآت مین تین اصل الاصول ہین، جو مسائل کے طور پر یون بیان کئے جا سکتے ہین:۔ پہلا مسئلہ Psychological روح یا نفس کیا ہے؟ دوسرا مسئلہ Cosmological ماحول النفس کچھ ہے کہ نہین اگر ہے تو کیا ہے؟ تیسرا مسئلہ Ontological نفس و ماحول النفس کے ماسوا یا ماورئ کچھ ہے بھی؟ یہی اصولی مسائل ہین، جنسے متعلق بقیہ تمام مسائل ہین، جن کے بیان و تادیل و ثبوت وغیرہ مین فلسفی سرگرم رہتے ہین؛ مگر صوفیون اور ویدانتیون کے پاس ان تینون سوالون کا ایک ہی جواب صرف ھُوَ ہے، یہ جواب دیدینا بہت سہل ہے لیکن اوس کی صحت کا کسی فرد بشر کو یقین دلانا کچھ سہل نہین ہے، اس کے واسطے بوعلی سینا، امام غزالی جیسے صوفیون کو شنکرا چاری، مادھوا چاری جیسے ویدانتیون کو فلسفہ کی ضرورت ہوئی،

۵۔ اوپر اصطلاحی الفاظ ہیبہ، جذبہ، وجدہ کی تعریف کردی گئی ہے، اور بیان ہو چکا ہے کہ ہوالکل اور ہوالباری کہنے والے صوفیون کی مذکورہ پانچ مختلف باتون کے شمول و خروج یا جمع و تفریق سے، دوسرے تمام طریقے یعنی ذرائع سلوک قائم ہوئے ہین، گویا معدودے چند دھاتون کے آلات اور مختلف وضع کے کل پرزون سے جدا جدا سواریان (شکرام، بگھی، موٹر، ایروپلین) ہر وضع و قطع کے ذرائع سیر کے واسطے بنا لیے گئے ہین، تمام سواریان (طریقے) اگرچہ ایک ہی وضع و قطع کی نہین ہین، لیکن سب ایک ہی سڑک شریعت (دھرم) پر چلنے والے اور سب ایک ہی منزل مقصود کو لیجانے والے ہین۔

مین نور کا ہون شیدا، وہ نار پر فدا ہے منزل تو ایک ہی ہے، رستہ رستہ جدا جدا ہے، (امجد)

اسی لئے یہان ہر طریقہ کے مباحث کی صراحت کی کوئی ضرورت نہین، صرف اون کو اشارۃً بیان کردینا کافی ہے۔ ان مسائل و مباحث کی مرشدون کو اس لئے ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ (جیسا اوپر بیان ہوا ہے) اپنے مریدین کے دلون مین یقین کامل پیدا کرین، جو تصوف کی امنگ کیلئے لازم ولابد ہے، علی العموم کہا جاسکتا ہے، کہ صوفیون کو ایک خاص قسم کے فلسفہ کی (جس کا نام ہم نے فلسفہ فقرا رکھا ہے) ضرورت اس لیے ہوئی کہ اوس سے طالب کے دل مین یقین کامل پیدا کرنے مین سہولت ہو سکے (دیکھو فصل ۲، ۳ کے دفعات متعلقہ صوت تصویف و تصوف)۔ (باقی)

فیہ ما فیہ

یعنی ملفوظات مولانا روم جو ایک نایاب کتاب تھی، مولانا عبد الماجد بی اے دریابادی نے مختلف نسخون سے مقابلہ کرکے اوسکو مرتب کیا اور معارف پریس اعظم گڈہ مین چھپی ہے، ضخامت ۲۲۰ صفحے لکھائی چھپائی نہایت عمدہ ہے، اور مختلف فلسفیانہ و صوفیانہ مباحث پر مشتمل ہے، قیمت ۱:- عہ/

تصوف اسلام

خالص اسلامی تصوف اور قدمار صوفیہ کے حالات و تصنیفات کا مفصل بیان ضخامت ۲۴۴ صفحے، قیمت، عہ/

نٹشے

مشہور جرمن فلاسفر فریڈرک نٹشے کی سوانح عمری اور اوس کے افکار و خیالات اور تصانیف پر بحث و تبصرہ ہے۔

پروفیسر مظفر الدین ندوی ایم اے حجم ۱۰۰ صفحے قیمت عمر/

"منیجر"

حضرت شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی

از

مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی، سابق مدرس عربی و فارسی مہاددیالے احمد آباد (گجرات)

گجرات میں سینکڑون علما اور اتقیا پیدا ہوے اور چل بسے، لیکن گجرات کے آسمان پر دو ایسے آفتاب و ماہتاب چمکے جن کے علمی کارنامون کی شعاعین ابھی تک پرتو فگن ہین، ان مین سے ایک محدث بے بدل علامہ شیخ محمد طاہر پٹنی (گجراتی) ہین، اور دوسری مقدس ہستی جناب حضرت شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی کی ہے، ان سے پہلے نہر والہ پٹن (انہل واڑا) اور احمد آباد مین متعدد مدارس موجود تھے، اور مختلف علمی مرکزون سے لوگ فیضیاب ہوتے تھے، لیکن جب سے ان دونون بزرگون کا وجود ظہور پذیر ہوا، علمی دنیا مین نیا انقلاب پیدا ہوا، اور تشنگان علم کی جس کثرت تعداد نے ان سے سیرابی حاصل کی، گجرات مین شاید ہی کوئی دوسری ذات بابرکات ان کے مدمقابل نکلے، ان مین سے خصوصیت سے جناب شاہ وجیہ الدین کا فیضان مدرسہ اور تلامذہ کی شکل مین صدیون رہا، اور گجرات ان کے دم قدم سے مدت تک منور رہا، لیکن افسوس ہے کہ گجرات کے باہر کے لوگ ان سے اور انکی تصنیفات سے بہت کم واقف ہین، اس لئے ضرورت ہے کہ ان کے حالات لکھے جائین،

نام و نسب شاہ صاحب کا اصلی نام سید احمد ہے، مگر دنیا ان کو وجیہ الدین کے نام سے جانتی ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے، وجیہ الدین احمد بن قاضی سید نصر اللہ بن قاضی سید عماد الدین بن قاضی سید عطاء الدین بن قاضی سید معین الدین، بن سید بہاؤ الدین بن سید کبیر الدین، اسی طرح سلسلہ سیدنا امام محمد تقی تک پہنچتا ہے[1]، سید کبیر الدین صاحب کا اصل وطن یمن تھا، لیکن مکہ معظمہ مین آکر مقیم ہوگئے تھے، اور اسی لحاظ سے بعض لوگون نے ان کو مکی بھی تحریر کیا ہے، کہتے ہین کہ سید بہاؤ الدین ایک دن

---

[1] مرأۃ احمدی میں ہو کہ آپکے خاندانی لوگ سلسلۂ نسب محمد عریض بن محمد الجواد تک لیجاتے ہین، اس سے معلوم ہوا کہ آپ علوی کیساتھ عریضی بھی ہین،

خانۂ کعبہ مین معتکف تھے کہ ان کو بذریعہ کشف ایسا معلوم ہوا کہ سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلعم نے ارشاد فرمایا کہ ہند کے صوبۂ گجرات مین جاکر خلق کی ہدایت کرو، چنانچہ آٹھوین صدی کے آخر یا نوین صدی کی ابتدا مین بہ عہدِ مظفر شاہ اول گجرات تشریف لائے، اور مقام پاٹری ضلع جھالاواڑ مین توطن اختیار فرمایا اور ہدایتِ خلق مین مشغول ہو گئے، قرینہ وقیاس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خشکی سے دہلی یا اُچھ ہوتے ہوئے تشریف فرما ہوے، ورنہ بحری راستہ سے کنبھائت یا بھروچ اتر کر کہین مقام ہونا چاہئے تھا، یا ممکن ہے کہ بحری راہ سے تشریف لائے ہون، اور خصوصیت سے جھالاواڑ جیسے کوہستان کو ارشاد و ہدایت کے لیے انتخاب فرمایا ہو،

ان کے بعد سید معین الدین ان کے لڑکے جانشین ہوے اور حکامِ وقت کی طرف سے محکمۂ قضا ان کے سپرد ہوا اور پھر ان کے لڑکے قاضی سید عطاء الدین اور پوتے قاضی سید عماد الدین بھی اس محکمہ سے منسلک رہے، اور مختلف ضلعون مین بحیثیت قاضی کام انجام دیتے رہے، جناب شاہ وجیہ الدین صاحب کے والد ماجد قاضی نصر اللہ محمود بیگڑہ کے آخر عہد مین بمقام چانپانیر قاضی کے عہدہ پر مامور تھے اور ان کی خصوصیت یہ تھی کہ مشتبہ امور سے بہت احتراز فرماتے تھے، سلطان مظفر حلیم ان سے بہت خوش تھا، اسی لیے احمد آباد اپنے ساتھ لاکر اپنے محل کے پاس امامت کے لیے جگہ دی، یہ وہی مقام ہے جس کو آج خانقاہ (یا درگاہ) شاہ وجیہ الدین کے نام سے لوگ موسوم کرتے ہین،

ولادت | جناب شاہ صاحب کی ولادت ۲۲ر محرم سنہ ۹۱۰ھ کو بمقام چانپانیر ہوئی، لفظ "شیخ" سے ان کی ولادت کی تاریخ نکلتی ہے، تقریباً سات آٹھ برس تک چانپانیر مین مقیم رہے، کیونکہ سنہ ۹۱۷ھ مین سلطان محمود بیگڑہ کے انتقال پر سلطان مظفر حلیم تخت نشین ہوا، جس نے قاضی نصر اللہ کو اپنے ساتھ لاکر احمد آباد مین مقیم کیا،

تعلیم | سات آٹھ برس تک آپ اپنے والدین کے کنارِ عافیت مین پرورش پاتے رہے، قدرت نے بھی اپنے عطیات مین کسی قسم کا بخل نہین کیا تھا، ذہانت، ذکاوت، یادداشت کا مادہ، ابتدا سے موجود تھا، چنانچہ سات سال کی عمر میں انھون نے قرآن مجید حفظ کر لیا، اور آٹھوین سال تجوید کے ساتھ قرآن پاک علماء کے سامنے سنایا، اس کے بعد علوم متداولہ مین مشغول ہوے، اور اپنے چچا سید شمس الدین صاحب سے ابتدائی کتابین پڑھین، پھر اپنے ماموں سید

ابوالقاسم صاحب سے حدیث کا درس لیا، ۱۴، ۱۵ سال کی عمر مین علامہ محمد بن محمد ملکی سے حدیث کا اختتام فرمایا، اور سب سے آخر مین محدث ابوالبرکات بنبانی عباسی کو حدیثین سنائین،

علوم عقلیہ محقق جلال الدین دوانی کے شاگرد مولنا عماد الدین طارمی اور ابوالفضل ظہیر الدین محمد گاذرونی جیسے علامۂ عصر سے حاصل کی، مولنا طارمی چند واسطے سے علامہ سید شریف جرجانی متوفی ۸۱۶ھ سے بھی تلمذ کی نسبت رکھتے تھے، اسوقت مولانا موصوف کی تصانیف مین سے ضابطہ تہذیب کی شرح قلمی، اور علامہ گاذرونی کی یادگار حاشیہ بر بیضاوی قلمی کتب خانہ حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد مین موجود ہے، ۲۲ سال کی عمر مین شاہ صاحب نے علوم ظاہری کی تکمیل فرمائی، اور "وجیہ" مادۂ تاریخ ہے،

بیعت طریقت ابتداءً اپنے والد ہی سے چشتیہ اور مغربیہ طریقوں کو سیکھتے رہے، لیکن کچھ دنون حضرت شاہ قاضن چشتی قدس سرہٗ کی صحبت سے بھی مستفیض ہوئے، اُن کے انتقال کے بعد میان بدر الدین ابوالقاسم سہروردی کی طرف متوجہ ہوے، اور حضرت نجم الدینؒ کی صحبت مین بھی رہتے، بسا اوقات جب جذب کا شوق غالب آتا توحضرت سید کبیر الدین مجذوب سے ملاقات فرماتے، اور درد دل کی شکایت فرماکر علاج کے طالب ہوتے، پھر کچھ دنون کے بعد حضرت سید محمد غوث گوالیاریؒ تشریف لائے، جناب شاہ صاحب ان سے ملے، اور اس درجہ ان سے متأثر ہوے کہ فوراً ان سے بیعت کرلی، اور اُن کی صحبت جلوت اور خلوت سے مستفیض ہوے، اور کامل ہوکر سند اور خرقۂ خلافت حاصل کیا،

مدرسہ کی بنیاد ۹۳۴ھ مین تکمیل تعلیم کے بعد درس و تدریس کی طرف توجہ کی، اس وقت ان کی عمر چوبیس یا پچیس سال کی تھی، ابتدائے درس کا تاریخی مادہ "شیخ وجیہ" ہے، یہ سلطان بہادر شاہ گجراتی کا ابتدائی عہد تھا، یعنی اس کی تخت نشینی کو صرف دو تین سال گذرے تھے، عہد قدیم مین دستور تھا کہ صاحب علم و فضل جہان بیٹھ جاتا، کچھ دنون کے بعد وہی مقام اپنے وقت کا بہترین کالج ہوجاتا، اور آہستہ آہستہ امرا اور سلاطین کی توجہ سے طلبہ کے لیے تمام سہولتین بہم پہنچائی جاتین، جناب شاہ صاحب نے جب ۹۳۵ھ مین باقاعدہ ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی تو بہت جلد اس کی مقبولیت ہوگئی، طلبہ کے رہنے کے لیے حجرے بھی تعمیر ہوگئے اور وظائف کا بھی انتظام ہوگیا، شاہی مطبخ سے روزینہ پینتیس ۳۵ ہانہ

بھی ملنے لگا، طلبہ کے علاج کے لیے ایک طبیب عہ ۱۲ر ماہانہ پر تھا[1]، آپ نے اس مدرسہ مین ۶۴ سال تک تعلیم دی اور مشہور ہے کہ اس مدت مین کبھی آپ نے قصداً مدرسہ بند نہین فرمایا، اور نہ اسباق کا ناغہ ہونے دیا، ہر علم و فن کی تعلیم یہان ہوتی تھی، ابتدا مین غالبًا وہ تنہا مدرس تھے، لیکن رفتہ رفتہ اساتذہ کی تعداد بڑھتی رہی، اور طلبہ کے انتہائی ترقی پر ہم دیکھتے ہین، کہ ایسے تلامذہ بھی اپنا وقت تدریس مین صرف کرتے ہین جو خود ابھی فارغ نہین ہوئے ہین، مندرجۂ ذیل علوم و فنون کی تعلیم یہان ہوتی تھی، ابتدائی تعلیم کے علاوہ تفسیر مع اصول، حدیث مع اصول، فقہ مع اصول، معانی و بلاغت، منطق، فلسفہ، ہیئت، مناظرہ، ادب وغیرہ علوم ظاہری کی تکمیل کر لینے پر جن تلامذہ کو تصوف کے طرف رجحان ہوتا، تو اس کی بھی تعلیم دیتے، ان کے علاوہ ایسے اشخاص جو باہر سے آکر اس چشمۂ فیض سے سیراب ہوتے ان لوگون کی تعداد بھی کچھ کم نہین ہے، فتویٰ نویسی کا بھی باقاعدہ انتظام تھا، اور خاص اس کام پر ذمہ دار اشخاص کا تقرر فرماتے تھے، عام فتوون کو چھوڑ کر جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا تو خود اس پر غور فرماتے، اور تحقیقی جواب تحریر فرما کر اپنے دستخط سے اسکو مزین فرماتے،

خود سلطنت بھی کسی امر اہم مین بغیر آپکے دستخط کے احکام نافذ نہین کرتی، اور ایسے امر کو مشتبہ سمجھتی جس مین آپ کے دستخط نہ ہون، چنانچہ جناب سید محمد غوث گوالیاری کے متعلق جب علماے وقت نے جن کے سرگروہ شیخ علی متقی تھے، کفر اور قتل کا فتویٰ لکھ کر بطور محضر نامہ کے سلطان محمود ثالث کے سامنے پیش کیا تو سب سے پہلے سلطان موصوف نے یہی سوال کیا کہ اس پر جناب شاہ وجیہ الدین کے دستخط کیون نہین ہین، غرض سلطان کو وزراء کے جواب سے تشفی نہین ہوئی، اور خود حاضرِ خدمت ہو کر شرفِ قدمبوسی حاصل کیا، اور جواباتِ شافیہ سے متاثر ہو کر محضر نامہ کو رد کر دیا اور سید موصوف کو بری قرار دیا،

تلامذہ | تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع تھا، اسی (۸۰) کی تعداد صرف ان لوگون کی ہے جنھون نے اطرافِ ملک مین

---

[1] پاٹ نگر گجراتی مین یہ دونون رقمین تحریر ہین، اس عہد کی ارزانی کو دیکھتے ہوئے یہ رقم قلیل نہین معلوم ہوتی، (دیکھو حاشیہ ابن بطوطہ اردو جلد دوم عہد فیروز شاہ تغلق) مرآۃ احمدی مین یہ رقم عہ ۸ر ماہوار ہے،

منتشر ہو کر مدرسے قائم کئے اور خود صاحب درس ہوئے، جناب شاہ صاحب کی کمال خوش نصیبی یہ ہے کہ اپنی زندگی ہی میں شاگردوں کے شاگرد کو مسند علم پر رونق افروز ہو کر درس و وعظ کے ذریعہ خلق کو ہدایت کرتے دیکھا، گویا انکی زندگی کا اصل منشا آپ کے سامنے ہی پورا ہوگیا،

شاہ صاحب کے والد کی وفات

۲۰ محرم ۹۵۴ھ میں آپ کے والد ماجد کا انتقال ہوگیا، اس وقت آپ کی عمر ۴۸ سال کی تھی، اور اور تعلیم و تعلم کے سلسلہ کو بھی ۴۴ سال ہو چکے تھے، ان کے والد ماجد قاضی نصر اللہ صاحب نے بھی عمر طویل پائی، وہ سلطان محمود اول بیگڑہ کے عہد وسط میں پیدا ہوئے، اور سلطان محمود ثالث کے عہد میں وفات پائی، عمر بھر خوشحال رہے، اور اکابر شہر میں معزز، اور معاصرین میں ممتاز، آپ کی وفات کا مادۂ تاریخ ہے "لہٗ جنات الفردوس نزلاً"
۹۵۴

شاہ صاحب کی وفات

شاہ وجیہ الدین صاحب ۲۹ محرم ۹۹۸ھ بروز یکشنبہ صبح صادق کے وقت اس دار فانی سے عالم جاودانی کو رخصت ہوئے، اس وقت ان کی عمر (۸۰) برس کی تھی، ان کا مزار مدرسہ کے وسط صحن میں بنایا گیا، جو اس وقت تک زیارت گاہ عام و خاص ہے امرائے اکبری میں سے ان کے معتقد "صادق خان" نے روضہ کی عمارت تیار کی، اور امرائے جہانگیری میں سے فرید خان المخاطب مرتضیٰ خان بخاری نے اپنے عہد صوبہ داری گجرات (۱۰۱۸ھ) میں مرقد کے اوپر چھتری تیار کی جس پر سیپ کا کام نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے، اور مندرجہ ذیل اشعار کندہ ہیں،

مرتضیٰ خان فرید دریا دل فیض دانی و رحمت شامل
عرش برطرح کرد از ہمت بر سر قبر مرشد کامل
محو دیدار حق وجیہ الدین آں بموت و حیات خود واصل
در بر شاہد ازل خفتہ از شراب وصال لایعقل
ہست ہین حضور آگاہی غفلت او رانمی کند غافل
کعبۂ اندرون جہان روشن کہ جدارش نمی شود حائل

قبلۂ حاجت و مقام مراد   مبدأ فیضِ عارف و کامل

سالِ تاریخِ او ز غیب رسید   عرشِ اسلام قبلۂ مقبل

تا فلک باد، باد بانیِ این   تا جہان باد، باد این منزل

"عرش اسلام قبلۂ مقبل" سے تاریخ نکلتی ہے، جو ۱۰۰۱ھ ہوتی ہے، میرے خیال مین کوئی حرف چھوٹ گیا ہے، جس کے سبب سے دس عدد کم ہوتے ہین، کیونکہ فرید خان کا عہد ۱۰۱۴ھ سے ۱۰۱۸ھ تک ہے اس لئے اس کی بنا ۱۰۱۱ھ غالباً ہوگی، ایک شبہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ ۱۰۰۱ھ ہی مین تیار کرایا ہو، لیکن اشعار سے خود اس کی تردید ہوتی ہے، ۱۰۰۱ھ عہدِ اکبری مین، اس وقت فرید خان کو امراے اکبری مین کوئی امتیاز خاص نہ تھا، اور نہ اس وقت تک اس کو مرتضیٰ خان کا خطاب عطا ہوا تھا، ۱۰۱۴ھ مین جب اکبر نے وفات پائی اور جہانگیر تخت نشین ہوا، تو اس کو جہانگیر نے اس خطاب سے سرفراز کیا، اور گجرات کا گورنر بنا کر بھیجا، اور یہ اس وفاداری اور کارگذاری کا صلہ تھا، کہ جب جہانگیر اپنے باپ اکبر اعظم سے باغی ہوکر ادھر ادھر پھر رہا تھا اور پھر امراے دربار کے خوف سے اسی فرید خان کے گھر روپوش ہو گیا تھا، اسلئے فرید خان ۱۰۰۱ھ مین نہ گورنر تھا، نہ "مرتضیٰ خان"[1]،

جناب شاہ وجیہ الدین صاحب کی وفات کی تاریخ "لہم جنات الفردوس نزلاً"، ایک شخص نے تحریر کی ہے، جس سے ۹۹۸ھ کی تاریخ نکلتی ہے، اس تاریخ مین دلچسپ بات یہ ہے کہ یہی تاریخ خفیف تغیر سے جناب شاہ صاحب کے والد کی وفات کی بھی ہے، یعنی "لہ" اور "لہم" کے فرق سے دونون کی الگ الگ تاریخین نکلتی ہین[2]، اس سے بھی زیادہ دلچسپ تاریخ آپ کے تلمیذ رشید مولانا عبد العزیز نے تحریر کی ہے،

---

[1] و شیخ بخطاب مرتضیٰ خانی سربلند یافت (آغاز جلوس اول ۱۰۱۴ھ اقبال نامہ جہانگیری ص۱۰ م کلکتہ، و ہمدرین سال مرتضیٰ خان بہ صاحب صوبگی گجرات سرفرازی یافت، (کتاب مذکور ص۱۹)

[2] رسالہ حسن فراغی قلمی کتب خانہ پیر محمد شاہ،

جوان کی ذہانت اور فطانت کی بین شہادت ہے، چنانچہ آپ کی رحلت کی تاریخ "شیخ وجیہ دین" (سنہ ۹۹۸ھ) نکالی ہے، پھر "شیخ" (سنہ ۹۱۰ھ) سے سال ولادت اور "وجیہ" (۲۴) سے مدت تکمیل علوم وفنون، اور "شیخ وجیہ" (سنہ ۹۳۴ھ) سے آغاز تعلیم وتعلم اور لفظ "دین" (سنہ ۶۴) سے کل مدت تدریس و ہدایت اور "وجیہ دین" (۸۸) سے کل مدت عمر نکلتی ہے[1]، اس کے علاوہ دوسرے لوگون نے بھی مختلف تاریخین لکھی ہین مثلاً

علوی صاحب جمال بہشت، بہ بہشت مسکن وجیہ الدین، آخر الاولیا وجیہ الدین، وغیرہ وغیرہ، وفات کے بعد لوگون نے ان کے بہت مرثیے کہے، جو اردو، فارسی، عربی ہر زبان مین موجود ہین، مولنا ابراہیم دکنی کا عربی مرثیہ بہت پر درد اور پر اثر ہے، اس کے بعض اشعار یہ ہیں،

الی احمد اباد احن تشوقا — یحب الذی اهواه قلبی تفاخرا

فذاک وجیه الدین ذو الجاه والهدی — عراه لطلاب الهدایة مقصد

وهاد الی نحو الرشاد مرشد[2]

مشہور شاعر ولی گجراتی نے بھی متعدد قصیدے اُن کی شان مین تحریر کئے ہین جنمین سے ایک بند مندرجۂ ذیل ہے

اے تو ہے آفتابِ عالم تاب — فیض تیرے سے جگ ہے مقصد یاب

دل ترا کانِ علم و بحرِ عمل — بر معانی ہے اس مین دُرِّ خوش آب

روئے انور کی تیرے دیکھ ضیا — رشک سے آفتاب ہے بے تاب

متفق ہو کے عاقلان نے کہا — دل کو تیرے جگت مین لبِّ لباب

فکر تیری ہے آب دانش و ہوش — ہر گلِ عقل تجھ سے ہے سیراب

اے تو مجموعۂ فراستِ تام — دل ترا مطلبِ ہزار کتاب

تا قیامت گریز پا نہ رہے — تجھ محبت کی آگ سے سیماب

مانگتے ہین مدد سے تجھ سشہ کی — روز و شب چند رستم و داراب

[1] خلاصۃ الوجیہ قلمی ص۲۱ [2] رشاد شرح ارشاد آپ کی تصنیف ہے، بطور تلمیح اس کا ذکر ہے،

اس زمانے مین بے گمان بے شک تجھ مین ہے سب طریقۂ اصحاب

اے امام جمیع اہل یقین

قبلۂ راستان وجیہ الدین

سیاسی امور جناب شاہ صاحب کی ۸۰ برس کی عمر مین وفات ہوئی، اور اس عمر مین دس گیارہ بادشاہون کا عہد پایا، ساٹھ برس کی عمر تھی جب سلطان محمود بیگڑے نے وفات پائی، زمانہ کی ۲۲ بہارین جب آپنے دیکھین تو سلطان مظفر دوم چل بسا، اور اسی سال سکندر گجراتی مقتول اور محمود دوم معزول ہوا، ۲۳ سال کی عمر مین سلطان بہادر گجراتی کو سمندر مین ڈوبتے ہوے دیکھا، دہلی کے ہمایون بادشاہ اور سلطان محمد فاروقی (خاندیس) کی چند روزہ بہار بھی آپ کی نظرون سے گذری، ۱۵ سال کے دور مین سلطان محمود ثالث کو زہر سے پکر میٹھی نیند سوتے ہوئے دیکھا، جب آپ نے عمر کی ۵۰ منزلین طے کین تو سلطان احمد ثانی کو سابرمتی کے کنارے مردہ پڑا پایا، دنیائے فانی کی خزان ستر موسم گذرنے پر سلطان مظفر سوم ایک قیدی کی حیثیت سے اکبر کے دربار مین کھڑا نظر آیا، اور اس صدی کے اختتام پر اکبر کے جاہ وجلال کا بھی نظارہ کیا، آپ نے اس علم وفضل اور کثیر مقلدین ومریدین کے باوجود کبھی کسی سیاسی کام مین دخل نہین دیا، اور نہ حکام اور عمال سے ملنے کی کوشش کی، آپ کے آخری عمر مین اسقدر جلد جلد سیاسی انقلابات برپا ہوے اور انسانی خون کو جس طرح بیدریغ بہتے ہوے ملاحظہ فرمایا، قدرتی طور پر آپ اس سے بے حد متاثر ہوئے ہونگے۔ اور دنیا کی اس بے ثباتی نے تصوف مین جو رنگ آمیزی کی ہوگی اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جو اس بادۂ عرفان کا جرعہ کش ہو، تاہم ظاہر بینون کے لیے شرح کلید مخازن، اور شرح جام جہان نما ایک ایسا مصفا آئینہ ہے جس مین اسکی جھلک بآسانی دیکھی جاسکتی ہے،

اخلاق وعادات اخلاق کے لحاظ سے بھی آپ کی ذات اپنے ہمعصرون سے بہت ارفع تھی، تقویٰ آپ کا خاص شعار تھا، اور مشتبہ امور سے پرہیز کرنا گویا آپ کی فطرت تھی آپ احتیاط کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہین دیتے تھے، چاہے کسی قدر بھی تکلیف اٹھانی پڑے،

تقوی | اسی سبب سے آپ اپنی غذا خود محنت سے حاصل کرتے، اور اپنے والد ماجد کے یہان کھانے سے احتیاط رکھتے تھے، عرصہ کے بعد آپ کے والدین کو اس معاملہ کی خبر ہوئی، اور والد کے استفسار پر آپ نے عرض کیا کہ آپ قاضی ہین، اور بہت ممکن ہے کہ ملازمین آپ کے لین دین مین مشتبہ امور کا خیال نہ کرتے ہون، قاضی صاحب نے کہا کہ مین ہمیشہ تقوی کیساتھ زندگی بسر کرتا ہون، اور ہر معاملہ مین کمال احتیاط رکھتا ہون، اور غالبًا اسی کا صلہ ہے کہ تمھارا جیسا نور عین خدا نے مجھے عنایت فرمایا، جو میرے ہی طرح کمال محتاط ہے،

حق گوئی | آپ مین حقگوئی کا مادہ بھی بہت تھا، اور کبھی کبھی اس کے سبب سے بڑے بڑے خطرہ مین مبتلا ہوجانا پڑتا تھا، اکثر اوقات لوگ اپنی امانتین آپ کے پاس رکھ جاتے اور بوقت ضرورت لیجاتے، اس طرح آپ کے مکان مین قیمتی امانتون کا خزانہ جمع ہوگیا تھا، ۹۸۱ھ مین ایک عجیب واقعہ ظہور پذیر ہوا، اس محلہ مین ایک مفلس مغل رہتا تھا جس کی ملاقات اسی خانوادہ کی کسی خادمہ سے تھی، ایک دن اس خادمہ نے اس راز سے آگاہ کردیا، اس مغل نے کوتوال شہر کو اس شرط پر بتانے کا وعدہ کیا کہ اس مین سے کوئی حصہ اس کا بھی مقرر کیا جائے، کوتوال شہر نے اپنے وزیر (نائب) میر علاء الدین کو تحقیقات کے لیے بھیجا، جس نے مکان سے قیمتی موتی، بہترین جواہرات، مرصع زیورات اور بے شمار سونے کے سکے برآمد کئے، واپسی کے وقت جناب شاہ صاحب کو اپنے گھوڑے کے آگے پیدل دیوان تک لایا، اور گھوڑے کے تیز چلنے سے آپ کو بھی بہ تکلف تیزی سے قدم بڑھانے پڑتے، عوام اور خواص نے آپ کی اس تکلیف کو محسوس کیا، دیوان مین بڑے بڑے امرا موجود تھے، جن کو مطلق اس واقعہ کی اطلاع نہ تھی، چنانچہ جب مجلس کے کنارے جناب شاہ صاحب پہونچے تو سید میران بخاری، میرزا مقیم، سید جیو عبدالرحمن، اور شاہ ابو تراب شیرازی وغیرہ تعظیماً سب کھڑے ہوگئے اور ان کو دیکھکر تمام امرائے مغل نے بھی تقلید کی، سید میران بخاری نے جو شاہ صاحب کو اس حال مین دیکھا، تو غیرت سے عرق عرق ہوگئے، پھر جو اصل حقیقت معلوم ہوئی تو غصہ سے شیر کی طرح بپھر پڑے، غصہ سے چہرہ کا رنگ اس قدر متغیر تھا کہ لوگون نے محسوس کیا، جب جناب شاہ صاحب سے حاکم نے سوالات کرنے کا ارادہ کیا تو سید مذکور آپ کے بغل مین آکر بیٹھ رہے، تاکہ بوقت ضرورت ہر طرح کی مدد کرسکین، ان حالات کو دیکھکر

حاکم نے بھی صرف ایک سوال پر اکتفا کیا کہ منادی نے شہر بھر مین جو ڈھنڈورا پیٹا، کیا اس کی خبر آپ کو نہین ملی" مطلب یہ تھا کہ سرکار کے طرف سے عام طور پر مشتہر کر دیا گیا تھا کہ کوئی باغی کو پناہ نہ دے اور نہ اس کی مدد کرے، اور نہ اس کا مال واسباب اپنے پاس رکھے، بلکہ اس قسم کا تمام مال سرکاری خزانہ مین داخل کرے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ "اول تو مجھکو اس کا علم نہین ہے، اس کے علاوہ شریعت مین یہ جائز نہین ہے کہ امانت کو ظاہر کر کے ضائع کیا جائے"

حاکم نے اس جواب کے بعد آپ کو رخصت کر دیا، سید حامد بخاری اپنی خاص سواری پر آپکے ساتھ مسجد تک تشریف لائے اور کچھ دیر بیٹھ کر آپ کو تسلی و تشفی دیتے رہے، اور پھر رخصت ہو کر واپس گئے، جناب شاہ صاحب کا قلب اس ناگوار واقعہ سے کئی دن تک مضطرب رہا، اور درس ملتوی کر دیا[۱]، حالانکہ تدریس کا کام عمر بھر مین کبھی ناغہ نہین ہوا تھا

مصنف ظفر الوالہ اس واقعہ کے بعد لکھتا ہے کہ ایک نیک بخت آدمی سے کسی نے کہا کہ تمھارا لڑکا گر گیا، یہ سُن کر اس نے بڑا واویلا مچایا، لوگون نے اس کی تسلی کیلئے کہا کہ وہ بہت اونچے سے نہین گرا ہے، تب اس نے کہا کہ اگر وہ بہت اونچے سے بھی گرتا تو مجھے اتنی پرواہ نہین ہے، مین تو سمجھا کہ کسی اہل اللہ کی نظر سے گر گیا، یہی حال اس واقعہ مین ہوا کہ وزیر میر علاء الدین کچھ ہی دنون کے بعد اسی حاکم کے ہاتھ سے رسی سے بندھوا کر مارا گیا، اور وارثون کی فریاد پر خود حاکم قصاص مین قتل ہوا، اور مرزا عزیز کوکلتاش ملقب بہ خان اعظم جو اس صوبہ کا حاکم اعلیٰ تھا معتوب سلطانی ہو کر ایک باغ مین گوشہ نشین ہوا،

اسی طرح جب ۹۸۰ھ مین چنگیز خان (جو عماد الملک کا لڑکا تھا، اور عماد الملک امرائے محمودی مین سے تھا) نے محرم کی رسم بخلاف سلاطین ماضیہ کے سرکاری طور پر منائی، اور ہر قسم کی بدعتین جاری کین، اور سیاہ ماتمی لباس زیب تن کر کے سروپا برہنہ تعزیہ کے ساتھ بازارون مین گشت لگایا، تو باوجود اس کے کہ تمام سادات، علماء اور امرا نے اس کو سخت ناپسند کیا، اور عوام نے اس کو بہت ہی برا سمجھا، مگر کسی کی ہمت نہ پڑی کہ اس کے خلاف زبان کھولے، جناب شاہ صاحب ہی وہ شخص تھے جنھون نے عوام و خواص کی ترجمانی کر کے صدائے احتجاج بلند کی، اور چونکہ

[۱] ظفر الوالہ بمظفر والہ ج ۲ ص ۶۰۵ م لندن،

اس وقت احمد آباد مین سوائے الغ خان کے کوئی امیر با اثر نہ تھا، اس لیے الغ خان کے پاس آدمی بھیجکر اس کی شکایت کی، چنانچہ دوسرے ہی مہینہ چنگیز خان کا کام تمام کر دیا گیا[۵]

رحم | جناب شاہ صاحب بڑے رحم دل تھے، جب کبھی ایسا واقعہ پیش آتا جہان آپ کچھ کر سکتے تو ہرگز دریغ نہ فرماتے ایک دفعہ اتفاقاً ایک جگہ سے گذرے، دیکھا ایک قیدی کو قتل کے لیے لیجا رہے ہین، اس نے آپ سے رہائی کے لئے التجا کی اور اسکی حالت کو ملاحظہ کرکے آپ نے لوگون سے تحقیقات کرائی معلوم ہوا کہ واقعی یہ شخص بے گناہ ہے، اور دراصل مجرم کوئی دوسرا ہے، چنانچہ آپ نے فوراً بادشاہ وقت سے سفارش کی اور بادشاہ نے یہ کہکر فوراً رہائی کا حکم صادر فرمایا کہ یہ شخص تو بے گناہ ہے، اس کو تو رہا ہونا ہی چاہئے، لیکن اگر آپ مجرم کی سفارش فرماتے، تو بھی مین رہا کر دیتا،

مظلوم کی دادرسی | چونکہ آپ فطرۃً رحمدل واقع ہوئے تھے، اس لیے جب کوئی مظلوم نظر سے گذرتا اور آپ اسکی مدد فرما سکتے ہون تو کبھی دریغ نہ فرماتے، اور حتی الامکان اس کے ساتھ سلوک کرنے اور اسکی حاجت روائی مین سعی بلیغ فرماتے، ایک مرتبہ کچھ غریب عورتین آپ کے پاس حاضر ہوئین اور فریاد کی کہ میرے کچے مکانات حکام گرا دینا چاہتے ہین، ہم غریب پکے عالیشان مکانات کیونکر تعمیر کرین، آپ نے تمام حالات سنکر ایک خط بادشاہ وقت کو لکھا، جس کو دیکھ کر بادشاہ نے ان مکانات کو شاہی خرچ سے پختہ تعمیر کرا دیا، اسی طرح جب چنگیز خان نے طوائف الملوکی سے فائدہ اٹھا کر ۹۶۷ھ مین احمد آباد پر قبضہ کر لیا اور دولت و سلطنت سے مخمور ہو کر حرم سلطانی پر دست درازی کرنی چاہی، اور بیگمات نے حضرت شاہ صاحب سے فریاد کی تو چونکہ اس وقت کوئی کسی کی سنتا نہ تھا، اور ہر امیر کوس لمن الملک بجا رہا تھا، اس لئے دفع ظلم کے واسطے بادشاہ حقیقی سے دعا فرمائی جو فوراً مستجاب ہوئی، چنگیز خان چند ہی دنون کے بعد مارا گیا، اور مظلومون نے نجات پائی،

سلاطین کی عقیدت | اس خانوادہ سے سلاطین اور امرا کو ہمیشہ سے عقیدت رہی، سلطان محمود بیگڑہ نے آپکے والد ماجد کو چانپانیر کا قاضی بنایا، اور اس کے لڑکے سلطان مظفر حلیم نے محض فرط عقیدت کے باعث چانپانیر سے

---

[۵] ظفر الوالہ بمظفر والہ جلد ۲ ص۱۳ م لندن،

ساتھ لاکر اپنے محل شاہی کے پاس ہی قیام کرنے کو جگہ عنایت کی، اس کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۲۲ سال کی تھی اور طلب علم مین مصروف تھے، بہادر شاہ گجراتی نے بھی بارہا دعاے خیر کی التجا کی،

سلطان محمود ثالث متعدد مرتبہ حاضر خدمت ہو کر شرف قدمبوسی حاصل کر چکا تھا اسکے حسن عقیدت کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ جناب شاہ صاحب نے چند مظلومہ کی فریاد رسی کے بابت ایک خط سلطان محمود ثالث کو لکھا اس نے تعمیل ارشاد کے بعد حکم دیا کہ اس خط کو محفوظ رکھو اور بوقت تدفین میرے سینے پر رکھا جائے، شاید یہی نجات کا باعث ہو[1]"

سلطان مظفر سوم جو گجرات کا آخری بادشاہ ہے متعدد بار حضرت شاہ صاحب کی خدمت مین حاضر ہوتا رہا، بلکہ بعض لوگون نے تو یہان تک لکھا ہے کہ تخت نشینی کے وقت اس کی کمر مین تلوار آپ ہی نے باندھی تھی[2]

اکبر بادشاہ جب گجرات آیا ہے تو باوجود اس کے کہ حاسدون نے آپ کی طرف سے بادشاہ موصوف کو بدظن کرنے مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا، پھر بھی آپ سے ملنے کے بعد آپ کا بیحد احترام کیا، اور خصوصاً چند مذہبی سوالات کرنے پر جو شافی جواب اس کو دیا گیا، اس سے تو بہت ہی خوش ہوا، اکبر کے بعد جب جہانگیر تخت نشین ہوا، اور بغرض تفریح احمد آباد آیا، تو خصوصیت سے تین جگہ بغرض فاتحہ خوانی گیا، شاہ عالم صاحب کے مقبرہ پر، سرکھیج شیخ احمد کھٹو کے مزار پر، اور جناب سید شاہ وجیہ الدین صاحب کی درگاہ پر،

امرا و دولت بھی ہمیشہ آپکے عقیدتمند رہے، الغ خان جو آخری نامدار گجرات سلطان مظفر سوم کے امرا مین سے تھا، آپ سے بڑی عقیدت رکھتا تھا، چنگیز خان کی ماں بھی آپ کی ارادتمند تھی، اکثر اوقات بیش قیمت چیزین آپ کے یہان امانت رکھوا دیتی تھی، اور وہ برسون آپ کے پاس رہتی تھین، اسی طرح شیر خان بن اعتماد خان گجراتی وزیر

---

[1] شاہ عباس صفوی ایران مین بڑے دبدبہ کا بادشاہ گذرا ہے، اس کے عہد مین ایران کے مجتہد اعظم جو بڑے متقی اور دربار سرکار سے الگ رہنے والے تھے، انھون نے بھی ایک دفعہ اسی طرح کسی مظلومہ کی فریاد رسی کے لیے ایک خط تحریر فرمایا تھا، تعمیل ارشاد کے بعد شاہ موصوف نے بھی یہی حکم دے رکھا تھا، اور فخریہ طور پر شاہ سبکو خط کا عنوان دکھلاتا کہ مجھکو "برادرم" لکھا ہے، [2] مگر کسی تاریخ مین یہ واقعہ میری نظر سے نہین گذرا، بلکہ یہ کام سید مبارک ظاہری نے کیا ہوگا،

سلطان مظفر سوم کا بھی آپ پر بڑا اعتماد تھا، اور بارہا اس نے بھی بیش قیمت امانت آپ کے پاس رکھوائی، عہد اکبری مین خان اعظم، اور خانخانان مرزا عبدالرحیم آپ کا ادب کرتے تھے، بلکہ کہا جاتا ہے کہ خانخانان نے کچھ کتابین بھی آپ سے پڑھین، اور آپ سے ترقیِ مراتب عالیہ کی لئے استدعا، کی چنانچہ آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی، آپکی رحلت کے بعد امرائ اکبری مین سے صادق خان نے جس کو آپ سے بڑی عقیدت تھی آپ کے مقبرہ کی عمارت بنوائی، عہد جہانگیری کا مشہور امیر شیخ فرید خان المخاطب بہ مرتضیٰ خان نے قبر کے اوپر کی چھتری تیار کرائی،

مسلۂ تکفیر | علمار کا دلپسند اور قدیم شغل تکفیر ہے، جناب شاہ صاحب کے عہد مین بھی اس شغل کا شوق پیدا ہوا، چنانچہ بعض لوگون نے جناب سید محمد غوث گوالیاری کے متعلق بھی کفر کا فتوی شائع کیا، اور ایک خاص محضرنامہ آپ کے قتل کے لیے تیار کرکے بادشاہ کے سامنے پیش کیا، لیکن جناب شاہ صاحب نے نہ صرف یہ کہ اس پر دستخط نہین کئے بلکہ اس قسم کی تکفیر کی سخت مخالفت کی، اور اس مسلہ پر مفصل ایک رسالہ تحریر فرمایا، چھوٹی تقطیع پر بیس صفحے کا قلمی رسالہ ہے، جس مین ابتداءً فقہی کتابون سے مسلۂ تکفیر پر روشنی ڈالی ہے، پھر احادیث سے سنداً سب کو مشرح بیان کیا ہے، آخر مین صوفیاے کرام کے احوال سے بحث کی ہے کہ حالتِ سکر مین جو کہہ جاتے ہین وہ قابل مواخذہ نہین ہوتا، اور اس کی متعدد مثالین دی ہین، پھر سید محمد غوث گوالیاری کی کتاب "اوراد غوثیہ" پر لوگون نے جو اعتراضات کئے تھے، ان کا جواب دیا ہے، اس کے علاوہ ہزارون فتوے آپکے قلم سے نکلے مگر کسی فتوی مین آپ نے اس طرف اشارہ نہین کیا، آپ کا ارشاد یہ تھا کہ کسی شخص مین ننانوے باتون مین سے ایک بات بھی اسلام کی ہو تو اس کو مسلم سمجھو، اور کسی کلمہ گو اہل قبلہ کو کافر نہ کہو،

خوشامد | یہ بھی نظام طبعی کا ایک جزو ہے کہ جب کوئی شخص علو ہمتی سے بلند مرتبہ پر پہنچتا ہے تو کچھ لوگ اس کے مخالف اور کچھ خوشامد کرنے والے پیدا ہو جاتے ہین، جناب شاہ صاحب کے عہد مین بھی یہ دونون فرقے موجود تھے، مخالفون نے تو آپ کو اکبر اعظم کے دربار تک بہ حیثیت ایک مجرم کے بلوایا، اور خوشامد کرنے والون کی آنکھون نے

لہ ظفر الوالہ ج ۲ ص ۶۰۵ م لندن،

آپ کی ذات مین خداوند تعالیٰ کا جلوہ دیکھا، چنانچہ ایک صاحب تشریف لائے اور آپ سے مل کر برجستہ یہ شعر پڑھا

نمی دانم کہ این ذات وجیہ الحق والدین ست کہ یا ذاتِ خداوند تعالیٰ صورت این است

جناب شاہ صاحب نے اس سے فرمایا کہ "حال بدست آر، و این قال را بگذار"، کاش آج کل کے صوفیا، مرشدین بھی اپنے مریدین کو اسی قسم کی تعلیم دیا کرین تو بے اعتدالی سے مسلمان اکثر اوقات محفوظ رہین،

شاعری | بہت کم لوگ ہونگے جن کو اس کی واقفیت ہوگی کہ جناب شاہ صاحب شاعر بھی تھے، "وجہی" تخلص کرتے تھے اور فارسی مین کہتے تھے، رنگ وہی صوفیانہ والہانہ ہے، کوئی دیوان تو اس وقت تک دستیاب نہین ہوا ہے، لیکن متفرق بیاضون مین منتشر کلام ملتے ہین، چند شعر نمونہ کے لئے درج ذیل ہین،

کے بگرد ما رسد ہر صعوہٗ شاہ باز عرش پروازیم ما

سرِ وحدت را زبانِ دیگر است با مسیح و خضر ہمرازیم ما

سر دہم در گریہ چشم اشکبار خویش را پر کنم از لختِ دل ہر دم کنار خویش را

دل اگر بیگانہ شد از بیوفا بر ما چہ جرم آدمی نشناسد ار پروردگار خویش را

تا رساند بر سرِ کوے تو گردِ من نسیم در رہِ باد صبا ریزم غبار خویش را

اردو کلام | آپ کی بیشتر تصانیف تو عربی زبان مین ہین اور کمتر فارسی مین، عدالت اور شاہ وقت کی زبان فارسی ہونے کے باعث علما اور شرفا بھی فارسی ہی مین باتین کرتے تھے، چنانچہ شاہ صاحب کے اہل خاندان بھی اسی زبان کے پابند تھے، لیکن بوقتِ ضرورت ملکی زبان بھی استعمال کرتے تھے، جناب شاہ صاحب کے اس قسم کے کلمات بکثرت ملتے ہین، ایک موقعہ پر آپ نے فرمایا "کیا ہوا جو بھوکون موا، بھوکے موے سے کیا خدا کو امر یا (پایا) خدا کے امر نے کی استعداد او رہی ہے" ایک دفعہ ارشاد ہوا "مین کدھان (کہان)، ریاضت کیتی" کسی نے کہا کہ دنیا دار کے مکان پر نہ جانا چاہیے تو آپ نے فرمایا "کاہے دنیا دار بھی آپس ہین" ایک مرتبہ فرمایا "طالب کشف نہ ہو،

اپنے کو کیا کشف ہو یا نہ ہو، یہ اس کا کام ہے، ہمارا کام تو مشغول رہنا ہے نہ کہ منتظر کشف" - ایک بار فرمایا" اس سے اور کیا خوب ہے کہ اس دنیا مین یہ دل خدا سے مشغول ہو" کسی نے سوال کیا عارف کسے کہتے ہین، جواب دیا "جو خدا سے بھر یا" حق تعالیٰ کیطرف سے فرماتے ہین" کہ ہون (مین) حکیم ہون، عادل ہون، میرے علم مین یہی آیا کہ تم عاصی ہوگے کیا میرا علم سابق پھرے" ریاضت کے متعلق ایک شخص کے جواب مین کہتے ہین کہ "تمھاری بلا ریاضت کرے تم کو اتنا کافی ہے کہ نیم شب بیدار رہو" ایک شخص کشف کا طالب ہے اس کو ارشاد ہوتا ہے کہ " یا نفس کے مزہ کی خاطر کشف و کرامات چاہیے، واہ واہ خوب خدا کے طالب ہو" (باقی)

سعدی کا "سرائے اغلمش"

از

سید سلیمان، ندوی

ایک مدت سے کاوش تھی کہ شیخ سعدی نے گلستان کے پہلے ہی باب مین جس اغلمش کا ذکر کیا ہے، اس سے کون سا بادشاہ مراد ہے، اور وہ کہان فرمانروا تھا، اور آیا یہ کوئی فرضی ہستی ہے یا کوئی تاریخی شخصیت ہے، اتفاق سے ہمارے مخلص کرمفرما اور فاضل صاحبِ قلم مولوی اعجاز حسن خانصاحب نے ان دنون شیخ سعدی پر جو دو مضمون معارف مین لکھے، تو اس نیک فال نے مدت کی کاوش و کاہش کو دل سے نکل جانے کا موقع دیا، اور "سرائے اغلمش" کا سراغ پالیا،

شیخ سعدی نے گلستان کے پہلے باب مین ایک حکایت لکھی ہے،

"سرہنگ زادہ را دیدم بر در سرائے اغلمش کہ عقل و کیاست و فہم و فراست زائد الوصف داشت،
ہم از عہدِ خردی آثارِ بزرگی در ناصیۂ او پیدا،

بالائے سرش ز ہوشمندی می تافت ستارۂ بلندی،

فی الجملہ منظورِ نظرِ سلطان آمد کہ جمالِ صورت و حسنِ معنی داشت، خردمندان گفتہ اند توانگری بدل است نہ بمال، بزرگی بعقل است نہ بسال، ابنائے جنس بر منصبِ او حسد بردند و بخیانتی متہم کردند، و در کشتنِ او سعی بیفائدہ نمودند ع، دشمن چہ کند چو مہربان باشد دوست، ملک پرسید کہ موجبِ خصمی ایشان

درحقِ تو چیست، گفت درسایۂ دولتِ خداوندی دام ملکہ ہمگنان را راضی کردم مگر حسودان کہ راضی نمی

شوند الا بزوالِ نعمتِ من و بدولتِ خداوند کہ باقی باد، الخ

مشہور شاہی خاندان کے ناموں کی فہرست مین اغلش کوئی نام نظر نہین آتا، اس لیے بعض صاحبون نے فرضی نام قرار دیا، بعض خوش فہم انگریز فاضلون نے اس کو التمش (سلطان دہلی) کے نام کی تحریف سمجھکر شیخ کے شمالی ہندوستان مین آنے کی داستان گڑھ لی ہے،

مولانا حالی حیاتِ سعدی مین لکھتے ہین:-

"صاحب موصوف (سرگور اوسلی) یہ بھی لکھتے ہین کہ شیخ کو چار دفعہ ہندوستان آنے کا اتفاق ہوا ہے، ازانجملہ ایک دفعہ پٹھان اغلش کے وقت مین، اور دو دفعہ خاص امیر خسرو سے ملنے کو دہلی مین آیا ہے"

ہمارے نزدیک (یعنی مولانا حالی کے نزدیک) یہ مضمون بالکل بے سروپا ہے، اغلش کوئی بادشاہ ہندوستان مین نہین ہوا، شاید سلطان التمش کے دھوکے مین اغلش لکھا گیا، بیشک شیخ نے اغلش کا ذکر گلستان مین ایک جگہ کیا ہے، جہان یہ لکھا ہے کہ "سرہنگ زادۂ را بر در سرائے اغلش دیدم" مگر ہندوستان مین کوئی اغلش یا سرائے نہین سنی گئی، سعدی اور امیر خسرو کی ملاقات بھی ثابت نہین ہوتی"

(صـ۲۹ مفید عام آگرہ)

ساتوین صدی کے آغاز مین سلجوقی سلطنت کا شیرازہ درہم برہم ہوچکا تھا، ملک کے اکثر حصون پر گو خوارزم شاہیون کا قبضہ تھا، مگر ایران اور ملحقاتِ ایران سے لیکر بغداد تک مختلف امیرون اور بادشاہون کی سرداریان یا بادشاہیان تھین، جو اکثر اتابک کہلاتے تھے، جو پہلے سلجوقی امراء کا خطاب تھا، اور دراصل یہ سب ترکی غلام تھے جو تربیت پاکر اس منصب کو پہنچے تھے، ان اتابکون مین اتابکانِ شیراز زیادہ مشہور ہین جنکے نامون کو سعدی کی نسبت نے زندۂ جاوید بنا دیا ہے،

ہمدان و اصفہان وری پر اینغمس نام ترکی غلام فرمانروا تھا، آذربائیجان پر ابوبکر بن پہلوان حکمران تھا، منکلی

نام ایک ترک غلام نے سنہ ۶۰۸ھ مین ایتغمس کے خلاف کامیاب بغاوت کی، ایتغمس بھاگ کر بغداد چلا گیا خلیفہ نے سنہ ۶۱۱ھ مین اسکو ہمدان کی حکومت پر نامزد کیا، ایتغمس نے ہمدان کا رخ کیا، راستہ مین اس کو منگلی کے دوستون نے قتل کر ڈالا، خلیفہ کو اسکی یہ گستاخی سخت ناگوار ہوئی، اس نے آذربیجان کے بادشاہ اوزبک بن پہلوان، اور جلال الدین اسماعیلی حاکم الموت کو لکھا کہ خلیفہ کے لشکر کے ساتھ مل کر وہ منگلی کا خاتمہ کر دین، اور اس کا ملک تینون فاتحون پر تقسیم کر دیا جائے، منگلی نے شکست کھائی، اور اس کا ملک تقسیم ہوگیا، یہ واقعہ سنہ ۶۱۲ھ مین پیش آیا،

اوزبک بن پہلوان شاہ آذربائجان کے بھائی کا ایک لائق غلام **اغلمش** نام تھا، جو سلطان علاء الدین محمد خوارزم شاہ کے پاس گیا تھا، وہ اسی وقت وہان سے واپس آیا تھا، اور اس لڑائی مین اس نے دلیرانہ حصہ لیا تھا، اس لیے اوزبک بن پہلوان نے اپنے اور خلیفہ کے مفتوحہ حصۂ مملکت پر اُس کو حکمران بنا دیا،

اغلمش سنہ ۶۱۲ھ مین بادشاہ بنا، اسکی مملکت کے مقامات ہمدان و اصفہان و ری وغیرہ بلاد جبل تھے، اغلمش نے سلطنت پا کر سلطان علاء الدین محمد بن تکش خوارزمشاہ کے نام کا خطبہ پڑھا، اور صرف دو برس حکومت کی، سنہ ۶۱۴ھ مین باطنیہ کے ہاتھ سے مارا گیا، سلطان نے خود براہ راست اس ملک پر قبضہ کر لینا چاہا، اور ادھر سے شیخ سعدی کے بادشاہ اتابک سعد بن زنگی شاہ شیراز اسکو اپنے قبضہ مین کرنے کے لیے چلا، اور اسی کشمکش مین ناگاہ اتابک سعد اور سلطان خوارزمشاہ کی فوجون مین لڑائی ہوئی، اور اتابک نے گرفتار ہوکر رہائی پائی،

اس تفصیل کے بعد یہ واضح ہوگیا کہ اغلمش اصفہان و ہمدان و ری کا بادشاہ تھا، اور دو برس حکومت کی، اس کا پایہ تخت غالباً ہمدان تھا، شیخ نے سنہ ۶۱۲ھ اور سنہ ۶۱۴ھ کے بیچ مین اثناے سیاحت مین اغلمش کے محل کے دروازہ پر اس سرہنگ زادہ کو دیکھا تھا، اور یہ بھی معلوم کہ سرائے اغلمش کسی کاروانسرای یا مسافرخانہ کا نام تھا جیسا کہ مولنا حالی مرحوم کو شبہہ گذرا ہے

"یا سراے اغلمش نہین سنی گئی"۔ (حیات سعدی ص ۲۵)

بلکہ اغلمش بادشاہ اصفہان و ہمدان و ری کا خاص محل مراد ہے،

واقعات محولہ کے لیے کامل ابن اثیر مین سنین سنہ ۶۰۸ھ و سنہ ۶۱۰ھ و سنہ ۶۱۲ھ و سنہ ۶۱۴ھ ملاحظہ کیجیے،

تلخیص و تبصرہ

ہندوستان کا ایک نقش

ذیل کا مضمون علیا حضرت سلطانہ درشہوار بیگم شہزادہ ولی عہد بہادر مملکت آصفیہ نے گذشتہ سفر یورپ کے زمانہ مین بزبان انگریزی تحریر فرمایا اور سوئستان (سوئزرلینڈ) کے مشہور جریدہ داوسر ریویو مین چھپا تھا، علیا حضرت کی اجازت سے اس کا اردو ترجمہ رسالہ معارف کے واسطے حاصل کیا گیا ہے، کہ ہندوستان کے تعلیم یافتہ مسلمانون کو اس جلیل القدر ترک شاہزادی کے پاکیزہ مذاق اور افکار عالیہ سے آگہی کا موقع ملے، اور وہ یہ بھی اندازہ کر سکین کہ اس عالی دماغ و عالی نژاد سلطانہ کو اپنے نئے وطن (ہندوستان) سے کس درجہ محبت اور دلچسپی پیدا ہو گئی ہی،

"سرزمین ہندوستان ہر شخص کی خیال آفرینی کو تحریک مین لے آتی ہی، اپنی اصلیت کے سوا وہ ہر حیثیت سے مشہور ہے، وہ مجسم داستان پریون کی کہانی یا خواب ہے، جسے انسانی دماغ فرصت کے وقت بہتر سے بہتر بناتا رہتا ہی، وہ ایک ملک ہی، جسے مغربی تصور نے حیرت انگیز اور بے جان طلسم کی صورت بخشی ہے، اسکا وجود تو ہے مگر زندگی نہین، لفظ ہندوستان مین آہنگ ہے مگر معنویت نہین، سرسبزی ہے مگر گہرائی نہین، اوسے چند خصوصیتین ضرور حاصل ہین، وہان گاندھی نے جنم لیا، وہان سانپ رہتے ہین، شیرون کا شکار ہوتا ہے، اور زیور پہنے ہوئے راجاؤن کو ہاتھی لئے لیے پھرتے ہین،

لیکن حقیقت یہ نہین ہے، ہندوستان کے بارے مین اس طلسم کو توڑنے سے میرا مطلب یہ نہین ہی، کہ اوسکی خوبیان نظر انداز ہو جائین مین چاہتی ہون کہ ان افسانون سے الگ کر کے اوسکی اصل تصویر دکھا دون،

ہندوستان محض نام نہیں بلکہ زندگی بھی رکھتا ہی، اسمین رنگینی ہے شاعری ہے اور شاندار پربہار اتنا ماضی ہی جو صرف مشرقی ممالک ہی اپنے اندر رکھ سکتے ہین، یہان گذشتہ زمانے کی نشانیان نہین مٹتین، نہ ان مین تبدیلی ہوتی ہی، یورپ مین قدیم عمارات ایک خاص عہد کی بنائی ہوئی ہوتی ہین، لیکن مشرق مین اس قسم کے نمونے گویا بنانے والون کی زندگی کا جزو لاینفک ہوجاتے ہین، اور اون مین اس آدمی کا کردار عزم، قوت زندگی سلیقہ نفاست پسندی اور لطیف تک نظر آجاتا ہی جس نے ان کو بنایا ہے، مذہبی عمارتون خصوصاً مندرون کو چھوڑ کر (جن کی قدر و قیمت بلحاظ فن معماری کچھ کم نہین،) وہ نہ صرف ایک عہد کو بتاتی ہین، بلکہ اپنے بنانے والے کی یاد کو بھی قایم رکھتی ہین مشہور و معروف تاج محل کو دیکھنے سے عام مسافر کو ایک بڑے آدمی کی محبت اور عالی ترنگی کا اندازہ ہوتا ہی، لیکن ایک صاحب نظر کے آگے بنانے والے کے اندرونی خیالات تک افشا ہوجاتے ہین، روضے کا ناقابل بیان سکون اور عظمت کی شان سلاطین گذشتہ کی فانی زندگی کو ایک حد تک ضرور لافانی بنا دیتی ہے، ایک دن ایک دوست نے مجھ سے کہا کہ روضہ انکی نظر مین نہین جچا اور اونھین شکایت تھی کہ اسمین جذبات زیادہ بھرے ہین لیکن ایسی چیز مین جذبات کی انتہا کیونکر ہوسکتی ہی، جو ایک محبت صادق کی یادگار ہو، ؟

قلعۂ دہلی اور اسی طرح قلعۂ آگرہ بھی معماری کا نفیس ترین نمونہ ہین اور اون کی نسبت کہا جاسکتا ہی، کہ وہ فن تعمیر کے عجائبات سے ہین، یہ وہ نیم ربانی آثار ہین، کہ نگاہ سے بڑھ کر دلون کو اپنی طرف کھینچتے ہین، اون مین کوئی ایسی پرامن پسندیدہ اور ناقابل بیان چیز ہے، جو ہر دیکھنے والے مین اختلاف ذوق کے باوجود وجد پیدا کردیتی ہے، دیوان خاص کی مشرقی وضع کی کمانون سے خاموش فوارون اور لمبے دالان سے جس کے دریچے مین پھول بکھرے ہوئے ہین، اگرچہ ان کا رنگ اڑگیا ہے، ایک عظمت کی شان پیدا ہی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم سب سے بڑے تاجدار شاہجہان کے حضور مین باریاب ہین، اور اوس کا عہد حکومت خاموشی کے ساتھ ہماری آنکھون کے سامنے سے گذر رہا ہی،

یورپ کے آثار قدیمہ کے برخلاف ایشیائی عمارتین آرایش وتجمل کے مٹ جانیکے بعد بھی ایسی ویران و سوگوار نہین ہوجاتین، جیسا کہ مثلاً قصر وارسٹی ہے، کہ اوسے دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہون کا یہ باعظمت و وقار محل بہت پیشتر اپنے عروج کی منزل طے کرچکا، اور اگرچہ فوارے اب بھی اپنا راگ الاپ رہے ہیں اور گذشتہ زمانے کا منہ

چڑا رہے ہین لیکن وہ زمانہ نسیاً منسیاً ہو چکا ہین نے مشرق مین ایسی حالت نہین دیکھی، گو عمارتین خاموش کھڑی ہین، لیکن یہ خاموشی ایک چیستان ہے، موت نہین ہے، جب مین قلعۂ دہلی مین داخل ہوئی، تو مجھے محسوس ہوا کہ مین بالکل ایک دوسری دنیا مین آگئی ہون، باغ بہت عمدہ حالت مین رکھا گیا ہو جس طرح سابق مین ہوگا، اور دیوان خاص مین (جس کا ذکر ابھی کیا) آنے سے پہلے ایک چھوٹی سی مسجد ملتی ہے، جسے موتی مسجد کہتے ہین، یہ مسجد اردگرد کی روئیدگی مین فی الواقع ایک گوہر درخشان ہی، اور اوس کے اندر اس مذہب کی پاکیزگی اور امن کا جلوہ نظر آتا ہی جس سے اس کا تعلق ہی،

یہ اور اسی قسم کی کئی عمارتین ایسی ہین کہ ہر ایک کے لئے ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہی، الورہ اور اجنتہ کے غار جو حیدرآباد سے قریب ہین، نہ صرف معماری بلکہ نقاشی کے لحاظ سے قدیم زمانے کی نایاب یادگار ہین، جنکو دیکھکر عقل دنگ رہ جاتی ہی، اسی طرح گولکنڈہ کے شاہی گنبد، بیجاپور کی جامع مسجد اور ابراہیم روضہ سہسرام مین شیر شاہ کا مقبرہ، دہلی کی جامع مسجد، لکھنو کا بڑا امام باڑہ، گوالیار مین محمد غوث کا مقبرہ، فتح پور سیکری مین اکبر اور عیسیٰ خان کے مقبرے، ارچھا، میسور، جے پور کے شاہی محل، اجمیر کی مسجد، حیدرآباد کی جامع مسجد، سری رنگا پٹم کی علامسجد، لاہور مین جہانگیر کا مقبرہ، رامیشورم اور مدورہ کے بڑے مندر، سری رنگم مین جمبوکیشورہ کا دیول، قلعہ گوالیار اور چتوڑ گڑہ کا سربلند منار، کوہ آبو، کاشی ناتھ مندر، پٹنہ مین جینیون کا مندر، سکھون کا سنہری گردوارہ وغیرہ وغیرہ نایاب عمارتین ہین، گویا صرف جواہرات، یاقوت، الماس، موتی ہی ہندوستان کی دولت نہین، بلکہ فن معماری سے متعلق اشکال، خاکے اور خطوط کے بے بہا خزانے بھی یہان بکھرے پڑے ہین،

ہندوستان کی ایک اور حیرت انگیز زندہ یادگار اس کا رنگ ہی، ہندوستان کی بیٹیان اس فن مین فطری دستگاہ رکھتی ہین، بازار مین، گاؤن مین، یا دلی پردہ مختلف رنگون مین نظر آتی ہین، اون کے سرخی مائل جسم پر شوخ نارنجی یا ہلکا گلابی یا گہرے سرخ رنگ کا جوڑا ہوتا ہے، کسی قدر دور کیون نہ ہون وہ پہچان لیتی ہین، پہلے اس بھڑکیلے رنگ پر نگاہ پڑتی ہے، اور وہین ٹھٹھک کے رہجاتی ہے، لپٹے ہوئے کپڑے مین سے جو اکثر پھٹا اور پیوند لگا ہوا ہوتا ہے دو کاسے کے رنگ مین پاؤن دکھائی دیتے ہین، اون کی ہر حرکت مین ایک فطری موسیقی پوشیدہ ہے، سر پر جس کے

پیچھے سیاہ بالون کا جوڑا بندھا ہوتا ہے، پانی کا برتن رہتا ہے، اسکو وہ ایک ہاتھ سے تھامتی ہے اور دوسرا ہاتھ برابر رفتار سے حرکت کرتا ہے، اس عورت مین جو باوجود غیر تعلیم یافتہ ہونیکے رنگ شناسی کے فن مین خداداد مہارت رکھتی ہی سب سے حیرت انگیز چیز اوسکی چال ہی، وہ ادنی سے ادنی درجہ کی کیون نہ ہو اوسکی رفتار شاہانہ ہوتی ہی، اس کی یہ باقاعدہ رفتار اوس کی دوسری اقوام کی بہنون کو متحیر کرتی ہی اسمین ناقابل بیان خوبصورتی اور بے پایان توازن اور غرور نظر آتا ہے،

اس غرور کا تجزیہ نہین کیا جاسکتا، اور چونکہ اس مین تصنع کا شائبہ نہین اس لئے یہ نہین معلوم ہوسکتا، کہ اوسکی بنا کیا ہے، البتہ خوبصورتی اور توازن کی وجہ ان کی موسیقی سے محبت ہے، یہ محبت آواز کی فریفتگی سے نہین، جو صرف کانون کو بھلی معلوم ہوتی ہے، بلکہ یہ اس قوم کی ذاتی اور امتیازی صفت ہے جو یہان کے جاہل سے جاہل مین بھی بدرجۂ اتم موجود ہے، اس مین اور یورپ کی موسیقی مین کوئی مناسبت نہین، جن کے کان یورپ کی موسیقی سے آشنا ہون، اون کے سامنے اسکی تعریف یون کیجاسکتی ہے، کہ وہ ایک طویل راگ ہے، یہ راگ پہلے پہل تو ایک ہی طرز کا معلوم ہوتا ہے جو اجنبی سامع کو ناگوار گذرتا ہے لیکن کچھ مدت کے بعد وہ اپنے سحر سے تسخیر کرتا اور سننے والے کو مست بنادیتا ہے، اور پھر وہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ راگ پوشیدہ اور مخفی طور پر قوم کی تصویر کھینچ رہا ہے، اسکی یکسان سامعہ نوازی ایک ایسی سرزمین کو ظاہر کرتی ہے جس سے مغربی اقوام نابلد ہین، ماضی وحال کے بہترین لکھنے والون کی شاعری کا سرمایہ پاٹ دار برمانے والی آواز اور بعض اوقات بول، یہ تمام چیزین ان لوگون کی حالت بیان کرتی ہین، جو اگرچہ مذہب، فرقے، اور رسم ورواج کے لحاظ سے مختلف ہین لیکن یہی موسیقی اور وہ زمین جو اون کا مرزبوم ہے، اونھین آپس مین متحد کئے ہوئے ہین، یہ موسیقی گو سمجھ مین نہ آئے، اپنا اثر کئے بغیر نہین رہ سکتی، الفاظ مین ہر شاعر کا اپنا فلسفہ اور طریقۂ بیان الگ ہی لیکن سب کے لب ولہجہ مین گہرا تصوف مضمر ہے، جو وضاحت سے بالاتر ہے،

یہ مبالغہ نہ ہوگا اگر مین کہون کہ ملک ہندوستان قدیم وجدید حقیقت اور افسانہ، عظمت رفتہ اور جدید ترقی کا سنگم ہے، میرے اس مختصر بیان سے ناظرین کے ذہن مین صرف جگمگاہٹ، رنگ، حیرت انگیز عمارات اور

شاندار ماضی کا (جس کی دلکشی ہنوز باقی ہے) تصور قایم ہوگا، لیکن اس مین شک نہین کہ ایک چیز اس ملک اور اوراس کے مذکورۂ بالا تصور سے الگ بھی ہے، اور وہ جدید ترقی ہے، بغیر دیکھے یہ سمجھ مین نہین آتا کہ کس قدر نئی ایجادات واختراعات سے اس ملک نے استفادہ کیا، اور کس حد تک اس ملک کے باشندون نے انھین قبول کرلیا ہے، بڑے شہرون مین بہترین جدید سڑکین، عمارتین، مکانات، دوکانین، آئین وعادات نظر آئین گے، اور اون کے ساتھ ساتھ رنگ، بھڑک، اور نظر فریبی بھی جو ایک مشرقی ملک کا حصہ ہے، مدارس، دواخانے اور دارالیتامی بھی موجود ہین، حیدرآباد کا محبوبیہ گرلز اسکول اپنی قسم کا بہترین مدرسہ ہے، جسے دیکھ کر تعجب ہوتا ہے، کہ ملک مین اس قدر سختی سے پردہ ہونے کے باوجود یہ کس طرح قایم ہے، ہندوستان کا ایک بڑا دارالیتامی بھی حیدرآباد مین ہے، جو نہایت خوش اسلوبی اور انتظام کے ساتھ چلایا جارہا ہے،

اسی طرح اور بہت سے امور ہین لیکن مین یہان صرف اس قدر اضافہ کرکے اپنے مضمون کو ختم کرتی ہون کہ مجھے اپنے ملک پر ناز ہے، جو یقیناً تنوّع کے وصف سے مالا مال ہے، اگر زمانے کی تیز رفتار ترقی سے طبیعت گھبرا جائے تو دماغ کو آرام دینے کے لئے عہد رفتہ کے آثار موجود ہین، مین نے ابھی تو اس طلسمات مین قدم رکھا ہے، اور یہ کہا نہین جاسکتا کہ اوس کے اسرار کو حل کرنے کے لئے مجھے کتنی عمر صرف کرنی ہوگی،

"اسکول اوف عربک اسٹڈیز میڈرڈ"

معارف بابت دسمبر کے شذرات مین ہسپانیہ کی جدید جمہوری حکومت اور اسلامی معاملات کے بارے مین اوسکی ہمدردانہ توجہ کا ذکر کرتے ہوئے اسلامی علوم وفنون کی جس درسگاہ کے قیام کی تجویز کا تذکرہ آیا ہے اس کے متعلق ناظرین معارف کے لئے یہ معلوم ہونا باعث دلچسپی ہوگا کہ وہ اکتوبر گذشتہ سے جاری ہوچکی ہے،

پروفیسر بلنسیہ (Palencia) کے ایک تازہ مکتوب سے معلوم ہوا کہ میڈرڈ مین ایک اسکول اوف عربک سٹڈیز (Escuela de Estudios Arabes) قائم ہوا ہے جس کے

نگران اور مدیر اعلی وہان کے مشہور پرفیسر آسین (Asin) مقرر ہوئے ہین، درس و مطالعہ کا کام فی الحال حسب ذیل چھ شعبون مین تقسیم ہوا ہے، ہر شعبہ ایک مخصوص عالم کی نگرانی مین دیا گیا ہے، کام اکتوبر ۱۹۳۲ء سے شروع ہو چکا ہے۔

شعبۂ اول	(1st Section)
فلسفہ، مذہب، اور دیگر علوم کی تاریخ، زیر نگرانی پروفیسر آسین،	History of Ideas and sciences, under the direction of Prof. Asin
شعبۂ دوم	(2nd Section)
سیاسی تاریخ، پروفیسر الارکون	Political History Prof. Alarcon
شعبۂ سوم	(3rd Section)
اسلامی قانون اور نظامات (پروفیسر لنارس)	Islamic Law and Institutions, Prof. Linares
شعبۂ چہارم	(4th Section)
علم اللسان اور ادبیات (پروفیسر بلنسیہ)	Philology and Literature Prof. Palencia
شعبۂ پنجم	(5th Section)
علم الآثار العربیہ (پروفیسر ریئلو واویس)	Arabic Archaeology (Prof. Rielo Vives)
شعبۂ ششم	(6th Section)
مراکش کی زبانون، اور دیگر معاملات کی تحقیق، (روئز اورسائی)	Moroccan Studies of Dialectology Ruiz Orsatti

اسکول کے نام اور کام سے ظاہر ہے، کہ پیرس، برلن، اور لندن کے مشرقی سکولون کے برعکس

میڈرڈ کا اسکول محض اسلامی عربی علوم وفنون کے مطالعہ کے لئے مخصوص ہوگا، ہمین اس لحاظ سے مسرت ہو کہ شاید اس طریق سے بھی مرحوم اندلس کے کچھ آثار ہماری دیدہ افروزی کے لئے زندہ ہوسکین،

اسکول کا پتہ یہ ہے،:-

Escula de Studios Arabes
Calle de S. Vicente, no 60
Madrid (Spain)

عنایت اللہ

گورنمنٹ کالج جھنگ (پنجاب)

خلفاے راشدین

سیر الصحابہ کا حصہ اول، یہ چارون خلفاء کے ذاتی حالات فضائل، اور مذہبی وسیاسی کارنامون اور فتوحات کا آئینہ ہے،

حجم ۴۰۷ صفحے قیمت سے

سیرت عائشہ رضؓ

(طبع دوم) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے حالات زندگی اور اون کے مناقب وفضائل واخلاق اور اون کے علمی کارنامے، اور اون کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر اون کے احسانات، اسلام کے متعلق اون کی نکتہ سنجیان اور معترضین کے جوابات کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ ضخامت ۳۵۰ صفحے قیمت ہے

"منیجر دار المصنفین"

معراج المومنین

از حکیم الشعراء امجد، حیدرآبادی

معارف کا شیوہ نہیں کہ شاعرون کو خطابات بانٹے لیکن حضرت امجد کی نو بہ نو حکمت آموز شاعری نے اس کو اعتراف فضل پر مجبور کیا ہے اور لفظ "حکیم الشعراء" سے واقعہ کا اظہار کیا ہے،

ذیل کی نظم رمضان کی سحری ہے یا نار سحری لفظ و معنی دونون کی لذت اسی سحری مین موجود ہو،

("اڈیٹر")

یا حسرۃ علی العباد

پایا نہ حیات کا ثمر اک دن بھی ۔۔۔ ہم کو نہ ہوا خدا کا ڈر، اک دن بھی

کیا حق ہے زمین پہ پاؤن رکھنے کا ہمین ۔۔۔ رکھا نہیں جب سجدے مین سر اک دن بھی

خطرات فی الصلوۃ

فطرت ہر چیز کی طرف مڑتی ہے ۔۔۔ ٹوٹی ہوئی شاخ از سرِ نو جڑتی ہے

ہوتا ہے نماز مین ہجوم خطرات ۔۔۔ گھر جھاڑتے وقت، خاک بھی اڑتی ہے

دلبر کے لیے ادائے ناز اچھی ہے ۔۔۔ عاشق کے لیے رسم نیاز اچھی ہے

موقع ہے یہی تو اک قدم لینے کا
ہر ایک عبادت سے نماز اچھی ہے

تخلیق کا راز، عبدیت مین ڈھونڈو
ناز اپنا نیاز کی صفت بین ڈھونڈو

اسرارِ عبودیت کا مظہر ہے نماز
آئینۂ اسلام کا جوہر ہے نماز

اسلام، ہے گر لفظ تو معنی ہے نماز
ہان قربتِ مولا کا وسیلہ ہے نماز

پیراہنِ کبر چاک ہو جاتا ہے
نفسِ سرکش ہلاک ہو جاتا ہے

مسلم کے لیے عجب نعمت ہے نماز
سر خاک مین رکھ کہ پاک ہو جاتا ہے

اس بندۂ مسلم کا بھی کیا پایہ ہے
دیکھو تو کہ کس کے سامنے آیا ہے

فتنون سے جہان کے جان چھڑا کر آیا
بندہ دنیا سے ہاتھ اٹھا کر آیا

ہان قرۂ عینِ دلِ بینا ہے نماز
اسلام ہے گر لفظ، تو معنی ہے نماز

سر نہادن ۱۲

قیام

بندے کا قیام ہے خدا کے آگے
فانی کو جگہ ملی بقا کے آگے

اس وقت، نظر آتی ہے شانِ قیوم
ملتا ہے قیام مین نشانِ قیوم

اللہ کا الف قیام کی صورت ہے
ارکان مین، یہ امام کی صورت ہے

رکوع

بندے نے رکوع مین بڑی جرأت کی
سر قدمون پہ رکھنے کی اجازت لیلی

مسلم، سر خم کئے ہوے حاضر ہے
یہ وہ مہِ نو ہے، جس کا رب ناظر ہے

دل کو رُخِ جانان پہ فدا رہنے دے
ان قدمون مین آنکھون کو گڑا رہنے دے

جھک کر مرے کان مین یہ کہتا ہو رکوع
امجد ! سرِ تسلیم جھکا رہنے دے

سجدہ

ہے عرش سے بھی بلند بام سجدہ
قدمون مین کسی کے ہی مقامِ سجدہ

سجدہ ہے، عروسِ عبدیت کا گہنا
سنتا ہے اسی جگہ، وہ میرا کہنا

سجدے مین چھپے ہوئے ہین اسرارِ نماز
یہ سجدہ ہے شاہنشہِ دربارِ نماز

زنجیر درِ عرش ہلاتا ہون مین
اللہ غنی ! کسے بلاتا ہون مین

سجدے کے بہانے، دل کی بیتابی سے
قدمون پہ کسی کے لوٹ جاتا ہون مین

اس سرزمین شاخ کا پھل اعلیٰ ہے
عالی معمولی ہے، عمل اعلیٰ ہے

پوچھو نہین سجدہ کرنے والون کے دماغ
سر خاک مین، لب پہ ربّی الاعلیٰ ہے

مسلم کی کمالِ آرزو، سجدہ ہے
اللہ، قیام اور ہو سجدہ ہے

جان ڈوب کے لذتون مین کھو جاتی ہے
فانی ہستی کی نفی ہو جاتی ہے

شبِ ہجر کی، شام وصل سے ملتی ہے
جب جھکتی ہے شاخ، اصل سے ملتی ہے

کب راہ یہ زور و زر سے طے ہوتی ہے
ہان منزلِ عشق، سر سے طے ہوتی ہے

سر اب تو اٹھاتی نہین پُر خون آنکھین
کس طرح نکال کر مین رکھ دون آنکھین

ٹھنڈک ہے عجب سجدے مین، سبحان اللہ
تلوون سے کسی کے مَل رہا ہون آنکھین

قعود

بیٹھا ہے ادب سے عبد، پیشِ معبود
فی مقعدِ صدق کا ہی مصداق قعود
فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر

سلام

اسلام میں، مصدرِ محاسن ہے سلام
مسلم کی سلامتی کا ضامن ہے سلام

دُعا

ہردم اس کی عنایت تازہ ہے
اس کی رحمت بغیر اندازہ ہے

جتنا ممکن ہو، کھٹکھٹائے جاؤ
یہ دستِ دعا، خدا کا دروازہ ہے

خالق نے جنھیں دیا ہے زر، دیتے ہیں
زر کیا ہے؟ خدا کی رہ میں گھر دیتے ہیں

اپنا سرمایہ ہے رکوع و سجدہ
ساماں نہیں رکھتے ہیں، سر دیتے ہیں

اخلاصِ نیاز

از جناب سید شاہ نجم الدین احمد نجم کاکوی (پٹنہ)

قدموں پہ تیرے دلنواز، میرا سرِ نیاز ہو
شام و سحر اسی طرح، اپنی ادا نما نہ ہو

آنکھیں رہیں گہر فشاں، دل میں خلش رہے نہاں
لب پہ ہو نالہ و فغاں، روح میں بھی گداز ہو

آہوں کو ہنس کے ٹال دوں، اشکوں کو روک رکھوں
اوروں کا ذکر کیا، نہ دل سے بھی بیانِ راز ہو

چپکے پڑے ہیں سب کے سب، دیکھیں قیامت آئے کب
دیر یہ کیوں ہے بے سبب محوِ خرامِ ناز ہو

حسن میں شانِ کبر ہو، عشق میں شانِ عاجزی
ناز و غرور ہو اُدھر، اور اِدھر نیاز ہو

جلوۂ حسن سے ترے، موجِ بہار شرمسار
چرخ پہ خندہ زن تری، چشمِ کرشمہ ساز ہو

پھیرو نہ نامراد یوں، آس نہ توڑو اس طرح
در سے ترے آئے ہیں، ہم کہ گدا نواز ہو

اے غمِ عشق: داغ سے سینہ ہرا بنا لالہ زار
تیرے ہی دم سے ہو بہار، عمر تری دراز ہو

نجم تمھیں ملے گا کیا، اپنی نمازِ عشق میں
دل میں خلش ہو اور نہ درد، سوز ہو اور نہ ساز ہو

باب التقریظ والانتقاد

چند نئے رسالے اور اخبار

اور

رسالون کے خاص نمبر

گذشتہ ششماہی مین ہمین مختلف رسالے اور اخبارات، ریویو کے لئے موصول ہوئے، نیز مختلف رسالون کے چند خاص نمبر بھی آئے ہین،

رسائل | رسائل حسب ذیل ہین،

آئینہ کلکتہ (مصور ماہانہ) اڈیٹر جناب محمد اسحاق صاحب معاون جناب قیس شیخپوری حجم ۴۸ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ قیمت سالانہ عہ پتہ :- دفتر آئینہ نمبر ۱ ابرن بارڈی لین کلکتہ،

یہ رسالہ ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۳۲ء سے کلکتہ سے نکلنے لگا ہے، اس کے دو پرچے اکتوبر اور نومبر کے نظر سے گذری، رسالے کے پہلے نمبر مین اڈیٹر کی جانب سے اولا صفحۂ افتتاح ہے، جسمین فاضل مدیر نے آئینہ کو بنگال مین اردو کے رائج کرنے کا ذریعہ بتایا ہی، اور کہا ہے کہ "اردو ادب ہنوز لیست ہے"..... بے لاگ تنقید کی کمی ہی، آئینہ اردو ادب کے حال کا آئینہ نہین، بلکہ مستقبل کا بھی آئینہ ثابت ہوگا، لیکن جناب جوش ملیح آبادی کی ایک غزل پر مدیر آئینہ نے جو تنقید کی ہے، افسوس ہے کہ وہ نہ تنقید صحیح کا کوئی نمونہ ہے! ورنہ اوسے بے لاگ تنقید کہہ سکتے ہین، رسالہ کو ملک کے اچھے اہل قلم کی امداد حاصل ہے، جناب نواب نصیر حسین صاحب خیال کی زیر تالیف کتاب داستان اردو کے چند ورق دونون نمبرون مین شائع ہوئے ہین، اسی طرح مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی بھی رسالہ کے مستقل معاون نظر آتے ہین، اونھون نے پہلے نمبر مین ہمارے شعرائے کرام کو مخاطب کیا ہے، اور دوسرے نمبر مین "عظمت کی راہ" دکھائی ہی،

جناب مظفر حسین صاحب شمیم نے شیخ جمال الدین افغانی کے سامنے مرزا داغ دہلوی مرحوم کے ایک غزل سنانے کا واقعہ قلمبند کیا ہے، اسی طرح مختلف یورپین فسانہ نگاروں شکسپیئر اور ٹامس ہامیسون کے مختصر افسانون کے ترجمے نظر آتے ہین، اور شعرا مین سے حضرت شاد عظیم آبادی جناب رضا علی وحشت جناب جوش ملیح آبادی، اور جناب آغا حشر کاشمیری وغیرہ کی نظمین اور غزلین ہین اور نیز بنگال و بہار کے نوجوان اہل قلم اور شعرا کی نثر و نظم درج ہے، توقع ہے کہ رسالہ بنگال و بہار کے نوجوانون کو اردو لکھنے لکھانے کی مشق بہم پہنچانے مین کامیاب ہوگا، لیکن رسالہ کے افتتاحیہ اور شذرات کو سیاسیات کا اکھاڑا بنانے سے اجتناب کرنے کی ضرورت ہے کہ کارکنان رسالہ کے پاس ان مباحث کیلئے ایک مستقل روزنامہ کا میدان موجود ہے،

آئینہ دہلی (ماہانہ) اڈیٹر جناب سید ابن الحسن صاحب، فکر، ایم اے حجم ۳۲ صفحے قیمت سالانہ عہ پتہ: منیجر رسالہ آئینہ، دہلی،

پیش نظر رسالہ کے اجرا کا اصل مقصد ارزان قیمت مین اعلیٰ مضامین کے مجموعہ کا رسالہ پیش کرنا ہے، اس کا پہلا نمبر زیر نظر ہے، اسمین شبہہ نہین کہ یہ اپنے مضامین اور ظاہری شکل و صورت کے لحاظ سے ارزان قیمت ہے، مضامین کا معیار بھی خاصہ ہے، اکثر مضامین سائنٹفک اور علوم جدیدہ سے متعلق ہین، نیز بعض افسانے بھی ہین، مضامین کے چند عنوان یہ ہین، "ریڈیو اور آیندہ جنگ" معانی الفاظ" کوہ نور کی سرگذشت" پانی کی دنیا اور اوس کے عجائبات" سلاطین آستانہ فقرا پر" تخلیق اور ارتقا، رسالہ کی ترتیب محتاج اصلاح ہے، اولاً مضامین کی فہرست منسلک نہین، علاوہ ازین اکثر مضامین اسطرح ناتمام چھاپے گئے ہین، کہ "دیکھو صفحہ فلان"، ایک ماہانہ رسالہ کیلئے یہ طریقہ مستحسن نہین،

گلچین لاہور (ماہانہ) اڈیٹر جناب سید ابو محمد صاحب ثاقب حجم ۴۷ صفحے قیمت سالانہ سے پتہ ہو دفتر گلچین چراغ دین روڈ، مزنگ، لاہور،

یہ رسالہ ماہ اگست ۱۹۳۲ء سے نکلا ہے، اس کا مقصد لاہور سے ایک صحیح زبان کا رسالہ نکالنا اور زبان

کی صحیح خدمت اور ادب کی حقیقی اصلاح کرنا ہے، اسکا پہلا پرچہ زیر نظر ہے جس مین مختلف شعرا کی نظمون اور غزلون
کے علاوہ بعض مضامین بھی اچھے خاصے ہین جنمین سے جناب مرزا محمد سعید صاحب دہلی کا مضمون "ہندی بھاشا کا قدیم
ادب" لائق ذکر ہے، لیکن رسالہ کے اسی پہلے نمبر مین اردو کے پرانے پرچون سے مشہور ادیبون کے مضامین بلا حوالہ درج
کرنے کی ابتدا کچھ مناسب نہین ہے، جناب سلطان حیدر صاحب جوش مرحوم کا مضمون "نور" چند سال گذرے شائع ہو چکا
ہے، اور اردو خوانون مین دلچسپی سے پڑھا جا چکا ہے،

یادگار، لاہور (ماہانہ) مدیر جناب نیر بی اے، معاون جناب محمد لطیف جعفری، بی اے وغیرہ حجم ۵۶ صفحے
قیمت سالانہ ہے، پتہ:- دفتر رسالہ یادگار اندرون بھاٹی دروازہ لاہور،

رسالہ یادگار چند ماہ سے نکل رہا ہے، نومبر کا پرچہ پیش نظر ہے، جو مختلف قسم کے ادبی و تنقیدی مضامین پر
مشتمل ہے، نثر مین پروفیسر تبسم کا مضمون اور شعرا مین حضرت ریاض خیرآبادی اور جناب محوی صدیقی کے کلام پڑھنے
کے لائق ہین،

سنیاسی گجرات (ماہانہ) اڈیٹر جناب حکیم عارف حجم ۴۸ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی معمولی قیمت سالانہ
پتہ:- دفتر سنیاسی گجرات (پنجاب)

سنیاسی گجرات (پنجاب) سے نکلا ہے، یہ ایک مفید رسالہ ہے اور اوسکو سیاسی اور طبی رسالہ کہہ سکتے ہین، اسکے
پیش نظر ہندوستان کی مختلف قومون اور ملتون مین اتحاد و یگانگی پیدا کرنا، ہندوستانیون کے فرقہ وارانہ جھگڑون کو
روکنا، دیگر مذاہب کے بزرگون پر دلخراش نکتہ چینی سے باز رکھنا ہے، اوسکے مضمون نگارون مین ہندو اور مسلمان دونون اہل قلم
ہین، رسالہ کے مرتب جناب حکیم عارف ہین، مگر پورا رسالہ پڑھنے کے باوجود یہ معلوم کرنا دشوار ہے، کہ عارف کسی ہندو
شاعر کا تخلص ہے یا مسلمان شاعر کا، جناب حکیم عارف نے اپنے لئے ایک مستقل عنوان "تاریخ ہند کا ایک ورق" خاص
کر لیا ہے، اسمین تاریخ کی مستند کتابون اور مستند حوالون سے ایسے واقعات اخذ کرکے پیش کرتے ہین جن سے ہندو
مسلمان اور سکھون کی باہمی رواداری اور باہم حسن سلوک اور ایک دوسرے کے مذہب کی عزت کرنیکے نتائج پیدا

ہوتے ہین، رسالہ کا یہ باب نہایت کارآمد ہے، رسالہ کے بعض مضامین طبی بھی ہین،

پاسبان، گورداس پور (ماہانہ) ادارۂ تحریر جناب لطیف انور و جناب اصغر حسین خانصاحب نظیر، لودھیانوی، حجم ۴۸ صفحے، لکھائی چھپائی معمولی، قیمت سالانہ ؎، پتہ:۔ دفتر رسالہ پاسبان گورداسپور (پنجاب)

رسالہ پاسبان، پنجاب کے ایک دوسرے شہر گورداسپور سے نکلا ہے، اس کے پیش نظر ادبی خدمت انجام دینا اور صوبہ پنجاب کے محکمۂ تعلیم کی منظور شدہ کتابون پر نقد و تبصرہ کرنا ہی، رسالہ چند عنوانون "روح تغزل" "معیار علم و ادب" تعلیمات" اور "نسائیات" مین تقسیم ہے، دوسرے نمبر سے حصۂ نسائیات کی ادارت جناب ضیہ سلطانہ گورداسپوری کو تفویض ہوئی ہے، رسالہ کے بعض مضامین سنجیدہ اور تنقیدی بھی ہین،

دبستان وزیرآباد، مدیر جناب سید برکت علی صاحب گوشہ نشین، وزیرآباد، حجم ۴۸ صفحے قیمت سالانہ ؎، پتہ:۔ دفتر دبستان مثمن برج وزیرآباد (پنجاب)

دبستان، پنجاب کے ایک تیسرے شہر وزیرآباد سے نکلا ہے جناب سید برکت علی صاحب گوشہ نشین مدت سے اپنے گوشۂ عزلت مین بیٹھکر دوسرے شعراء و ادباء پر رسالون کی شکل مین تیراندازی کرتے تھے، اب خود میدان مین نکل آئے ہین، اور دارالاشاعت قائم کرکے رسالہ دبستان جاری کیا ہے، رسالہ کے تقریباً تمام مضامین مختصر افسانون پر مشتمل ہین، کوئی خاص تنقیدی مضمون پہلے نمبر مین موجود نہین، بعض مضامین "تاریخی معلومات" کے عنوان سے ہین، شعراء کے کلام، اہل قلم کے مضامین کے پہلو بہ پہلو بہ کثرت ہین جنمین زیادہ تعداد جناب گوشہ نشین کے کلامون کی ہی،

مسلمہ، جالندھر (ماہانہ) اڈیٹر جناب حمیرا، حجم ۲۴ صفحے، قیمت سالانہ صرف ایک روپیہ، پتہ:۔ دفتر رسالہ مسلمہ مدرسۃ البنات، جالندھر (پنجاب)

مدرسۃ البنات کچھ دنون سے چند مخلص مسلمانون کی کوششون سے جالندھر مین قائم ہوا ہے، اس مدرسہ کی جانب سے ایک ماہانہ رسالہ مسلمہ، جناب حمیرا کی ادارت مین ماہ جولائی ۱۹۳۲ء سے نکلنے لگا ہے، رسالہ کی سرپرستی جناب مفخر نسوان

بیگم صاحبہ نواب لیاقت حیات خان بہادر وزیراعظم ریاست پٹیالہ نے قبول کی ہے، رسالہ کا دوسرا نمبر پیش نظر ہے، مضامین میں خصوصیت سے اسلامی تعلیمات کی روح نظر آتی ہے، جو مختصر افسانے ہیں، وہ بھی شریف بہو بیٹیوں کے پڑھنے کے لائق اور سبق آموز ہیں، رسالہ کا خیر مقدم مولانا ظفر علی خانصاحب نے اپنی ایک فارسی نظم سے کیا ہے، جس کا اردو ترجمہ جناب ہمیرا کے قلم سے ہے،

مشیر باغبانی لاہور (ماہانہ) اڈیٹر پروفیسر جی، ایم، ملک ایم ایس سی (اگریکلچر) امریکہ حجم ۳۰ صفحے، قیمت سالانہ عہ

پتہ:- امریکن سیڈ اینڈ نرسری کمپنی نمبر ۴۸ میکلوڈ روڈ لاہور،

مشیر باغبانی، ایک زراعتی رسالہ ہے جسمیں فن زراعت اور باغبانی سے متعلق مفید مضامین ہوتے ہیں، "باغبانی کلب" "ترکاریاں" "باغبانی معلومات" "استفسارات وجوابات" (متعلق زراعت و باغبانی) اور "عملی باغبانی" وغیرہ اس کے مستقل عنوان ہیں، رسالہ سے زراعت پیشہ اور باغبانی کے شوقین فائدہ اوٹھا سکتے ہیں،

کامیاب دہلی، (ماہانہ) اڈیٹر جناب ظفر نیازی و سب اڈیٹر جناب لطیف احمد بی اے حجم ۴۰ صفحے،

قیمت سالانہ عہ، پتہ، منیجر رسالہ کامیاب پوسٹ بکس نمبر ۲۰۴، دہلی،

رسالہ کامیاب چند ماہ سے جاری ہے، دسمبر کا نمبر پیش نظر ہے، اسمین متعدد چھوٹے چھوٹے ادبی و اصلاحی مضامین مختلف اہل قلم جناب خواجہ حسن نظامی صاحب، جناب مولوی سید ظہور احمد صاحب وحشی جناب ایم اسلم اور جناب اکبر حیدری صاحب وغیرہ کے ہیں، رسالہ کے مضامین کارآمد اور دلچسپ ہیں،

شاعر آگرہ (ماہانہ) اڈیٹر جناب نظر اکبر آبادی، حجم ۴۰ صفحے، تقطیع ۲۲×۱۸/۴، قیمت سالانہ عا، پتہ:- دفتر قصرالادب آگرہ،

اکبر آباد میں ہمیشہ سے شعروشاعری کا چرچا رہا ہے، دورِ حاضر میں بھی یہ شہر شعروشاعری کے چرچے اور مشاعروں کی چہل پہل سے اوسی طرح پر رونق ہے، اور ادبی چھیڑ چھاڑ اور شاعرانہ لن ترانیوں کی صدائیں یہیں سے کبھی کبھی سنائی دیتی ہیں، اور شعروشاعری کی خدمت کے لئے یہاں سے مختلف پرچے نکلتے رہتے ہیں، زیرتبصرہ رسالہ، اوسی سرزمین سے

سراپا شاعر بنکر سامنے آیا ہی، جناب سیماب اکبرآبادی اس کے "نگران اصول" اور جناب نظر اکبرآبادی اس کے مدیر ہین اگست ۱۹۳۲ء کا پرچہ زیر نظر ہے، اسمین شبہہ نہین کہ کارکنان رسالہ شعر و شاعری اور اردو کی خدمت انجام دینا چاہتے ہین، رسالہ کے آغاز مین شعر و ادب کے متعلق استفسار و جواب ہین، پھر چند صفحون مین "شاعر" کے چند مختصر نوٹ اور مضامین ہین، پھر دوسرے اہل قلم کے مضامین درج کئے گئے ہین، جن مین سے "مرزا داغ اور نفسیات محبوب" اور "شعرا کی ذہنی تصاویر" دلچسپ مضامین ہین، آخر مین ایک باب "اصلاح سخن" کا بھی ہے،

مؤرخ فیض آباد (مہینہ مین دوبار) اڈیٹر مولوی سید علی اظہر صاحب عابدی، ۴۸ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت سالانہ عہ

پتہ:- دفتر مؤرخ امام باڑہ جواہر علی خان فیض آباد،

رسالہ مؤرخ مین جیسا کہ اوس کے نام سے ظاہر ہے، خالص تاریخی مضامین ہوتے ہین لیکن وسعت دامان کے لئے اس کے ضوابط مین اعلان ہے کہ "علمی، ادبی، تمدنی و اخلاقی مضامین جن کا تعلق تاریخ سے ہوگا، وہ صفحات مؤرخ پر نظر آئین گے"، اس کا پہلا پرچہ بابت ماہ اپریل ۱۹۳۲ء ہمین موصول ہوا ہے، بعض مضامین ہم نے دیکھے، وہ تاریخی استناد پر مبنی نہین ہین لیکن بہرصورت رسالون کے عام سطحی افسانون کے پڑھنے سے ان تاریخی افسانون کا پڑھنا زیادہ بہتر ہوگا،

اقتصاد کابل (فارسی ماہانہ) اڈیٹر جناب محمد زمان ترہ کی (حجم ۴۰ صفحے، کاغذ عمدہ چھپائی خوبصورت ٹائپ مین، قیمت سالانہ ۸ شلنگ، پتہ:- دفتر اقتصاد، وزارت تجارت گلستان سرائے کابل (افغانستان)

سال ڈیڑھ سال مین کابل سے متعدد بلند پایہ رسالے جاری ہوئے ہین جن کا تذکرہ ان صفحات مین آتا رہا ہے، اب یہ ایک نیا رسالہ اقتصاد نکلا ہے، جیسا کہ اوس کے نام سے ظاہر ہے، یہ ایک اقتصادی و تجارتی رسالہ ہے، اس کے مضامین مختلف عنوانون "فلاحت و زراعت" "معادن"، اور "تجارت"، وغیرہ مین منقسم ہین، اس کے بعض مضامین کا اقتباس انھی صفحات مین اس سے پہلے گذر چکا ہے، تجارتی حلقون کے لئے یہ خصوصیت سے ایک کارآمد رسالہ ہی۔

فانوس لاہور (ماہانہ) اڈیٹر جناب سردار علی صاحب آفسر حجم ۴۸ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ قیمت سالانہ ۴؍

پتہ:- دفتر رسالہ فانوس نمبر ۹ کشمیر بلڈنگ میکلوڈ روڈ لاہور،

فانوس ایک علمی و ادبی رسالہ ہے، جو ماہ نومبر ۱۹۳۲ء سے نکلا ہے، اکثر مضامین ادبی اور بعض علوم جدیدہ سے متعلق ہیں بعض مضامین پڑھنے کے لائق ہیں، مثلاً "مرزا غالب کی ایک نایاب فارسی نظم"،

پندرہ روزہ پرچے | ذیل کے دو پرچے پندرہ روزہ ہیں، نیّر اسلام اور حسن کار حیدرآباد،

نیّر اسلام لاہور (مہینہ میں دوبار) اڈیٹر جناب غلام نبی صاحب انصاری جہلمی حجم ۶ صفحے تقطیع ۲۰×۲۶/۴

قیمت سالانہ ۴؍ پتہ. دفتر اخبار نیّر اسلام امیر علی بلڈنگ ریلوے روڈ لاہور،

جناب غلام نبی صاحب انصاری کو سیاسیات سے دلچسپی ہے، اور موصوف کافی مدت تک جیل میں رہ چکے ہیں، اب موصوف نے رہا ہو کر ایک اخبار نیّر اسلام اپنے ذوق سے نکالا ہے، اور اس طرح قوم و ملک کی خدمت کا شوق پورا کیا ہے، اس کا ۲۸ واں نمبر مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۹۳۲ء ہمیں موصول ہوا ہے، اس کے سرورق پر مجلس مرکزیہ احرار اسلام کے ایک اجلاس کی وہ کاروائیاں ہیں جنکی تفصیلات صیغہ راز میں ہیں"، پھر مقالۂ افتتاحیہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کی ترجمان القرآن پر اظہار خیال ہے اور کہا گیا ہے اوسکو نیّر اسلام میں مسلسل پیش کیا جائے گا، اور اس کے بعد الہلال کلکتہ کے پرانے فائیلوں اور اوس کے جدید فائلوں سے چند مضامین اور افسانے نقل کئے گئے ہیں، اور آخر میں خبروں کے صفحات ہیں، اور اس طرح تقریباً پورا اخبار دوسرے پرانے اخبارات کے فائل، شائع شدہ کتابوں اور شائع شدہ خبروں سے منقول ہے،

حسن کار حیدرآباد دکن (پندرہ روزہ) اڈیٹر جناب سید محمد اکبر وفاقانی بی اے حجم ۲۰ صفحے،

قیمت سالانہ ۳؍ پتہ، دفتر حسن کار محلہ معظم شاہی گوشہ محل حیدرآباد دکن،

حسن کار فنون جمیلہ مصوری نقشہ کشی تعمیر اور موسیقی وغیرہ کی خدمت کے لئے ماہ نومبر ۱۹۳۲ء سے نکلا ہے، اسکا چوتھا اور پانچواں پرچہ پیش نظر ہے اکثر مضامین اپنے موضوع سے متعلق مختلف تاریخی عمارتوں فن تعمیر مصوری

اور موسیقی وغیرہ پر ہین، لیکن افسوس ہے کہ "حسن کاری" کی ظاہری شکل وصورت "حسن کارانہ" نہین، ع۔

اللہ کرے حسن رقم اور زیادہ

مجاہد ہفتہ وار اخبار، ڈیرہ اسمٰعیل خان (ہفتہ وار) مدیر جناب شاہزادہ فضل داد خان صاحب حجم ۸ صفحے تقطیع $\frac{17 \times 27}{2}$، قیمت سالانہ صہ، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، پتہ دفتر مجاہد، حافظ جمال اسٹریٹ ڈیرہ اسمٰعیل خان،

مجاہد ۹ دسمبر ۱۹۳۳ء سے جاری ہوا ہے، اس کا پہلا نمبر سامنے ہی، اوس نے اپنے حسب ذیل مقاصد بتائے ہین، شمالی ہند خصوصاً صوبہ سرحد اور بلوچستان کے مسلمانون کی ترجمانی اہا سبھائی فتنہ کا انسداد اسلامی تاریخ اور نامور اسلاف کے مجاہدانہ کارنامون کی اشاعت اور زبان اردو کی خدمت وغیرہ، مجاہد کا لب ولہجہ حکومت کے ساتھ تعاون پسندی کا ہے، اور ہندؤن کی جانب سے مسلمانون کے "حقوق" کے "غصب" کے شکوے اور افغانستان کی موجودہ حکومت کی حمایت وغیرہ اوسکی کھلی ہوئی پالیسی ہی،

البیت کلکتہ (مصور ہفتہ وار) اڈیٹر جناب میر ایچ اے افضالی حجم ۲۰ صفحے، تقطیع $\frac{20 \times 30}{4}$ قیمت سالانہ عہر دفتر البیت نمبر ۱۸، ڈمزن لین کلکتہ،

اخبار البیت (۹) کا نوان نمبر مورخہ ۲۵ ستمبر ۱۹۳۲ء ہمیں ریویو کے لئے موصول ہوا ہے اخبار کا سرورق آرٹ پیپر کا خوبصورت ہے، لکھائی چھپائی اور کاغذ بھی کچھ خراب نہین، تصویرین بھی چند صفحون پر ہین، ہفتہ وار خبرون کا کوئی التزام نہین ہے، مقالۂ افتتاحیہ اور شذرات کے لحاظ سے یہ پرچہ سیاسی اور دیگر مضامین کی نوعیت سے ایک ادبی وتعلیمی رسالہ ہے، سیاسی حیثیت سے اوسکی پالیسی مین "اسلامی حقوق" کی حمایت اور کانگریس کو مسلمانون کا مخالف بناکر اوسکی مخالفت کرنا ہے، زیر نظر پرچہ کے مقالۂ افتتاحیہ مین گاندھی جی کو مسلمانون کا تمام ہندو رہبرون مین، سب سے زیادہ دشمن قرار دیا گیا ہے، اخبار کا لب ولہجہ بھی پر وقار نہین، شاید جیسا کہ نام سے شبہہ ہوتا ہی، یہ کوئی مزاحیہ اخبار ہے،

منقار جبل پور (ہفتہ وار) اڈیٹر جناب محمد عبد اللطیف صاحب بی اے حجم ۱۴ صفحے قیمت سالانہ:- صہ

پتہ: دفتر منقار، ابراہیم منزل نمبر ۲ گلگلا جبل پور (سی پی)

یہ ایک ہفتہ وار مزاحیہ اخبار ہے، جو ۹ جنوری ۱۹۳۳ء سے جبل پور (صوبہ متوسط) سے نکلا ہے، اسمین مزاحیہ مختصر ڈرامے مزاحیہ نظمین اور مختصر مزاحیہ نوٹ ہوتے ہین،

امہات بھوپال (ہفتہ وار) اڈیٹر جناب قمر النسا بیگم حجم ۱۶ صفحے تقطیع ۲۲×۱۸/۴ کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ

قیمت سالانہ ے ر پتہ:- دفتر اخبار امہات بھوپال،

امہات جناب قمر النسا بیگم کی ادارت، اور جناب محمود الحسن صاحب صدیقی بی اے علیگ کے اہتمام سے غالبًا رسالہ ظل السلطان بھوپال کے دفتر سے نکلا ہے، اس کے چند نمبر ہمین موصول ہوئے ہین اس کے اجرا، کا مقصد خواتین ہند کی قومی، ملکی، سیاسی، معاشرتی اور تعلیمی تحریکات کی علمبرداری ہے،

روزانہ اخبارات — اس مدت مین دو نئے روزانہ اخبار بھی نکلے ہین ہند جدید کلکتہ اور مدینہ بجنور،

ہند جدید اڈیٹر مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی حجم ۸ صفحے تقطیع ۲۰×۳۰ کاغذ سفید چکنا لکھائی چھپائی عمدہ

قیمت سالانہ للعہ ہر پرچہ ۲ ر پتہ:- دفتر ہند جدید ۲/۱۰ اے چترنجن ایونیو، کلکتہ،

کلکتہ سے چند مہینون سے یہ روزانہ اخبار نکل رہا ہے، یہ سیاسی آزادی کا علمبردار مذہبی بدعات کا دشمن ہندو مسلم اتحاد کا پرزور حامی اور مسلمانون مین حرکت وعمل پیدا کرنے کا داعی ہے، اپنے مخالفون کے لئے ہمیشہ شمشیر برہنہ رہتاہے، پرچہ مین روزانہ خبرون کے علاوہ مختلف موضوع پر دلچسپ، کارآمد اور پڑھنے کے لائق علمی وادبی مضامین اور افسانے اور اسلامی ممالک کے اخبار ورسائل کے مفید و دلچسپ اقتباسات درج ہوتے ہین لیکن باین ہمہ یہ کہے بغیر رہا نہین جاتا،:-

گرمی سہی کلام مین لیکن نہ اسقدر — کی جس سے بات اوس نے شکایت ضرور کی

روزانہ مدینہ بجنور، اڈیٹر جناب نصر اللہ خانصاحب عزیز، بی، اے، حجم ۸ صفحے قیمت سالانہ عشہ

پتہ :- مدینہ بجنور، یوپی،

ہمارے صوبہ مین ایک کارآمد روزانہ اخبار کی سخت ضرورت تھی، اور سب کو اس ضرورت کا احساس تھا مگر اس کے لئے پیش قدمی سب سے پہلے مدینہ بجنور کے کارکنون نے کی، سہ روزہ مدینہ جس خوبی، کامیابی اور حسن تعاون کے ساتھ اب تک نکلتا رہا ہے، اس سے پوری امید ہے کہ روزانہ مدینہ بھی ملک و ملت کا مفید ارگن ثابت ہوگا، اب تک اوس کے ۱۴ نمبر نظر سے گذرے ہین، ان مین ہر ایک باسلیقہ ترتیب عمدہ معلومات اور دلچسپ مضامین کا حامل ہے، وہ سیاسی آزادی، ملکی ترقی، ہندو مسلم اتحاد کی دعوت کے ساتھ سنجیدگی و متانت کا دامن ہاتھ سے نہین چھوڑتا امید ہو کہ لوگ اس نئے روزانہ اخبار کا پرجوش خیر مقدم کرین گے،

رسائل کے خاص نمبر چند رسالون کے حسب ذیل خاص نمبر ہمین موصول ہوئے،

سالنامۂ نیرنگ خیال :- حجم تقریباً سوا دو سو صفحے، تقطیع کلان، قیمت خاص نمبر ۱۲؍،

پتہ :- دفتر نیرنگ خیال شاہی محلہ، لاہور،

یہ خاص نمبرون کے مبتدع (مخترع نہین؟) نیرنگ خیال لاہور کا سالنامہ ۱۹۳۳ء ہی، مضمون نگارون اور شعرا کی فہرست مین حسب دستور اچھے اچھے اور ممتاز اہل قلم شامل ہین، مضامین مختلف نوعیتون کے ہین، ادبی مقالات مین بیلی کے خطوط پڑھنے کے لائق ہین، افسانون مین "لاش" اور "خزان اور سامن" کو دیکھنے کا موقع ملا، وہ دلچسپ ہین مزاحیہ تحریرون مین "ریل گاڑی" زیادہ پسند آئی، حصہ نظم مین اساتذہ کے کلام کے علاوہ اختر شیرانی کی بعض نظمین خوب ہین، رسالہ مین مختلف مناظر، عمارتون مجسمون اور بعض اہل قلم کی تصویرین شایع ہوئی ہین، دارالمصنفین کے ساکنین کا ایک مرقع بھی ہوسکوکین سے ہاتھ آیا ہی، اور اوس نے بھی اسمین جگہ پائی ہی،

نیرنگ خیال کا اقبال نمبر :- ۴۲۰ صفحے، تقطیع ۲۷×۱۸، قیمت ۱۲؍ پتہ :- دفتر نیرنگ خیال شاہی محلہ لاہور،

نیرنگ خیال کا ایک دوسرا خاص نمبر ڈاکٹر سر اقبال کے نام پر اقبال نمبر زیور حجم کی تقطیع پر شائع ہوا ہے،

جسمین اقبال کی شاعری فلسفہ سوانح حیات اور اون کی تصنیفات پر مختلف اہل قلم کے مضامین ہین، اور مختلف شعرا نے اقبال کی خدمت مین اپنی اپنی عقیدت کا ہدیہ پیش کیا ہے، اگرچہ ہماری نگاہین اقبال نمبر مین "سیاسی اقبال" کے بجائے، صرف شاعر، متکلم وداعی وادیب وفلسفی اقبال پر صرف مضامین ہی دیکھنا چاہتی تھین، تاہم جو کچھ بھی اس نمبر مین جمع کیا گیا ہے وہ اقبال کی تصویر کو ہر پہلو سے مکمل کرتی ہین، رسالہ مین اقبال کی پرانی اور نئی تصویرین، اور اس پرچہ کے بعض مضمون نگارون جامعہ ملیہ کے بعض استادون، اور اقبال کے کلام کی بعض تخیلی تصویرین بھی شائع ہوئی ہین،

پیشوا کا رسول نمبر:۔ حجم ۱۶۰ صفحے، قیمت خاص پرچہ ۸، پتہ:۔ دفتر رسالہ پیشوا، کوچہ چیلان دہلی،

رسالہ پیشوا، دہلی سے جناب سید عزیز حسن صاحب بقائی کی ادارت مین نکل رہا ہے، اس رسالہ کا رسول نمبر ہر سال اہتمام سے ماہ ربیع الاول مین شایع ہوتا ہے، اور ملک کے ممتاز اہل قلم بارگاہ نبوت مین اپنی اپنی عقیدت کا نذرانہ پیش کرتے ہین جنمین سیرت رسول کے مختلف پہلوؤن پر روشنی ڈالی جاتی ہے، جناب سید عزیز حسن صاحب نے زیر تبصرہ رسالہ بھی اسی اہتمام سے شایع کیا ہے، اور یہ خاص نمبر رسالہ پیشوا کے مستقل خریدارون کو کسی مہینہ کا پرچہ ناغہ کئے بغیر اڈیشن کے اوسی معیار سے سالانہ چندہ ہی مین ہدیۃً پیش کیا جاتا ہی،

پیشوا کا قرآن نمبر:۔ ۱۲۰ صفحے، قیمت خاص نمبر ۸، پتہ دفتر رسالہ پیشوا کوچہ چیلان دہلی،

رسالہ پیشوا کا ایک دوسرا خاص نمبر ماہ جنوری ۱۹۳۳ء مین "قرآن نمبر" کے نام سے نکلا ہے، اوس کے تمام مضامین قرآن وعلوم قرآن سے متعلق ہین اور اون مین سے اکثر مضامین حیدر آباد کے ادارہ معارف قرآنیہ کے بعض ارکان نے لکھے ہین، اور نیز ایسے مختلف مضامین بھی یکجا کئے گئے ہین، جو بعض رسالون مین قرآن مجید کے مباحث پر وقتاً فوقتاً شایع ہوتے رہے ہین، رسالہ مین بعض مسجدون کی تصویرین بھی شایع ہوئی ہین،

دین دنیا کا مجاہدین اسلام نمبر:۔ حجم ۸۰ صفحے، قیمت خاص نمبر ۱۲، پتہ:۔ خواجہ بک ڈپو دارالاشاعت دہلی

رسالہ دین ودنیا کا جو جناب شوکت علی صاحب فہمی کی ادارت مین شایع ہوتا ہے مجاہدین اسلام نمبر ستمبر و اکتوبر ۱۹۳۲ء

کے پرچون پر مشتمل ہے، اس رسالہ مین ۱۲ مضامین نظم و نثر مجاہدین اسلام اور اون کے کارنامون سے متعلق ہین اور بقیہ مضامین دوسرے موضوع پر ہین، رسالہ مین چند تصویرین بھی ہین،

ضیاء القریش کا عثمان نمبر:- حجم ۱۱۲ صفحے، قیمت خاص نمبر ۸، پتہ:- دفتر ضیاء القریش حلقہ نمبر ۱، امرتسر،

رسالہ ضیاء القریش، امرتسر سے انجمن قریشیان ہند کی سرپرستی مین نکلتا ہے، اوس نے حضور نظام آصفجاہ سابع کے اسم گرامی پر "عثمان نمبر" شایع کیا ہے، مملکت آصفیہ کی مختصر تاریخ اور عہد حاضر مین حیدرآباد کی مختلف تمدنی و تعلیمی ترقیون پر مختلف اہل قلم کے مضامین ہین، اور اسی نوع کی مختلف نظمین درج ہین، رسالہ مین سلطنت آصفیہ کے مختلف فرمانرواؤن کی تصویرین بھی دیگئی ہین مملکت آصفیہ کی مختصر سرگذشت مین ٹیپو سلطان کا جس لب و لہجہ مین تذکرہ کیا گیا ہے وہ لائق افسوس ہے،

یادگار کا سالگرہ نمبر:- ۲۰۲ صفحے، قیمت خاص نمبر ۸، پتہ:- دفتر رسالہ یادگار بھاٹی دروازہ لاہور

لاہور کے رسالہ یادگار کا سالگرہ نمبر جنوری ۱۹۳۳ء مین شایع ہوا ہے، مضامین زیادہ تر افسانے ہین جنمین سے اکثر محض سطحی ہین، اور بعض تاریخی اور ادبی مضامین بھی ہین، رسالہ مین چند تصویرین بھی ہین، انگلستان کے مشہور شاعر بائرن کی تصویر، مختصر حالات اور اوسکی چند نظمون کے ترجمے بھی شایع ہوئے ہین، اور تیمور لنگ کے خط کا ایک عکس شایع ہوا ہے،

ہمایون کا سالگرہ نمبر (مصور) ۱۵۲ صفحے، قیمت خاص نمبر ۸، پتہ:- دفتر رسالہ ہمایون لاہور،

پنجاب کے سنجیدہ ادبی رسالہ ہمایون کا سالگرہ نمبر بھی ہرسال ماہ جنوری مین نکلتا ہے، امسال مضامین مین زیادہ تر افسانے ہین تاہم مجموعی حیثیت سے یہ اوسط درجہ کا ایک ادبی گلدستہ تیار ہوگیا ہے،

عالمگیر کا خاص نمبر اڈیٹر جناب حافظ محمد عالم صاحب ۲۱۹ صفحے، قیمت خاص نمبر ۸، پتہ دفتر رسالہ عالمگیر بازار سید مٹھا لاہور

عالمگیر کا خاص نمبر بھی ہرسال پابندی سے ماہ جنوری مین نکلتا ہے، مضامین مختلف قسم اور مختلف معیار کے ادبی و تاریخی ہین، افسانے بھی خاصی تعداد مین درج ہین، مختلف مصورون کے موے قلم کی تصویرون سے رسالہ کی زینت مین اضافہ ہوگیا ہے،

سالنامۂ کاروان مرتبہ جناب پروفیسر تاثیر ایم اے، حجم ۲۴۰ صفحے، قیمت ۱۲، پتہ رسالہ کاروان چابک سواران لاہور

رسالون کے سالنامون کی تدریجی ترقیان آخر اپنی انتہا کو پہنچین، اور یہ "سالنامہ" واقعی معنون مین سالنامہ بنکر نکلا یعنی رسالہ "سالنامہ کاروان" سال بھر مین ایک ہی مرتبہ نکلیگا، رسائل کے تبصرہ کی آخری کاپی پریس مین جاچکی ہے کہ اسکا پہلا نمبر ہمین موصول ہوا اور اپنے صوری محاسن اور ظاہری خوشنمائیون سے جاذب نظر معلوم ہوا، اور پھر معنوی حیثیت سے بھی اچھا خاصہ ادبی رسالہ نکلا اس رسالہ کے اجرا کا مقصد ایک بلند پایہ ادبی رسالہ کی اشاعت ہے، جو علم ادب کی خدمت کر سکے، اور اردو دان طبقہ مین فن تصویر کا صحیح مذاق پیدا کرے "جاویدنامہ" "قصہ چہار درویش" اور "جدید ترکی ادبیات" پڑھنے کے لائق مضامین ہین، رسالہ مین بعض مصورون کے شاہکار اور ایرانی خطاطی کی وصلیون کے مرقعے درج ہین نیز مصورون پر مضامین کی اشاعت کا خیال بھی ہے، اوسکی پہلی کڑی استاد کمال الدین بہزاد ہے، ہم نہایت خوشی کے ساتھ اس نووارد مہمان کا خیر مقدم کرتے ہین،

دو نئے رسالے ان رسائل پر لکھنے کے بعد دو نئے رسالے ہمین موصول ہوے "مساوات" پھلواری ٹپنہ، اور "بچون کی دنیا" الہ آباد ہین،

مساوات پھلواری (پٹنہ) (سہ روزہ) حجم ۴۰ صفحے، مقام اشاعت پھلواری شریف ضلع پٹنہ، قیمت سالانہ عہ

مساوات ایک مفید مقصد "یعنی ہندوستان کے تمام کمزور اور غریب مسلم اقوام کی ترجمانی" کیلئے نکلا ہے بعض پرچے دیکھنے مین آئے، مرتب کے نوٹون مین ہندوستان کے عام سیاسی مسائل پر رائے زنی کیجاتی ہے، اور مضامین مین ایسی مسلمان قومون کو اپنے ابھار اور اصلاح و ترقی کی دعوت دینے کی کوشش کی گئی ہے، جو معاشرتی حیثیت سے کہین کہین ابھی تک فرد تر سمجھی جاتی ہین رسالہ کے نگران جناب خانصاحب سردار محمد اسلام صاحب بی اے، رئیس نگمتیا گیا ہین، بہار کی سرزمین اردو صحافت کیلئے شور ہے خدا اسے عمر عطا کرے،

بچون کی دنیا الہ آباد (ماہانہ) اڈیٹر جناب یوی دت سکل، پتہ انڈین پریس الہ آباد حجم ۴۸ صفحے قیمت سالانہ عہ

یہ بچون کا ایک دلفریب خوشنما اور اچھے کاغذ پر اچھی لکھائی چھپائی کا ایک خوبصورت رسالہ ہے، جو کچھ دنون سے جاری ہے مضامین بچون کی استعداد کے مطابق اور معلومات بڑھانے والے ہین، اور کہانیان بھی بچون کے دلپسند اور سبق آموز ہین لیکن افسوس ہے کہ جنوری نمبر کے بعض مضامین ہمین پسند نہین آئے، مثلاً پہلا ہی مضمون جسمین رانا جیتور اور اکبر کی جنگ آزمائی اور اوسکی تصویر دکھائی گئی ہے، یہ حب الوطنی (جس پر اسی رسالہ مین متعدد نظمین ہین) کی کوئی بہتر خدمت نہین، بچون کے معصوم دماغون کو جہانتک ممکن ہو مسموم ہواؤن کے خفیف سے خفیف جھونکون سے بھی بچایا جانا چاہئے، "س"

مطبوعات جدیدہ

الانجم الطوالع:- مرتبہ مولوی ابو الطیب محمد یعقوب بخش صاحب راغب بدایونی، ۵۸ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت باعتبار کاغذ وجلد عہ/ ۱۲ مرتب سے محلہ سوتھ کوٹی بدایون کے پتہ سے طلب کریں،

الانجم الطوالع قدیم علم ہیئت میں ایک رسالہ ہے جسمین یونانی ہیئت دان ابقلاوس کے مشہور و نایاب قیمتی رسالہ کتاب المطالع کا عکس شائع کیا گیا ہے، کتاب المطالع کے اس نسخہ کو علامہ قطب الدین شیرازی نے ۱۲۰۰ھ مین محقق طوسی کے ۶۵۳ھ کے مسودہ سے نقل کیا تھا، مرتب نے اس قلمی نسخہ کو چھاپ کر اسلامی علم ہیئت کی ایک مفید خدمت انجام دی ہے، رسالہ کی ابتدا مین ۴۳ صفحون کا ایک قیمتی مقدمہ اردو مین ہے جسمین اسلامی علم ہیئت کی مختصر سرگذشت، مسلمان علمائے ہیئت کا سرسری تعارف اور اون کے علمی کارنامے اور پھر محقق طوسی کے مختصر حالات اور اون کے علم ہیئت کے خدمات کو جامعیت سے بیان کیا گیا ہے، رسالہ کے آخر مین کتاب المطالع کے عکس کا صاف فارسی خط مین عربی متن اور کتاب المطالع کا اردو ترجمہ بھی منسلک ہے، مرتب کے پاس محقق طوسی کے چند دیگر قلمی رسائل بھی محفوظ ہین جنھین وہ شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہین،

السہم المصیب فی الرد علی الخطیب (عربی) تالیف سلطان ابو بکر بن ایوب ۲۰۶ صفحے ناشر کتب خانہ اعزاز دیوبند سہارنپور،

خطیب بغدادی نے اپنی مشہور کتاب تاریخ بغداد مین حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے حالات بھی لکھے ہین جنمین اونکی مدح اور جرح دونون کے حصے ہین، کچھ دن گذرے کہ کسی صاحب نے تاریخ بغداد کے حصہ جرح کو مع اردو ترجمہ کے شائع کیا تھا، ہمین جب وہ کتاب موصول ہوئی تھی، تو ہم نے اوسی وقت خدمت علم کے اس نازیبا طریقہ سے اختلاف کیا تھا،

اور اس خطرہ کو پیش کیا تھا کہ اس کے جواب میں عربی کی قدیم قلمی کتابوں کے اور دوسرے اوراق بھی شائع ہو سکتے ہیں عجب اتفاق کہ یہ شبہہ صحیح نکلا چنانچہ زیر تبصرہ رسالہ اوسی اردو ترجمہ کی اشاعت کے باعث شائع کیا گیا ہے، اس رسالہ کو سلطان ابوبکر بن ایوب نے اوسی حصہ جرح کے جواب میں ۶۰۶ھ میں تالیف کیا تھا اس کا قلمی نسخہ مکہ معظمہ کے کتب خانہ میں محفوظ تھا، جن لوگون نے خطیب بغدادی والے رسالہ کو دیکھا ہے، وہ اسکو بھی طلب کر کے پڑھ سکتے ہیں طرز جواب اگرچہ الجھا ہوا ہے، تاہم مفید ہے،

تاریخ ادبیات ایران مترجمہ جناب سید سجاد حسین صاحب ایم اے، مددگار پروفیسر اردو جامعہ عثمانیہ

حجم ۵۶۴ صفحے چھپائی ٹائپ میں قیمت مجلد للعمر، غیر مجلد للعہ ربیتہ ۔ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن،

پروفیسر براؤن کی مشہور تصنیف "تاریخ ادبیات ایران" اردو دان طبقہ میں مدت سے روشناس ہے، اوس کے اردو ترجمہ کا بیڑا ایک زمانہ گذرا، انجمن ترقی اردو نے اوٹھایا تھا، مسرت ہے کہ کارکنانِ انجمن کا ارادہ عملی صورت میں اب تکمیل کو پہنچا، اور اوسکی پہلی جلد مطبع سے نکل آئی ہے، ابتدا میں پروفیسر براؤن کے وہ خطوط جو اس کے اردو ترجمہ سے متعلق ہیں، منسلک ہیں،

دین و دولت، از جناب مولوی سید محمود علی صاحب پروفیسر اندھیر کالج کپور تھلہ، ناشر انجمن حمایت اسلام لاہور، ۲۷۰ صفحے، قیمت عہ

"دین و دولت" متکلمانہ رنگ کی ایک تالیف ہے، جسمیں تاریخ کے واقعات و شواہد سے دکھایا گیا ہے کہ مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب کیا رہے، اور کیا ہیں اور اسلامی تعلیم پر عمل پیرا ہونے سے فلاح و سعادت کی کیسی راہیں اون پر کھل چکی ہیں، اور ایسے کون سے وسائل ہیں جن سے مسلمان اب بھی فوز و فلاح پا سکتے ہیں، کتاب غور و فکر سے لکھی گئی ہے، لیکن یا تو دقتِ مباحث کے باعث اور یا اسلوبِ بیان میں مباحث و مقصود و مدعا کے پھیل جانے سے کتاب کو دقتِ نظر سے پڑھنے کی ضرورت ہوگی،

معجزاتِ اسلام: مصنفہ جناب قاضی ظہور الحسن صاحب سیوہاروی، ۱۰۰ صفحے قیمت ۸ مصنف سے بتوسط

مولوی فیض الدین صاحب ایڈوکیٹ محلہ عابد شاہ حیدرآباد دکن کے پتہ سے مل سکتی ہے،

معجزاتِ اسلام میں اسلام اور پیغمبر اسلام (صلعم) کے متعلق ایسی پیشینگوئیاں درج کی گئی ہیں، جو مصنف کی تحقیق کے روسے مختلف مذاہب یہودی، عیسائیت، بدھ مت، زرتشت اور ہندو دھرم کی مذہبی کتابوں میں پائی جاتی ہیں اور نیز ان مذاہب کی ان کتابوں پر بھی تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے، کتاب محنت سے لکھی گئی ہے، اور مطالعہ کے قابل ہے، اگرچہ لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت ناقص ہے،

رسول کریم:۔ از مولوی محمد حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی، ناشر مجلس علمی، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، سورت، ۲۰۰ صفحے،

"رسول کریم" مدارس کے متوسط استعداد کے طلبہ کے لئے عربی کی دو دوسری کتابوں دروس التاریخ محی الدین خیاط، اور نور الیقین، خضری وبعض دیگر کتب سیرت سے مرتب ہوئی ہے، کتاب کی ترتیب وتبویب اچھی، طرز بیان صاف اور سلجھا ہوا، اور زبان سادہ اور سلیس ہے اور مدرسوں کے درجوں میں پڑھائے جانے کے لائق ہے،

مومن وغالب:۔ از جناب حکیم سید اعجاز احمد صاحب معجز ہسوانی ناشر دائرہ ادبیہ فیض آباد حجم چھوٹی تقطیع کے ۹۴ صفحے لکھائی چھپائی ناقص قیمت ۸؍

"مومن وغالب" میں اردو کے ان دونوں شعراء کا ایک دوسرے سے موازنہ کر کے غالب پر مومن کو ترجیح دی گئی ہے، اور ناقد نے بتایا ہے کہ مرزا غالب کا اصل سرمایۂ ناز ان کی فارسی شاعری ہے، اور اسی لحاظ سے وہ صاحب کمال سمجھے جاتے تھے، ابتدا میں جناب شاکر حسین صاحب نکہت کا مختصر مقدمہ ہے جس میں مرزا غالب پر سخت لب ولہجہ میں تنقید ہے،

محنت:۔ از جناب محمد عبد الغفار صاحب مدھولی، ناشر مکتبہ جامعہ ملیہ، دہلی حجم چھوٹی تقطیع کے ۴۸ صفحے، قیمت ۴؍

یہ ایک سبق آموز ڈرامہ ہے، جو بچوں کے لئے لکھا گیا ہے، اور دکھایا گیا ہے، کہ انسان محنت ہی سے روٹی کما سکتا ہے،

"م"

جلد ۳۱	ماہ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۳۳ء	عدد ۳

مضامین

آج دنیا مین ہر طرف ترقی ترقی کی پکار ہے، مسلمان بھی ہر ملک مین اسی کی رٹ لگا رہے ہین، جہانتک لفظ کا تعلق ہے کسی کو اس سے اختلاف نہین، لیکن جب اس کے معنی کی توضیح چاہی جاتی ہو تو دفعتہً ہر طرف سے ذہنی بغاوتون کا مظاہرہ شروع ہو جاتا ہو، کوئی صاحب اس سے یورپین طرز تمدن وطرز معاشرت مراد لیتے ہین، کوئی فرد اس سے دولت و تمول کا مفہوم سمجھتا ہے، کوئی نئی تعلیم اور ڈگریون کی کثرت کو اسکا مرادف جانتا ہو، کوئی سیاسی سرگرمیون کو تنہا ترقی لکھکر پکارتا ہے، کوئی اس سے صنعت و حرفت و تجارت کی طرف اشارہ کرتا ہے، کوئی "پرانے خیال کا آدمی" اس سے قرونِ اولیٰ جیسی اخلاقی و روحانی حالت و کیفیت کی تعبیر کرنا چاہتا ہے، اور بہت سے نوجوانون کے نزدیک مستورات کی عریانی، اور ڈنر کے بعد محفلِ رقص و سرود کا تماشا اور یورپین تہذیب کے دیگر معائب کے مجموعہ کا نام ترقی ہے، غرض،

شد پریشان خواب من از کثرتِ تعبیرہا

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ترقی صرف اُس روح کا نام ہے جو قومون کو زندہ کرکے اُن کے ہر رگ و ریشہ مین جدّ و جہد اور سعی وعمل کی تڑپ پیدا کر دیتی ہے، وہ تمام قوم مین کسی متفقہ غرض کے حصول کی خاطر ہر قسم کی تکلیف و مشقت کی برداشت کی قوت پیدا کرتی ہے، ترقی کسی خاص مادّی مظہر کا نام نہین، بلکہ یہ وہ بجلی ہے کہ جب کسی قوم کے افراد مین کوند جاتی ہے، تو ہر ایک کے دست و بازو مین اپنے فرائض کے بجالانے کی استعداد پیدا کر دیتی ہے، اور قوم کے تمام قویٰ کو اپنے نشو و نما اور تکمیل کے لیے بیدار بنا دیتی ہے، اور پوری قوم اپنے افراد کی مختلف استعدادون اور قوتون کی مجموعی کوششون سے زندگی اور عمل کے نئے قالب مین ڈھل جاتی ہے،

کسی کارخانہ مین ہم کوئی عظیم الشان انجن دیکھتے ہین، جسکا ہر پرزہ اپنی اپنی جگہ مختلف ضروری کام انجام دیرہا ہو، دفعتہً وہ انجن بگڑ جاتا ہو، اب اناڑیون کا ایک گروہ اسکی مرمت اور اصلاح کے درپے ہے، کسی نے ایک پرزہ کو کھینچا، کسی نے

دوسرے پرزہ کو صاف کیا، کوئی کیس کا تسمہ پکڑ کر کھینچتا ہے، کوئی کسی اور پرزہ کو بے قاعدہ حرکت دیدینا چاہتا ہے، اور ہر ایک اپنے کام کو اپنی اصطلاح مین اصلاح و مرمت کہتا ہے، مگر کیا یہ بگڑا ہوا انجن اپنی اصلی قوت اور طاقت کے خزانہ کے بغیر صرف ظاہری چمک دمک، اور کھینچ کھانچ سے چل سکتا ہو؟

ہماری قومی ترقی کا بھی یہی حال ہے، دنیا مین یہودیون نے، اور ہندوستان مین پارسیون نے یورپین تہذیب و تمدن کے ہر اچھے برے نمونہ کا چربہ اتارا، اور آج جو کچھ ہمارے نوجوان چاہتے ہین، وہ سب کچھ انکے مردون اور عورتون نے انجام دیا، مگر کیا "ترقی" کے بلند آشیانہ ہما کو وہ ان تدبیرون سے اپنے جال مین پھنسا سکے؟ وہ اب بھی وہی ہین جو پہلے تھے، دوستو! مظاہر کا نام ترقی نہین، ان مظاہر کے اصل روح و مصدر کا نام ترقی ہے، اب بتایئے کہ مسلمان قوم کی روح و مصدر کونسی قوت بن سکتی ہے؟ اسی کے جواب سے یہ لا ینحل معا حل ہوسکتا ہے،

ہر قوم کی تخلیق خاص قسم کے "معنویات" سے ہوئی ہے، غور کرنا چاہیے کہ مسلمان قوم کے معنویات کیا ہین، کیا بھارت ماتا کی محبت، کیا گائے کی تقدیس، کیا دولت کی چاہ، کیا جمشید و فریدون، اور رام و کرشن کی عقیدت، کیا گنگا اور جمنا اور نیل و فرات کی پرستش، نہین ان مین سے کوئی چیز نہین، بلکہ اُن سے مافوق، ایک واحد اعلیٰ برتر مقدس قادر علی الاطلاق ہستی کی عقیدت، اور ایک عالمگیر انسانی برادری کی مساوات، اور اس تعلیم کے تمام معلمین اور خصوصاً آخری معلم علیہم الصلوٰۃ کی محبت، اور انکی تعلیم پر عمل کا جذبہ اسلامی قوم کے معنویات ہین، اور انھین کا جوش و خروش ہمارے انجن کی اصلی طاقت اور قوت ہے، اب اگر ہم اسکو چھوڑ کر کسی اور طاقت سے زندگی پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہتے ہین، تو ضرور ہے کہ پہلے ان معنویات کو مٹا کر کوئی اور مقصد حیات اس کے سامنے رکھین، اور اس کو کسی اور قوم کے قالب مین بدل دین،

ہم نے حیرت کیساتھ سنا کہ مسلمان لڑکیون کے واحد کالج (علی گڈہ) مین "قاضی جونپور" کا ڈراما کھیلا گیا، شکایت اسکی نہین ہے کہ ڈراما کیون کھیلا گیا، یہ تو ایک جزئی بات ہے، اصل شکایت جسکی ہے وہ یہ ہے کہ ہم مسلمان لڑکیون کے سامنے کس زندگی کو نمونہ بنا کر پیش کرتے ہین، اور کیا بننے کی ان کو ترغیب دے رہے ہین، اگر ہماری لڑکیان بہترین ایکٹرس، بہترین نے نواز اور بہترین موسیقی دان بنجائین تو آیا ہم نے تمدن کے محاسن کی نقالی کی، یا اس کے معائب کی، عیش و تماشا اور سرور و شادمانی

ترقی کی علامت نہین، انحطاط کی ہے آپ اسلامی ہی تاریخ کی مثال دین، ہندوستان کے اسلامی دور ترقی مین تغلق و خلجی اور بابر و ہمایون کے عہد مین یہ منظر آپ کو نظر آتا ہے، یا محمد شاہ رنگیلے، اور واجد علیشاہ جانعالم، اور عبد اللہ تاناشاہ کے درباروں مین یہ تماشے دکھائی دیتے ہین، پھر آپ کیا بننا چاہتے ہین، اور کیا بنانا چاہتے ہین، جو ہاتھ ابھی تیغ و تبر، اور تیر و تفنگ کے عادی نہین ہوئے انکو رباب و بربط، اور ستار اور پیانو کا عادی بنانا، قوم کو موت و ہلاکت کا زہر ہلاہل پلانا ہے، کسی دشوار گذار سفر کے طے کئے بغیر بستر راحت پر آرام کی کوشش کرنا "گناہ بے لذت" کا ارتکاب ہے،

آیندہ معارف مین ایک نہایت اہم، دلچسپ اور مفید مضمون استاذ العلما رشائع ہوگا، اور جو ملک کے نامور ادیب و مصنف و صاحب قلم نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خان شروانی کے زور قلم کا نتیجہ ہے، کہنے کو تو یہ اس صدی کے ایک فاضل و نامور عالم (مولانا مفتی لطف اللہ صاحب مرحوم) کے سوانح حیات ہین جنکی زندگی سے نصف صدی تک ہندوستان مین علم و فن کی گرم بازاری رہی، لیکن درحقیقت یہ ہماری پچھلی علمی و تعلیمی زندگی کا ایک صاف و شفاف آئینہ ہے جسمین ہماری گذشتہ علمی تہذیب اور تعلیمی کیفیت کی ہر تصویر پوری صفائی کیساتھ نظر آئیگی، اور معلوم ہوگا کہ ہمارے عہد گذشتہ مین کیونکر ایک واحد شخصیت پوری یونیورسٹی کا کام دیتی تھی،

ہمارے صوبہ مین بلکہ پورے ہندوستان مین ریاست رامپور کا شاہی کتب خانہ اپنے نوادر کی کثرت، اور قلمی کتابون کی فراوانی کے لحاظ سے بہت بڑی تاریخی دولت ہے، پچھلے سال اسکے لائق و امین ناظم حافظ احمد علی خانصاحب شوق کے پنشن لے لینے سے باہر کے لوگون کو کتبخانہ کے لائق نگران کار کی علحدگی کا افسوس تھا، مگر اب یہ دیکھکر بے انتہا مسرت ہوتی ہے کہ خود حضور نواب صاحب رامپور کو اپنے تاج ریاست کے اس قیمتی ہیرے کا بیحد خیال ہے، بعض لائق نگرانون کا انتخاب ہوا ہے، کتبخانہ کی جگہ تنگ تھی، اب سرکار عالی نے اس کے لئے ایک نہایت عالیشان محل عطا فرمایا ہے، اور حکم دیا ہے کہ کتبخانہ کے شایان شان فرنیچر، الماریلن اور سامان فراہم کئے جائین مولوی سید ابو محمد صاحب ریونیو منسٹر جو خود صاحب علم ہین، وہ کتبخانہ کے افسر اعلیٰ منتخب ہوئے ہین، اور سنا ہے کہ موصوف کتبخانہ کی ترقی مین پوری دلچسپی لیتے ہین، چنانچہ کتبخانہ کی عربی کتابون کی ایک دستی فہرست (ہینڈ لسٹ) تیار کرنے کا حکم انھون نے دیا ہے، واقعی اس کتبخانہ کے لیے اب تک یہ بڑی کمی ہے کہ اس کا جدید طریق کا کٹیلاگ اب تک مرتب نہین کیا جا سکا ہے، امید ہے کہ ادھر بھی توجہ مبذول ہوگی،

مقالات

ترجمان القرآن

اور

"نجات و سعادت کی راہ"

از

سید ریاست علی ندوی،

آج سے ربع صدی پیشتر مولانا شبلی مرحوم نے جدید علم کلام کی تدوین کی ضرورت محسوس فرمائی، اور متکلمانہ مسائل کو جدید علوم اور ذہن انسانی کے نئے افکار سے مطابقت دیکر دو جلدون مین پیش کیا، لیکن زمانہ روز بروز ترقی کرتا جاتا ہے، مباحث کے محور بدلتے جاتے ہین، اور اسی لحاظ سے مسلمانون کے افکار و خیالات بھی نئے قالب اختیار کرتے جاتے ہین،

جس زمانہ مین مولینا شبلی نے الکلام لکھی اوس عہد مین متکلمانہ مسائل پر جو شکوک و شبہات پیدا کئے جاتے تھے، وہ مسلمانون کے حلقے کے بجائے غیر مسلمون کے دائرہ سے اوٹھتے تھے، مسلمانون کے درمیان جو مسائل و مباحث دائر تھے، وہ فقہ کے مختلف مسائل رفع یدین، قرأۃ خلف الامام، اور ما اُھل لغیر اللہ بہ کی تفسیر و تحقیق تھے، اور اگر متکلمانہ مسائل تھے، تو وہ بھی اسلامی علم کلام ہی سے پیدا شدہ مسائل: رؤیت باری تعالیٰ، امکان کذب باری تعالیٰ، اور علم غیب باری تعالیٰ وغیرہ پر مباحث ہوتے تھے، لیکن رفتہ رفتہ ربع صدی مین جدید تعلیم اور روشنی سے ان مسائل کی جگہ دوسرے مسائل نے لے لی، مثلاً اب یہ مسائل پیدا ہو گئے ہین کیا ایک فاسق و فاجر مسلم سے ایک نیکوکار غیر مسلم بہتر نہین، کیا نجات کے لئے عمل شرط ہے، کیا نجات منحصر ہے صرف دین اسلام کے متبعین کے لئے، احادیث نبوی، اوامر و منہیات شرعیہ کے ثبوت مین دخیل ہین؟ قرآن مین نمازون کا بیان کس طرح ہے؟ کیا روزون کا مہینہ بھر رکھنا ضروری ہے، وغیرہ

موجودہ دور کے یہی مسائل ہیں جنہیں ہم بعض افکار کی جھلک ایک مخلص سائل کو مولانا ابوالکلام آزاد کی "ترجمان القرآن" میں بھی نظر آئی، اور اونھوں نے مستفسرانہ حیثیت سے اپنے اعتراضات قلمبند کرکے ہمارے پاس بھیجے، جو جنوری ۳۳ء کے معارف میں پیش کئے جاچکے ہیں، لیکن جیسا کہ اوسی میں اشارہ کردیا گیا تھا کہ سائل کے شکوک کسی قدر غلط فہمیوں پر بھی مبنی ہیں، تاہم یہ بھی حقیقت ہو کہ ترجمان القرآن میں بعض مقامات پر مباحث کی تشنگی باقی رہ گئی ہے، اور یا تو مصنف کو جو کچھ کہنا منظور تھا، اوسکو اجمال و تلمیحات کے پردہ میں اسقدر چھپایا کہ حقیقت مستور ہوگئی، یا محض اسلوب بیان کے اجمال نے شکوک و شبہات کی گنجائش باقی رکھی، لیکن یہ مسائل ایسے نہیں جو نظر انداز کردئے جائیں، اسلئے مناسب ہے کہ ان پر صفائی سے گفتگو کرلیجائے، کہ ابھی ترجمان القرآن کی دوسری جلد زیر ترتیب ہو مصنف کو ان مسائل پر دوبارہ غور کرنے یا اجمال کو تفصیل اور ابہام کو تصریح سے بدلدینے کا موقع ملجائے،

سائل نے اپنے مقالہ میں دو مشکلیں پیش کی ہیں،

۱۔ یہ کہ مصنف نے خدا کی ہستی کے اعتقاد کو فطرت انسانی کا ایک وجدانی احساس، اور انبیائے کرام کی تعلیمات کو نوع انسانی کے تدریجی سلسلۂ ارتقاء کی کڑیاں بتایا ہو، کہ جیسے جیسے ذہن انسانی ترقی کرتا گیا، الوہیت کے تصور میں بھی بتدریج ترقی ہوتی گئی،

۲۔ دوسری یہ کہ مصنف کے نزدیک تمام مذاہب اپنے اپنے طریقے پر سچے ہیں، اور اصل دین "خدا پرستی" اور "نیک عملی" کی تلقین ہے، اور شرائع و منہاج کے اختلاف پر جو گروہ بندیاں ہوگئی ہیں، وہ اس تعلیم کے منافی ہیں، اسلام نام ہے محض اوس عقیدہ کو قبول کرلینے کا،

موخر الذکر مسئلہ سے دو مسئلے اور پیدا ہوئے جو نتیجۃً ایک ہی ہیں،

الف - اوس "اسلام" پر ایمان لانا ضروری نہیں، جسے عرف عام میں "دین محمدی" کہتے ہیں، یعنی کہ اصل دین میں رسالت محمدی کا اقرار ضروری نہیں،

ب - جو بھی "خدا پرست" اور "نیک عمل" ہے، وہ ہر طرح نجات پائے گا، خواہ وہ رسالت محمدی کا اقرار کرے یا نہ کرے اور عام ازیں کہ وہ اسلامی عبادات و مباحات و منہیات شرعیہ کا پابند ہو یا نہ ہو،

(ا)

ہمارے خیال مین ترجمان القرآن مین انبیاء کی تعلیم مین جو تدریجی ترقی بتائی گئی ہے، وہ توحید ربانی کی تعلیم مین نہین بلکہ وحدتِ الٰہی کی تعلیم کے بعد صفاتِ الٰہی کی تعلیم مین ہے، سائل نے اس موقع پر جو تین آیتین لقد بعثنا فی کل امۃ رسولا الآیۃ، وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ، الآیہ، اور انا اوحینا الیک کما اوحینا، الآیۃ اپنے شبہہ کی تائید مین پیش کی ہین، اون مین سے آخری آیت کا تعلق نہ توحیدِ الٰہی سے ہے! اور نہ صفاتِ الٰہیہ سے، بلکہ اوس کا تعلق محض وحی و نبوت کے ثبوت سے ہے، اور باقی پہلی دونون مین توحیدِ الٰہی کی تعلیم ہے، اور یہی کہا گیا ہے کہ تمام رسولون اور نبیون اور آنحضرت صلعم کی طرف بھی یہی پیغام ربانی آیا کیا کہ پرستش کے قابل ایک ہی ذات واحد ہے جس کا نام اللہ ہے،

لیکن توحیدِ الٰہی اور چیز ہے، اور اوس ذات واحد یعنی اللہ کا تصور دوسری چیز ہے، مسلمان اپنے متکلمانہ عقائد کے لحاظ سے بہ کثرت فرقون مین تقسیم ہین، ان تمام فرقون مین توحیدِ الٰہی سب کا بنیادی عقیدہ ہے، مگر ذاتِ باری کے تصور اور صفاتِ الٰہیہ مین اون کے مختلف نظریے پیدا ہوئے، اس لئے اگر توحیدِ الٰہی کا ثبوت وعدم، صفاتِ الٰہیہ پر رکھا جائے تو اسلام کے مختلف فرقون نے صفاتِ الٰہیہ کی تعبیر مین جو مختلف راہین اختیار کی ہین، اونھین کیا کہا جائے گا، "خداپرستی" اور "توحید" بالکل ایک چیز نہین ہین، ہر "موحّد" کا خداپرست ہونا ضرور ہے لیکن ہر خداپرست کا "موحّد" ہونا لازم نہین،

اسی لئے فطرتِ انسانی مین ذاتِ خدا کے تصور کے وجدانی احساس کے باوجود مذہب کی ضرورت باقی رہجاتی ہے، کہ انسانی فطرت مافوق الفطرت ہستی کو از خود تسلیم کرتی آئی ہے لیکن مذہب کا کام یہ رہا ہے، کہ اوس مافوق الفطرت ہستی کو یگانہ و بے ہمتا بتائے اور بہت سی ہستیون کا اعتقاد رکھنے کے بجائے صرف ایک ہی ہستی کی ضرورت جتلائے، ترجمان القرآن کی ذیل کی عبارتین وہ ہین، جن سے اس مفہوم کی تصدیق ہوتی ہے، ص ۱۱۱ مین ہے:-

"قرآن سے پہلے فکرِ انسانی کی استعداد اس درجہ بلند نہین ہوئی تھی، کہ توحید فی الصفات کی نزاکتون اور بلند شئون کی متحمل ہوسکتی اسلئے مذاہب نے تمام تر زور تعلیم فی الذات ہی پر دیا، توحید فی الصفات اپنی ابتدائی اور سادہ حالت مین چھوڑ دی"

اسی طرح ایک موقع پر ہے:-

پچھلے دوروں میں نوعِ انسانی کی ذہنی استعداد اس درجہ شایستہ نہیں ہوئی تھی، کہ تمثیلوں کے بغیر حقیقت کا تصور پیدا کر سکتی، لامحالہ پیرایۂ تعلیم بھی تمام تر تشبیہہ و مجاز پر مبنی ہوتا تھا، لیکن جب تعلیم اپنے درجۂ کمال تک پہنچ گئی، تو تمثیلوں کی ضرورت باقی نہ رہی، ضروری ہوگیا کہ اب حقیقت براہِ راست اپنا جلوہ دکھلا دے "(ص ۱۳۱)

(۲)

دوسرا مسئلہ یقیناً نہایت اہم ہے، اور اس میں ایک حد تک مصنف پر بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، مصنف نے "خداپرستی" اور "نیک عملی" پر ایک طویل بحث کی ہے، اور بار بار یہی دکھایا ہے کہ اسلام نے تحزب و تشیع اور گروہ بندی سے روکا، انبیا و رسل میں بعض کو ماننے اور بعض کے انکار کرنے سے باز رکھا، اور بلا تفریق قوم و ملک سب کو ایک ہی عقیدہ کے قبول کرنے کی دعوت دی یہی وہ عقیدہ ہے، جو ازل سے انسانوں کے سامنے پیش ہوتا رہا، اور اسی کی تعلیم تمام مذاہب میں دی گئی،

بلا شبہہ اسلام یعنی دینِ محمدی کی اصل حقیقت اور نبوتِ محمدی کی اصل دعوت، اس کے سوا کچھ نہیں، اور یہی اوسکا منشا رہا کہ خداپرستی سارے عالم میں پھیل جائے اور ساری انسانی آبادی نیک عملیوں سے معمور ہو جائے اور دنیا کے تمام رسولوں اور پیغمبروں کو سچا اور راست باز تسلیم کیا جائے،

لیکن اسلام کی اس تعلیم کو بظاہر دو مختلف نقطہ ہائے نظر سے پیش کیا جا سکتا ہے،

اولاً یہ کہ اسلام یہود و نصاریٰ سے خطاب کرنے کے علاوہ کہ تحزب و تشیع سے کنارہ کش ہو کر دینِ فطرت یعنی دینِ حنیف و ملتِ ابراہیم کے سامنے آکر جھک جاؤ، اپنے متبعین کو بھی یہ گوش گذار کر دیتا ہے کہ اس راہ میں نسل و قومیت اور فلاں ابن فلاں کی شنوائی نہیں، ایمان و عمل کا ذخیرہ ساتھ لاؤ، نجات و سعادت کے دروازے کھلے پاؤ گے،

دوسرا نقطۂ نظر اس روش سے جداگانہ ہے، اور وہ محض مذاہب کے خلاف پھیلائے ہوئے غلط پروپگنڈے سے دامن بچانے کیلئے ہے، یعنی کہ اسلام کو گروہ بندیوں سے کوئی علاقہ نہیں، وہ تمام مذاہب کی سچائیوں کا ماننے والا ہے، (اوران سچائیوں سے اصل مقصود تو وہ ہوں جنھیں موجودہ مذاہب نے کھو دیا ہے، مگر ان کا اطلاق مذاہب کی موجودہ گمراہیوں پر بھی ہونے دیا جائے اور اس غلط اطلاق کی جانب سے چشم پوشی کر لیجائے،) اور ہر صحیح العقیدہ انسان پر فلاح و سعادت کا دروازہ کھولنے والا ہے، خواہ

انسان جس طریق اور جس مذہب کا پابند ہو جس طور پر عبادت کرتا ہو جن مباحات سے بے پروا اور جن منہیات سے ملوث ہو یہ محض سُبل و طرق کا اختلاف ہے، نجات کے لئے یہ محض بس ہو، کہ وہ خدائے واحد کا عقیدہ رکھتا ہے، اور انسانی آبادیوں میں ایک رواداراور اخلاقی محاسن سے ایک متصف انسان ہے،

یہ اتفاقی بات ہے کہ سائل کی ترجمان القرآن کے مطالعہ سے اسی دوسرے مفہوم کی طرف رہنمائی ہوئی، لیکن ہم نے ترجمان القرآن دیکھی، ہمیں بظاہر اس میں وہی پہلا نقطۂ نظر زیادہ نمایاں نظر آیا، تاہم ہم سائل کو بھی اس دوسرے مفہوم کے سمجھنے میں مورد الزام نہیں قرار دے سکتے کہ اسکی کچھ نہ کچھ ذمہ داری مصنف کے طرز بیان پر بھی عاید ہوتی ہے، بہرحال پہلے ہمیں ترجمان القرآن کی عبارتوں سے یہی دیکھنا ہے، کہ مصنف کا اصل مقصود بظاہر کیا نظر آتا ہے،

اس سلسلۂ بحث میں سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ جب مصنف نے نجات و سعادت کو خدا پرستی اور نیک عملی پر موقوف کیا ہے تو اس کے نزدیک نفس "خدا پرستی" اور نیک عملی کیا ہے، چنانچہ ترجمان القرآن میں ایک موقع پر خدا پرستی اور نیک عملی کو قرآن مجید کی ذیل کی ایک آیت سے باین طور سمجھایا گیا ہے، :-

"پھر اسی سورہ میں آگے چل کر صاف صاف لفظوں میں واضح کر دیا ہے، کہ اصل دین کیا ہے اور کن باتوں سے ایک انسان دین کی سعادت و فلاح حاصل کر سکتا ہو، وہ کہتا ہے دین محض اس طرح کی باتوں میں نہیں دھرا ہے، کہ ایک شخص نے عبادت کے وقت پچھم کی طرف منہ کر لیا یا پورب کی طرف، اصل دین تو یہ ہے کہ دیکھا جائے خدا پرستی اور نیک عملی کے لحاظ سے ایک انسان کا کیا حال ہے، پھر تفصیل سے بتلایا ہو، کہ خدا پرستی اور نیک عملی کی اصلی باتین کیا کیا ہیں"

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب . ولکن البر من آمن باللہ والیوم الآخر والملٰئکۃ والکتٰب والنبیّن . واتی المال علیٰ حبہ ذوالقربیٰ	اور (دیکھو) نیکی یہ نہیں کہ تم نے (عبادت کے وقت) اپنا منہ پورب کی طرف اور پچھم کی طرف کر لیا (یا اسی طرح کی کوئی دوسری بات ظاہری رسم اور ڈھنگ کی کر لی)؛ نیکی کی راہ تو اسکی راہ ہے، جو اللہ پر آخرت کے دن پر

والیتٰمی والمسٰکین وابن السبیل والسائلین	ملائکہ پر، اللہ کی تمام کتابوں اور نبیوں پر ایمان لاتا ہو،
وفی الرقاب. واقام الصلوٰۃ واتی	اپنا مال محبوب رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور
الزکوٰۃ. والموفون بعھدھم اذا	سائلوں کی راہ میں اور غلاموں کے آزاد کرنے میں خرچ
عاھدوا والصٰبرین فی الباساء	کرتا ہے، نماز قائم کرتا ہے، زکوٰۃ ادا کرتا ہے، قول وقرار
وحین الباس اولٰئک الذین صدقوا	کا پکا ہوتا ہے، تنگی اور مصیبت کی گھڑی ہو یا خوف وہراس کا
واولٰئک ھم المتقون (۲: ۱۷۷)	وقت، ہر حال میں صابر اور ثابت قدم رہتا ہے، (سو یاد رکھو)
	ایسے ہی لوگ ہیں جو (اپنی دینداری میں) سچے ہیں اور یہی
	ہیں جو برائیوں سے بچنے والے انسان ہیں،

"جس کتاب پر تیرہ سو برس سے یہ آیت موجود ہے، اگر دنیا اوسکی دعوت کا مقصد اصلی نہیں سمجھ سکتی، تو پھر کونسی بات ہے جسے دنیا سمجھ سکتی ہے،، (ص ۱۳۵، ۱۳۶)

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے، کہ مصنف کے نزدیک دین کی اصل حقیقت کیا ہے یعنی خدا پرستی و نیک عملی میں اللہ، آخرت، ملائکہ، کتب اور انبیاء پر ایمان لانا، نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا اور دوسرے نیک کام کرنا ضروری ہیں اس لئے سائل کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ مصنف ترجمان القرآن کے نزدیک نجات کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ

"ایمان کو کسی خاص شرط سے مقید کیا جائے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملائکہ، کتب الٰہی، انبیائے کرام اور آخرت پر بھی اسی شکل میں ایمان لایا جائے، جس شکل میں قرآن نے پیش کیا ہے اور نبی اکرم نے کرکے دکھایا"

اس لئے ہمارے خیال میں ترجمان القرآن میں تحزب و تشیع اور گروہ بندی کے خلاف اس لئے آواز اوٹھائی گئی ہے کہ اون لوگوں کو چونکایا جائے جو عمل کی پاداش سے بے خوف ہو کر محض گروہ بندی اور ایک مذہب میں محض داخل ہو جانے پر تکیہ کرکے نڈر ہو گئے ہیں، یہ حقیقت کتاب مذکور کی ذیل کی عبارت سے واضح ہوتی ہے:-

یعنی دین سے مقصود تو خدا پرستی اور نیک عملی کی راہ تھی (جسکی تفصیل اوپر گذر چکی) وہ کسی خاص حلقہ بندی کا نام نہ تھا کوئی

انسان ہو کسی نسل و قوم سے ہو، کسی نام سے پکارا جاتا ہو، لیکن اگر خدا پرست اور نیک عمل ہے تو دین الٰہی پر چلنے والا ہے، اور اور اس کے لئے نجات ہے، لیکن یہودیون اور عیسائیون نے ایک خاص طرح کی نسلی اور جماعتی گروہ بندی کا قانون بنا دیا...... جو اس مین داخل ہے صرف وہی سچائی پر ہے، اور صرف اوسی کے لئے نجات ہے، جو اس سے باہر ہے، اس کا سچائی مین کوئی حصہ نہین اور نجات سے قطعاً محروم ہے، باقی رہا عمل تو اس کا قانون یک قلم غیر مؤثر ہوگیا ہے، ایک شخص کتنا ہی خدا پرست اور نیک عمل ہو، لیکن اگر یہودیت کی نسلی گروہ بندی یا مسیحیت کی جماعتی گروہ بندی مین داخل نہین تو اوسے کوئی یہودی اور عیسائی ہدایت یافتہ انسان تسلیم نہین کر سکتا، لیکن ایک سخت سے سخت بدعمل انسان بھی نجات یافتہ سمجھ لیا جائے گا، اگر ان گروہ بندیون مین داخل ہوگا....." (ص ۱۴۱)

اور اسی طرح اس بحث کے خاتمہ مین ہے :-

"اسی طرح وہ سورۂ بقرہ مین بار بار کہتا ہے، دین الٰہی عمل کا قانون ہے اور ہر انسان کے لئے وہی ہوتا ہے جو اسکے عمل کی کمائی ہے، یہ بات کہ ایک گروہ مین بہت سے نبی اور برگزیدہ انسان ہو چکے ہین، یا نیک انسانون کی نسل مین سے ہو، یا کسی اگلی قوم سے رشتۂ قدامت رکھتا ہے، نجات و سعادت کے لئے کچھ سودمند نہین،

تلک امة قد خلت لها ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون (۲ : ۱۳۴)

یہ ایک امت تھی، جو گذر چکی، اسکے لئے وہ تھا جو اوس نے اپنے عمل سے کمایا اور تمھارے لئے وہ ہے جو تم اپنے عمل سے کماؤ، ان کے کامون کے لئے تم سے باز پرس نہ ہوگی"

اس اقتباس اور نیز ترجمان القرآن کے سورۂ فاتحہ کی تفسیر مین جو مباحث پھیلے ہوئے ہین، انھین بنظر امعان دیکھ لینے کے بعد اصولاً یہ سوال پیدا نہ ہونا چاہئے، کہ مصنف کے نزدیک کسی انسان کا اس اسلام پر بھی ایمان لانا ضروری ہے، کہ نہین جسے عرف عام مین "دین محمدی" کہتے ہین، کیونکہ ترجمان القرآن کی عبارتون اور اس مین پیش کی ہوئی آیتون سے واضح طور پر یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے، لیکن پھر اس کے باوجود اس سوال کے چھیڑنے کی ضرورت اس لئے پڑ جاتی ہے، کہ باوجودیکہ یہ اس قدر واضح حقیقت تھی لیکن ساری تفسیر مین کہین پر بھی اس کو تصریح کے ساتھ واضح الفاظ مین ظاہر نہین کیا گیا، اور تفسیر کا جو اسلوب بیان ہے اور ایک آدھ

جگہ طرز ادا میں جو عموم ہے اس سے اشتباہ ہو جاتا ہے، کہ مصنف کے ذہنی رجحانات شاید اسی طرف مائل ہوں کہ ایک خدا ترس دیا کباز انسان کے لئے رسالت محمدی کا اقرار اور دین محمدی کا قبول کرنا کوئی امر ضروری نہیں اسلئے مناسب ہے کہ پہلے ہم اس مسئلہ پر ترجمان القرآن ہی کے بیانات کی روشنی میں نظر ڈالیں،

ترجمان القرآن میں تفریق بین الرسل کو اکثر جگہ موجب کفر قرار دیا گیا ہے، اور ص ۱۵۰، ۱۵۱ وغیرہ میں متعدد ایسی آیتیں پیش کی ہیں جن میں تفریق بین الرسل سے روکا گیا ہے، اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک مسلمان کسی رسول کی تکذیب کرتا یا کر سکتا ہے، اس لئے موجودہ دور میں اس بیان کے مخاطب وہی لوگ ہو سکتے ہیں، جو محمد صلعم کی رسالت کا انکار کرتے ہیں چنانچہ ص ۱۵۱ میں ہے:-

"چنانچہ اوس نے جا بجا تفریق بین الرسل کی راہ کو "انکار" کی راہ قرار دیا ہے، اور "ایمان" کی راہ یہ بتلائی ہے، کہ بلا تفریق سب کی تصدیق کیجائے، وہ کہتا ہے، یہاں راہیں صرف دو ہی ہیں تیسری نہیں ہو سکتی "ایمان" کی راہ یہ ہے کہ سب کو مانو "انکار" کی راہ یہ ہے کہ سب کا یا کسی ایک کا انکار کرو، یہاں کسی ایک کا انکار بھی وہی حکم رکھتا ہے، جو سب کے انکار کا ہے،

ان الذین یکفرون باللّٰہ و رسلہ و یریدون	جو لوگ اللہ اور اوس کے پیغمبروں سے برگشتہ ہیں اور چاہتے ہیں
ان یفرقوا بین اللّٰہ و رسلہ و یقولون	اللہ اور اوس کے رسولوں میں تفرقہ کریں (یعنی کسی کو خدا
نومن ببعض و نکفر ببعض و یریدون	کا رسول مانیں کسی کو نہ مانیں) اور کہتے ہیں ان میں سے بعض کو
ان یتخذوا بین ذالک سبیلا. اولٰئک	ہم مانتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں، اور پھر اس طرح چاہتے
ھم الکافرون حقًا. واعتدنا	ہیں، کہ کفر اور ایمان کے درمیان کوئی تیسرا راستہ اختیار کریں
للکفرین عذابا مھینا والذین	تو یقین کرلو یہی لوگ ہیں کہ اون کے کفر میں کوئی شک نہیں
آمنوا باللّٰہ و رسلہ ولم یفرقوا	اور جن لوگوں کی راہ کفر کی راہ ہے تو اون کے لئے رسوا کن
بین احد منھم اولٰئک	عذاب تیار ہے، لیکن جو لوگ اللہ اور اوس کے تمام پیغمبروں

سوف یؤتیھم اجورھم وکان اللہ غفوراً رحیما۔

پر ایمان لائے اور کسی ایک پیغمبر کو بھی دوسروں سے جدا نہیں کیا، (یعنی کسی ایک کی سچائی سے بھی انکار نہیں کیا) تو بلاشبہ یہی لوگ ہیں جنھیں عنقریب اللہ ان کے اجر عطا فرمائیگا، اور وہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے"

کیا "الرسل" تمام پیغمبروں" میں محمد رسول اللہ (صلعم) داخل نہیں اور کیا انکا انکار" تفریق بین الرسل" نہ ہوگا، اور معلوم ہو چکا کہ تفریق بین الرسل" انکار" یعنی کفر" کی راہ ہے، جو ایمان کے مقابل و مخالف ہے، اس لئے ایسا شخص اس قیاس سے کروسے بھی گمراہ و غیر مومن ہوگا، کہ "کسی ایک کا انکار بھی وہی حکم رکھتا ہے، جو سب کے انکار کا ہے"،

اسمین شبہہ نہیں کہ قرآن بار بار اس حقیقت کو دُہراتا ہے، کہ اسلام کوئی نئی چیز نہیں، یہ محض ملت ابراہیم کا احیا ہے اور ملت ابراہیمی کے بعد جسقدر فرقے اور مذاہب پیدا ہوگئے ہیں، اون کی ضرورت نہیں، اب کوئی نہ یہودی رہا، نہ نصرانی، کوئی موسوی رہا نہ عیسائی، اسی طرح کسی کو "محمدی" ہوکر رہنے کا بھی حق نہیں، اسلام نام ہے ملت ابراہیم کا، محمد رسول اللہ صلعم جنکی بشارت اپنے اپنے زمانوں مین تمام انبیاء دیتے آئے اب مبعوث ہو چکے، وہ ملت ابراہیمی کا احیا، کرتے ہیں، اب یہی دین ہے جو ہمیشہ سے انبیاء کا دین رہا اور اسی کی تبلیغ کی جاتی رہی، لیکن اس حقیقت کو اہل مذاہب فراموش کرتے رہے، اور اب قرآن کے ذریعہ وہی دائمی حقیقت پھر دنیا مین نازل کی گئی، اور حق اسی میں منحصر ہے، اسمین بھی شبہہ نہیں کہ مشترک سچائیاں تمام مذاہب یہود و نصاریٰ وغیرہ مین موجود تھین لیکن زمانہ کی امتداد سے وہ سچائیاں گم ہو چکی ہین، اس لئے اب کوئی بھی دوسرا دین قائم نہیں جتنی سچائیاں تھین وہ سمیٹ کر اسلام مین اکٹھی کردی گئین، اب اسی کی پیروی مین نجات اور سعادت کی راہ ہے، اسی مفہوم کو ترجمان القرآن مین ان الفاظ مین ادا کیا گیا ہے،

"سوال یہ ہے کہ جب دین کی راہ ایک ہونے کی جگہ بے شمار جتھوں اور ٹولیوں مین تقسیم ہوگئی، اور ہر جتھا ایک ہی طریقہ پر اپنی سچائی کا مدعی ہے اور ایک ہی طریقہ پر دوسروں کو جھٹلاتا ہے، تو اب اس بات کا فیصلہ کیونکر ہو، کہ فی الحقیقت سچائی کہاں ہے؟ قرآن کہتا ہے، سچائی اصلاً سب کے پاس ہے، مگر عملاً سب نے کھو دی ہے، سب کو ایک ہی دین کی تعلیم دی گئی تھی، اور سب کے لئے ایک ہی عالمگیر قانون ہدایت تھا، لیکن سب نے اصل حقیقت ضائع کردی"، (صفحہ ۱۴۲)

اور پھر دوسری جگہ اسی کو ان الفاظ مین واضح کیا ہو:-

"یہ جو قرآن جا بجا اس بات پر زور دیتا ہے، کہ وہ پچھلی آسمانی کتابون کی تصدیق کرنے والا ہی جھٹلانے والا نہین ہے، اور اہل کتاب سے بار بار کہتا ہے وامنوا بما انزلت مصدقا لما معکم (۲: ۳۸) اوس کتاب پر ایمان لاؤ جو تمھاری کتاب کی تصدیق کرتی ہوئی نمایان ہوئی ہے تو اس سے مقصود بھی اسی حقیقت پر زور دینا ہے یعنی جب میری تعلیم تمھارے مقدس نوشتون کے خلاف کوئی نئی بات پیش نہین کرتی، اور نہ اون سے تھین منحرف کرانا چاہتی ہی، بلکہ سرتاسر اونکی مصدق اور مؤید ہے، تو پھر تم مین اور مجھ مین نزاع کیون ہے؟ کیون تم میرے خلاف اعلان جنگ کردو" (ص ۱۵۵)

اب چونکہ دوسرے مذاہب کی تمام گمشدہ سچائیان اسی قرآن مین مل سکتی ہین، اس لئے اس پر ایمان لانا ضروری قرار پایا، ورنہ گمشدہ سچائیان کہین ہاتھ نہ آئین گی، اور انسان اس کے بغیر گم گشتہ راہ رہیگا، چنانچہ مصنف نے "الاسلام" کی تفسیر کا خاتمہ اس آیت پر کیا ہے،

وان هذا صراطی مستقیما فاتبعوه و	اور دیکھو یہ میری راہ ہی، بالکل سیدھی راہ پس اسی
لاتتبعوا السبل فتفرق بکم	ایک راہ پر چلو اور طرح طرح کی راہون کے پیچھے نہ
عن سبیله ذلکم وصٰکم	پڑجاؤ، وہ تمھین خدا کی راہ سے ہٹا کر جدا جدا کر دینگے،
به لعلکم تتقون۔	یہی بات ہے جس کا خدا تمھین حکم دیتا ہے تاکہ تم زنا فرماتی)
(۶: ۱۵۵)	بحوالہ (ص ۱۵۶)

یہین سے آشکارا ہو جاتا ہے، کہ دین محمدی ہی کا وہ راستہ ہے جس نے تمام راستون کو سمیٹ کر ایک شاہراہ عام تیار کر دی اب تمام راستے (السبل) بند ہو چکے ہین، اب "حق پرست" کا فرض ہے کہ اسی شاہراہ عام پر گامزن ہو، (فاتبعوه) اور تمام چھوٹے چھوٹے راستے مسدود ہو جائین، اور اون پر چلنا موقوف ہو جائے (ولا تتبعوا السبل) ورنہ الاسلام تک پہنچانے والا طریقہ تم سے چھوٹ جائیگا اور خدا پرستی کا جذبہ تمھارے دلون مین پیدا نہ ہو سکیگا، کہ اس صراط محمدی (صراطی) کے بجز تمام راستے تھین ذات خدا سے بھٹکا دینگے،

(فتفرق بکم عن سبیلہ)

چنانچہ پوری بحث کے خاتمہ پر اسی آیت کو پیش کرکے ذیل کی تفسیر لکھی گئی ہے:۔

"چنانچہ یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے جب صراط مستقیم کی اوس تفسیر پر نظر ڈالی جائے، جو پیغمبر اسلام (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمائی ہے،

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی سے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا، یون سمجھو کہ یہ لکیر اللہ کا ٹھہرایا ہوا راستہ ہے، بالکل سیدھا، اس کے بعد اس لکیر کے دونون طرف بہت سی ترچھی لکیرین کھینچ دین اور فرمایا یہ طرح طرح کے راستے ہین جو بنا لئے گئے ہین، اور ان مین سے کوئی راستہ نہین جسکی طرف بلانے کے لئے ایک شیطان موجود نہ ہو، پھر یہ آیت پڑھی، وان ھذا صراطی مستقیما (الی آخرہ)،

اس سے معلوم ہوا، تمام ادھر اودھر کے ٹیڑھے ترچھے راستے "سبل متفرقہ" ہین، جو جمعیت بشری کو متحد کرنیکی جگہ متفرق کر دیتے ہین، اور درمیان کی ایک سیدھی راہ صراط مستقیم ہے، یہ متفرق کرنے کی جگہ تمام رہروان منزل کو ایک ہی شاہراہ عام پر جمع کر دیتی ہے،،

یہ سبل متفرقہ کیا ہین، اوسی گمراہی کا نتیجہ ہین، جسے قرآن نے "تشیع و تحزب" کی گمراہی سے تعبیر کیا ہے اور تشریح اوپر گذر چکی [صلا۱۶۷] اور رسالت کے اقرار کو آغاز بحث مین ان کھلے الفاظ مین ظاہر کیا جا چکا، ا۔

"پیغمبر اسلام نے اپنی تعلیم کا بنیادی کلمہ جو قرار دیا ہے، سب کو معلوم ہے، اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہ ... اس اقرار مین جس طرح خدا کی توحید کا اعتراف کیا گیا ہے، ٹھیک اوسی طرح پیغمبر اسلام کی بندگی اور درجۂ رسالت کا بھی اعتراف ہے..... کوئی شخص دائرۂ اسلام مین داخل ہو ہی نہین سکتا جب تک کہ وہ خدا کی توحید کی طرح پیغمبر اسلام کی بندگی کا بھی اقرار نہ کرلے (صلا۱۱۹)

ان اقتباسات سے واضح ہو جاتا ہے، کہ مصنف کے نزدیک بھی پیغمبر اسلام کی رسالت کا اقرار ضروری ہے، اب یہی ایک سیدھا راستہ منجانب اللہ انسانون کے لئے باقی رہ جاتا ہے، جسے صراط محمدی (صراطی) کہتے ہین، اسلئے اس کہنے کے معنی

کہ ہر گروہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر سچائی سے کاربند ہو جائے، یہی ہین کہ اسلام کا بتایا ہوا راستہ اختیار کر لیا جائے کہ بقول مصنف جتنے مذاہب تھے وہ سب اپنی سچائیون کو عملاً گم کر چکے ہین، اسلئے درحقیقت ان دونون بیانون مین کوئی تضاد نہین ہے جو کچھ فرق ہے وہ نظری و عملی کا ہے، نظری طور پر تو یہی صحیح ہے کہ ہر گروہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر کاربند ہو جائے لیکن مذاہب کی تعلیمات اس قدر مسخ ہو چکی ہین کہ عملی طور پر کسی مذہب مین اوسکی تمام سچائیان اور حقیقی تعلیمات کا ملنا محال ہے، اور اسی لئے خدا نے نزول قرآن کے وقت تمام مذاہب کی سچائیان اسی مین نئے سرے سے جمع کر دین اور بتا دیا کہ تمام راستون کو ترک کر کے صراط مستقیم کا اتباع کر لو،

اسی لئے قرآن مجید مین جابجا مختلف اہل مذاہب کو نام بنام مخاطب کر کے اون کو قرآن مجید پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے، سورۂ آل عمران مین یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب کو نبوت محمدی کے قبول کرنے کی ان الفاظ مین دعوت ہے:

وقل للذین اوتوا الکتاب والامیین ءاسلمتم	اور اے پیغمبران کو جن کو کتاب دی گئی، اور عرب کے جاہلون
فان اسلموا فقد اھتدوا	کو کہہ کیا وہ اسلام لائے اگر اسلام لائے تو اونھون نے
(آل عمران ۲)	سیدھی راہ پائی،

سورۂ بقر مین اس سے زیادہ تفصیل سے یون ہے :۔

قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل	(اے مسلمانو!) کہو کہ ہم اللہ پر اور جو ہم پر اوترا اور جو ابراہیم
الی ابراھیم واسمٰعیل و	پر اور اسمٰعیل پر اور اسحاق پر، اور یعقوب پر اور اون کی
واسحاق ویعقوب والاسباط	اولاد پر اوترا، اور جو موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور سب پیغمبرون
وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما	کو اون کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا سب پر ایمان
اوتی النبیون من ربھم لا	لائے ہم اون مین سے کسی مین کچھ فرق نہین کرتے اور ہم
نفرق بین احد منھم ونحن لہ	اسی خدا کے مسلم یعنی فرمانبردار ہین، تو اگر وہ (اہل کتاب)
مسلمون فان آمنوا بمثل ما آمنتم	بھی اسی طرح ایمان لائین جس طرح تم ایمان لائے تو

بہ فقد اهتدوا. وان تولوا — اونھون نے سیدھی راہ پائی، اور اگر وہ اس سے باز رہے تو

فانما هم فی شقاق. — وہ محض ضدین ہین،

ان آیتون سے واضح ہوگیا کہ یہود و نصارای کے لئے بھی ہدایت کا راستہ "اسلام" ہے کوئی اور نہین،

سورۂ نسا مین اونھین وعید کے ساتھ ایمان کی یون دعوت دی گئی،

یا ایها الذین اوتوا الکتاب آمنوا بما نزلنا مصدقا لما معکم من قبل ان نطمس وجوها فنردها علی ادبارها او نلعنهم کما لعنا اصحاب السبت (نساء ۷)

اے وہ لوگ جنھین کتاب دی گئی، ایمان لے آؤ (قرآن پر) جس کو ہم نے نازل کیا، جو تصدیق کرتا ہے اوسکی جو تمھارے پاس ہے قبل اس کے کہ ہم مٹا ڈالین مونھون کو پھر پھیر دین اون کو پیٹھ کی طرف، یا اون کو لعنت کرین جیسے لعنت کی ہم نے سبت والون پر،

اس کے بعد ذیل کی وہ آیت ہے جسمین لازمی طور پر تمام روے زمین کے انسانون کو رسالت محمدی کا اقرار کرنے اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ،:۔

قل یا ایها الناس انی رسول الله الیکم جمیعا الذی له ملک السموات والارض لا اله الا هو یحیی ویمیت فامنوا بالله ورسوله النبی الامی الذی یومن بالله وکلمته واتبعوه لعلکم تهتدون (اعراف ۱۹)

کہدے اے پیغمبر کہ اے انسانو! مین تم سب کی طرف اوس خدا کا رسول بنکر آیا ہون جس کی آسمانون اور زمین کی شہنشاہی ہے، اس کے سوا کوئی خدا نہین، وہی جلاتا اور وہی مارتا ہے، سو اللہ اور اس کے اس امی پیغامبر رسول پر ایمان لاؤ، جو اللہ پر اور اوسکی باتون پر ایمان رکھتا ہے، اور اس رسول کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ ۱۴

لیکن اگر ایک شخص رسالت محمدی اور قرآن کے کتاب برحق ہونے کا بھی عقیدۃً قائل ہو مگر اس "شرع ومنہاج" پر جسکو قرآن نے قائم کیا ہے، یا جسکو محمد رسول اللہ صلعم کے انتساب سے "شریعت محمدی" کہا جاتا ہے، عقیدۃً وعملاً پیرا ہونا ضروری نہین سمجھتا ہو، گویا سادہ الفاظ مین یون کہا جائے کہ وہ اسلام کو بھی ایک دین حق سمجھتا ہو، اور اپنے طور پر کسی دوسرے طریق پر ہو تو

کیا قرآن کی تعلیمات اوس سے اسکا مطالبہ نہیں کرتین،

یہی وہ سوال ہے جس کا سراغ ہمین ترجمان القرآن کی عبارتون مین اشارۃً کنایۃً بھی نہین ملتا، بلکہ مصنف کے قلم کے پوشیدہ رجحانات کچھ اور غمازی کرتے ہین، اور معلوم ہوتا ہے، کہ وہ آنحضرت صلعم کی رسالت کے اقرار مین فرق کرتے ہین، "وہ اپنے خدا پرست دنیا کو" انسان کے لئے یہ تو ضروری سمجھتے ہین کہ وہ دینِ اسلام کو بھی ایک دینِ حق تسلیم کرے اور ان معنون مین وہ رسالتِ محمدیؐ کا قائل ہو" لیکن یہ ضروری نہین سمجھتے کہ رسالتِ محمدیؐ کا اقرار کرکے شریعتِ محمدیؐ کا بھی وہ اتباع کرے، یہی وجہ ہے کہ ایسے موقعون پر اصل مسلک کے اظہار کے بجائے "عالمگیر اخوت" "عمومی رواداری" اور "وسعتِ نظر" وغیرہ جیسے الفاظ اون کے قلم سے ٹپک پڑے ہین،

لیکن پھر "وسعتِ نظر" پیدا کرانے اور رواداری کی تلقین کرنے کیلئے قرآن مجید کی جن آیتون سے استشہاد کیا گیا ہے، وہ مصنف کے مقصد پر حاوی نہین ہوتین، اوس کی ایک واضح مثال ذیل کے اقتباس مین نظر آتی ہے، ہمین دکھایا جارہا ہے کہ اختلافِ فکر و عمل طبیعتِ انسانی کا قدرتی خاصہ ہے اس لئے شرعۃ و منہاج مین اختلاف ہونا ضروری ہے، فرماتے ہین:-

"چنانچہ ایک موقع پر خود پیغمبرِ اسلام (صلے اللہ علیہ وسلم) کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہتا ہے، تم جوشِ دعوت مین چاہتے ہو، تمام لوگون کو راہِ حق دکھلا دو، لیکن تمھین یہ بات نہین بھولنی چاہئے، کہ اختلافِ فکر و عمل طبیعتِ انسانی کا قدرتی خاصہ ہے، تم جبر کسی کے اندر ایک بات نہین اوتار دے سکتے"،

ولو شاء ربک لآمن من فی الارض کلھم جمیعاً افانت تکرہ الناس حتیٰ یکونوا مومنین	اگر تمھارا پروردگار چاہتا تو زمین مین جتنے بھی انسان ہین سب ایمان لے آتے (لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اوسکی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ ہر انسان اپنی اپنی سمجھ اور اپنی اپنی راہ رکھے) پھر کیا تم چاہتے ہو کہ لوگون کو مجبور کردو کہ مومن ہو جائین،
(۱۰ : ۹۹)	

وہ کہتا ہے انسان کی طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ ہر جماعت کو اپنا ہی طور طریقہ اچھا دکھائی دیتا ہے، وہ اپنی بات کو دوسرون کی مخالفانہ نگاہ سے نہین دیکھ سکتی، جسطرح تمھاری نظر مین سب سے بہتر راہ تمھاری راہ ہے ٹھیک اسیطرح دوسرون کی

نظر میں سب سے بہتر راہ انکی ہو، پس اس کے سوا چارہ نہیں کہ اس بارہ میں رواداری اور وسعت نظر پیدا کرو،

ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدوا بغير علم كذلك زينا لكل امة عملهم ثم الى ربهم مرجعهم فينبئهم بما كانوا يعملون (۶: ۱۰۸)	اور (دیکھو) جو لوگ[1] خدا کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں کو پکارتے ہیں، تو تم اونھیں برا نہ کہو، کیونکہ نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ لوگ بھی از راہ جہل و نادانی خدا کو برا بھلا کہنے لگیں گے (یاد رکھو) ہم نے انسان کی طبیعت ہی ایسی بنائی ہے، کہ ہر گروہ کو اپنا ہی عمل اچھا دکھائی دیتا ہے، پھر بالآخر سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے، اور وہیں ہر گروہ پر اوس کے اعمال کی حقیقت کھلنے والی ہے (ج ۱، ص ۱۲۱)

لیکن اب ان دونوں آیتوں کو اپنے سیاق و سباق کے ساتھ دیکھیں سورۂ یونس کی پوری آیت یوں ہی:-

ولو شاء ربك لآمن من في الارض كلهم جميعا افانت تكره الناس حتى يكونوا مومنين وما كان لنفس ان تومن الا باذن الله ويجعل الرجس على الذين لا يعقلون (یونس ۱۰۰)	اور اگر تیرا پروردگار چاہتا تو جتنے لوگ روئے زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے، تو کیا تم لوگوں کو مجبور کرسکتے ہو کہ وہ ایمان لے آویں، کسی نفس کے لئے نہیں کہ وہ ایمان لاوے، بغیر اللہ کے حکم کے، اور خدا ڈالتا ہے [illegible] (۱۰: ۱۰۰)

مصنف نے اس آیت کا جو ترجمہ کیا ہے، اور ترجمہ کے اندر قوسین میں جو یہ عبارت بڑھائی ہے:-

"لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اوس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ ہر انسان اپنی اپنی سمجھ اور اپنی اپنی راہ رکھے"

اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی طرف سے ہر انسان کو اپنی اپنی راہ اور اپنی اپنی سمجھ یعنی اپنی اپنی شریعت و منہاج کے رکھنے کا اختیار دیا جارہا ہے، اور آنحضرت صلعم کو بتایا جارہا ہے کہ اختلاف فکر و عمل طبیعت انسانی کا قدرتی خاصہ ہے" لیکن پوری

---

[1] آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے اور لوگ خدا کو چھوڑ کر جن دوسرے معبودوں کو پوجتے ہیں، اون کو برا نہ کہو، امام طبری وغیرہ تمام اہل تفسیر نے متفقاً یہی کہا ہے اور یہی اس آیت پاک کا واحد منشا ہے (سید ریاست علی)

آیت کے محض لفظی ترجمہ پر بامعان نظر ڈالنے سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ قوسین مین اس فقرہ کا اضافہ برمحل نہین ہے، بلکہ اوس کے برخلاف جیسا کہ مفسرین کا عام اتفاق ہے آنحضرت صلعم کے ملول ہونے پر اونھین طمانیت و سکون رکھنے کی ہدایت فرمائی جارہی ہے، اور آخرمین کہا جارہا ہے کہ ویجعل الرجس علے الذین لا یعقلون اگر اس آیت مین اپنی اپنی راہ رکھنے کی اجازت دیجاتی یا اوس کی چشم پوشی کرنے کی ہدایت ہوتی، تو اس "رجس" کی لعنت اور "عذاب" کی وعید کیون نازل ہوتی، کہ اختلاف فکر وعمل تو طبیعت انسانی کا قدرتی خاصہ ہے، پھر اس "قدرتی خاصہ" کی پاداش مین عذاب کیون ہو،

اس سے زیادہ تعجب انگیز دوسری آیت سے استشہاد ہے، یہ آیت بھی اپنے سیاق و سباق کے ساتھ درج ذیل ہے،

وقد جاءکم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیھا وما انا علیکم بحفیظ۔ وکذلک نصرف الآیت ولیقولوا درست ولنبینہ لقوم یعلمون، اتبع ما اوحی الیک من ربک لا الہ الا ھو واعرض عن المشرکین ولو شاء اللہ ما اشرکوا وما جعلناک علیھم حفیظا وما انت علیھم بوکیل۔ ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم کذلک زینا لکل امۃ عملھم ثم الی ربھم مرجعھم فینبئھم بما کانوا یعملون (انعام ع ۱۳)

تم کو پہنچ چکین سوجھ کی باتین تمھارے رب کی طرف سے تو جس نے (اون کو) دیکھا سو اپنے واسطے، اور جو اندھا رہا تو (اوس کا وبال) اوسی کے اوپر ہے، اور (کہو) مین تمھارا کوئی نگہبان نہین، اور اسی طرح ہم آیتین پھیر پھیر کر سمجھاتے ہین تاکہ وہ قائل ہون کہ تو نے اون کو (قرآن) پڑھایا اور ہم واضح کرتے ہین، اسکو سمجھ والون کے لئے تو چل اوس پر جو وحی آئے تجھکو تیرے پروردگار کی طرف سے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہین، اور مشرکون سے کنارہ کش رہ اور اگر خدا چاہتا تو یہ شرک نہ کرتے، اور تجھکو ہم نے اونکا نگہبان نہین بنایا اور نہ تو اون پر وکیل ہے، اور تم لوگ برا نہ کہو اون کو جنکو وہ پکارتے ہین، اللہ کے سوا کہ (وہ) اللہ کو بے ادبی بے سمجھی سے برا کہہ بیٹھین، اسی طرح ہم نے ہر فرقے کو اونکا کام بھلا دکھایا ہے، پھر اون کو اپنے رب کے

ترجمان القرآن [illegible]

اس موقع پر یہود و نصاریٰ کا بھی ذکر نہیں، بلکہ مشرکین عرب سے خطاب ہے، اور صاف صاف کہا جا رہا ہے، کہ تمھارے پاس دین محمدی (بصائر) آچکا، جو اس کا اتباع کرے گا، وہ خود فلاح و سعادت پائے گا، اور جو روگردانی کرے گا، وہ روشنیوں اور بصیرتوں کے دیکھنے سے اندھا رہے گا، اس لئے اب آنحضرت صلعم کا کام یہ ہے کہ پیغام رسانی کے بعد اب وہ مشرکین سے کنارہ کش ہو جائیں یہاں تک کہ اون کے اینٹ پتھر اور مٹی کے بتوں کو بھی برا بھلا نہ کہیں، ورنہ وہ جاہل ہیں ہی، خدا پر سب و شتم کرنے لگیں گے، اس کے بعد فرمایا بہرحال وہ بصائر کے دیکھنے سے اندھے رہیں، اور اعمال شر میں گرفتار رہیں، تو رہنے دو، ہر گروہ اپنا اپنا کام کر رہا ہے، تم خدا پرستی کرو، انھیں بت پرستی کرنے دو، انھیں کبھی نہ کبھی تو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے، آئیں گے اور اپنی بداعمالیوں کے نتائج دیکھ لیں گے،

نہیں معلوم جب اعرض عن المشرکین سے یعملون تک کا بیان بطور ذم اور فہمائش کے ہی، تو اس سے یہ نتیجہ کیونکر نکالا جا سکتا ہے کہ

"بس اس کے سوا چارہ نہیں کہ اس بارہ میں رواداری اور وسعت نظر پیدا کرو"،

"رواداری" اور "وسعت نظر" کا تخیل اوس وقت زیب دیتا جب اونھیں ان بداعمالیوں کے نتائج بھگتنے کی فہمائش نہ کیجاتی، پوری آیت کا سیاق بتا رہا ہے، کہ یہ اعراض اور کنارہ کشی رواداری اور وسعت نظر کے لئے "نہیں" بلکہ "اتقاء شر" یعنی اون کے جہل، جنون اور شر سے محفوظ رہنے کیلئے اور اونکے ہدایت یاب ہونے سے مایوس ہو جانیکے باعث ہی اور اونکو راہ راست پر لانیکی کوشش کرنے کو روک کر اونکے شریعت محمدی کے اتباع کر لینے اور ہدایت یاب ہو جانیکی ذمہ داری خود انھی پر عائد کیجا رہی ہو کہ وہ اپنے کئے کے خود ذمہ دار ہوں گے،

مصنف نے انھی دونوں آیتوں سے اپنے مسلک پر استشہاد کیا ہے، تعجب ہے، کہ ان حالات میں ان دونوں آیتوں پر موجودہ زمانہ میں شرعۃ و منہاج کے جدا جدا قائم رکھنے اور اس سے دین میں کوئی رخنہ نہ پڑنے کا نظریہ قائم کر کے اتنی وسیع عمارت کیونکر قائم کیجا سکتی ہی،

حقیقت یہ ہو کہ قرآن نے شرعۃ و منہاج کو نظر انداز کرنے کے لئے یہود و نصاریٰ سے اسوقت کہا جب اونھوں نے شریعت محمدی پر یہ اعتراض کیا تھا، کہ اوس نے عبادت کے طریقہ، قبلہ کی سمت اور اعمال شر کے انسداد کے وہ طریقے اختیار نہیں کئے، جن کو وہ تسلیم کرتے تھے، یا اون سے کہیں کہیں مختلف ہیں، اسی موقع پر قرآن نے اونھیں بتایا کہ تم ان فروع پر کیوں جھگڑتے ہو، یہ تو

جزئیات ہین، اصل دین اللہ، ملائکہ، کتب الٰہی، رسل وانبیاء اور یوم آخرت پر ایمان لانا اور اعمال صالحہ کو بجالانا ہے، اس لئے شرعۃ ومنہاج سے یہان مقصود جزئیات شریعت ہین نہ کہ کلیات دین، اور آج بھی ہم یہود کو اس بات پر ملزم نہین گردانتے، کہ وہ کعبہ کی طرف منہ کیون نہین کرتے ہین، اور اونٹ کا گوشت کیون نہین کھاتے، بلکہ اس بات کا ملزم قرار دیتے ہین کہ وہ نبیون کا انکار اور ان کے لائے ہوئے پیغامون کی تکذیب کیون کرتے ہین، اور نہ نصاریٰ پر اسکا الزام قائم کرتے ہین، کہ وہ کھانے کی احتیاط کیون نہین کرتے، بلکہ یہ الزام دیتے ہین کہ وہ ایک کو تین کیون بناتے ہین، اور دنیا کے آخری رسول اور اوس کے سچے پیغام کو کیون نہین مانتے لیکن جب کوئی اس آخری پیغمبر اسلام کو اور اوس کے سچے پیغام کو مانے گا، جو تمام تر "الاسلام" اور "الدین" ہی تو ظاہر ہے کہ جزئیات احکام مین بھی اوسی کی پیروی کریگا، ورنہ اس ماننے کے کوئی معنی نہین ہین جسمین ذاتی ا ہوا کو بھی دخل ہے،

اصل یہ ہے کہ قرآن سے پہلے جس قدر شریعتین تھین وہ نزول قرآن کے وقت تک مسخ ہو چکی تھین اور جب کبھی کسی صاحب شریعت نبی کے بعد کوئی دوسرا شارع آیا تو اوسی وقت آیا جب پہلے صاحب شریعت کا صحیفۂ وحی انسانی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکا، چنانچہ صحیفۂ ابراہیم کی گم شدگی کے بعد صحیفۂ موسیٰ نازل ہوا، اوس کے اختلافات کو دور کرنے کے لئے زبور آیا، اور اوسکی تکمیل انجیل نے کی، اور جب انجیل بھی انسانی تصرفات سے محفوظ نہ رہ سکی، تو قرآن کے نازل فرمانے کی ضرورت پیش آئی، اور چونکہ یہ دنیا کے لئے سب سے آخری صحیفۂ ربانی تھا، اس لئے ازل ہی سے اوس کی حفاظت کا اہتمام ہوا اور "انا لہ لحافظون" کہہ کر اوس کی دائمی حفاظت کی خوشخبری سنائی گئی،

اس لئے یہ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے، کہ اسلام کی شریعۃ ومنہاج کے اتباع سے کوئی انسان بری الذمہ کیا جاسکتا ہے، جب کہ آخری طور پر اسی شریعت کی منجانب اللہ تصدیق ہوتی ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جب اسلام مین کعبہ کو قبلہ بنانے اور خانہ کعبہ کے حج کرنے کا حکم آیا، اور یہود نے اس پر اعتراض کیا، تو گو اون سے یہی کہا گیا کہ یہ شرعۃ ومنہاج ومنسک اصل نہین، فرع ہین، یہ مقصود نہین ذرائع ہین،

ولکل وجھۃ ھو مولیھا فاستبقوا الخیرات۔ (بقرہ ۱۸)	اور ہر ایک کے لئے ایک سمت ہے، جدھر وہ رُخ کرتا ہے سو تم نیکیون کی طرف سبقت کرو،

اور نیکیون کے متعلق بتایا،

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق — نیکی یہ نہین ہے کہ تم پورب یا پچھم کی طرف رخ کرو،

والمغرب ولکن البر من آمن باللہ الآیۃ (بقرہ ۲۲) — بلکہ نیکی یہ ہے کہ ایمان لائے (اور دوسرے نیک کام کرے)

اس لئے اون کا یہ سمجھنا کہ نیکی کا انحصار اسی مین ہے کہ بیت المقدس کیطرف رخ کیا جائے، صحیح نہین، اس لئے ان جزئیات کے باعث اسلام کی ممانعت کرنا مناسب نہین، ان جزئیات کے ادھیڑ بن سے نکلو اور ان کی مخالفت کرنے کے بجائے اصل دین کو قبول کرلو، لیکن اس آخری پیغام کے قبول کرنے والون سے یہی کہا گیا کہ

ومن حیث خرجت فول وجھک شطر المسجد الحرام — اور جہان بھی تو جائے اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر

اسی طرح حج کے متعلق فرمایا،:-

لکل امۃ جعلنا منسکا ھم ناسکوہ — ہر قوم کے لئے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ بنایا کہ

فلا ینازعنک فی الامر وادع الی ربک — اوس قوم کے لوگ اس طرح بندگی کرتے رہین، تو اس

انک لعلی ھدی مستقیم وان جادلوک — بات مین وہ تجھ سے جھگڑا نہ کرین، تو اپنے رب کی طرف

فقل اللہ اعلم بما تعملون۔ — بلائے جا، تو بیشک سوجھ کی سیدھی راہ پر ہے اور

(حج ۱۴) — اگر وہ تجھ سے جھگڑتے ہی رہین تو کہدے کہ اللہ بہتر جانتا ہے جو تم کرتے ہو

اس آیت مین اسلامی شریعت و منہاج و منسک کی تمام و کمال تائید کی گئی ہے، اور بتایا گیا ہے، کہ ہر قوم کے لئے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ بنایا ہے یعنی جس طرح پچھلی تعلیمون مین پچھلی امتون کے لئے عبادت کا ایک طریقہ تھا، اسیطرح اس جدید تعلیم کے نزول کے بعد اس امت کے لئے بھی ایک عبادت کا ایک طریقہ ہے، پھر اہل کتاب کا ذکر کرکے کہا جاتا ہے کہ وہ اس امر مین تجھ سے جھگڑا نہ کرین (فلا ینازعنک فی الامر) تو اپنی اسی شرعۃ و منہاج و منسک کو قائم رکھ کر اونہین دعوت الی الخیر دئے جا، تو راہ حق پر ہے، تیرے اصل دین کی حقیقت، تیرا منسک، اور تیری شریعت و منہاج "ہدی مستقیم" یعنی سیدھی اور سوجھ بوجھ کی راہ پر ہے، لیکن اس کے باوجود اگر وہ محض تیرے منسک و منہاج و شرعۃ یعنی کعبہ کو قبلہ بنانے

اور کعبہ کا حج کرنے وغیرہ کے باعث تجھ سے تنازع کرتے ہیں، تو کہہ دے، اللہ بہتر جانتا ہے، اور جو تم ان فروع کو آڑ بنا کر اصل دعوت سے گریز کر رہے ہو اس حقیقت سے آگاہ ہے،

اہل کتاب کا تو عہد نبوی میں یہ حال تھا، کہ ایک طرف وہ اسلام سے روگردانی کرکے شرائع و مناسک و قوانین میں قرآن کے احکام کی پرواہ نہ کرتے تھے، دوسری طرف وہ جن کتابوں پر اپنا ایمان لانا بتاتے تھے، خود اون کی مقرر کی ہوئی شریعتوں اور قانونوں کی خلاف ورزی کرتے تھے، چنانچہ اون سے بر سبیل تنزل یہانتک کہا گیا کہ اگر وہ قرآن پر ایمان نہیں لاتے تو کم از کم انجیل ہی کے بموجب اپنے معاملات میں فیصلے صادر کریں، ولیحکم اھل الانجیل بما انزل اللّٰہ فیہ اور چاہئے کہ انجیل والے اوس کا حکم دیں جو اللہ نے اوس میں اوتارا تھا، لیکن وہ اس پر بھی کب عمل پیرا ہونے کیلئے تیار تھے، اور وہ جو تحریفات انجیل میں کر چکے تھے، اور اپنے ہوا و ہوس سے اپنی شریعت و منہاج میں جو تبدیلیاں کر چکے تھے، اور جو معنی پہنائے تھے، اونھیں اوس اصل کے مطابق کب لانے والے تھے، جو صحیح طور پر اللہ نے پہلے اونمیں اوتارا تھا (بما انزل اللّٰہ فیہ) اس لئے آنحضرت صلعم کو مخاطب کرکے مختتم طور پر یہ فیصلہ سنا دیا گیا:۔

وانزلنا الیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیہ من الکتاب ومھیمنا علیہ فاحکم بینھم بما انزل اللّٰہ ولا تتبع اھواءھم عما جاءک من الحق:۔	اور ہم نے تیری طرف یہ کتاب سچائی کے ساتھ اوتاری جو اپنے پہلے کی کتاب کی تصدیق کرتی ہے، اور امانت کے ساتھ اوس پر شامل ہے، سو تو ان کا (یعنی اہل کتاب) کے درمیان اوس کے مطابق فیصلہ کر جو خدا نے اوتارا ہے (تجھ پر یعنی قرآن) اور تیرے پاس جو سچائی آئی ہے اوس سے ہٹکر اون کی خواہشوں کی پیروی نہ کر

قرآن مجید کی یہی وہ آیت ہے، جو اس باب میں قول مختتم ہے، اسمیں صاف صاف کہہ دیا گیا کہ قرآن جس شریعت اور جس قانون کو نافذ کر رہا ہے، جو منسک اور جو منہاج بتا رہا ہے آخری طور پر اسی کا نفاذ رہے گا کہ قرآن توراۃ و انجیل کا مصدق بھی اور نہ صرف ان کتب الٰہی کی تعلیمات میں سے اصل دین کا حامل ہے، بلکہ شرعۃ و منہاج و منسک کو بھی اوس نے امانت کے ساتھ لے کر اپنے اندر شامل کر چکا ہے، اس لئے ضرور ہے کہ شرائع و قوانین کا بھی نسخ ہو جائے، اس لئے اب یہی شریعت اور یہی

قانون نافذ العمل رہیگا، اون لوگون نے اپنی اپنی شریعتون اور اپنے اپنے قانونون مین اپنے ہوا و ہوس (اھوٰھم) اور اپنی باطل آرزوون (امانیھم) کی آمیزش کر لی ہو، اب انکا اتباع نہ کر، اب قابل اتباع شریعت نہ صرف تیرے لئے بلکہ سب کیلئے (الیہم) وہی ہے جو قرآن مین تیرے پاس سچائی کے ساتھ اوتاری جا رہی ہو، فویل للذین یکتبون الکتٰب بایدیھم ثم یقولون ھٰذا من عند اللّٰہ

اس لئے مصنف کی وہ تفسیر جو آیت یا ایھا الذین آمنوا کلوا من طیبٰت کے ضمن مین گئی ہو محل نظر ہے وہ فرماتے ہین:-

"دین حق کی اس اصل عظیم کا اعلان کہ سعادت و نجات کی راہ یہ نہین ہے کہ عبادت کی کوئی خاص شکل یا کھانے پینے کی کوئی خاص پابندی یا اسی طرح کی کوئی دوسری بات اختیار کر لیجائے، بلکہ وہ سچی خدا پرستی اور نیک عملی کی زندگی سے حاصل ہوتی ہو، دراصل شئی دل کی پاکی اور عمل کی نیکی ہے، شریعت کے ظاہری احکام و رسوم بھی اسی لئے ہین تاکہ یہ مقصود حاصل ہو..... پس جہانتک دین کا تعلق ہے، ساری طلب مقاصد کی ہونی چاہئے نہ کہ وسائل کی (ص۲۲۹)

اسمین شبہ نہین جیسا کہ مصنف کا اسی ضمن مین بیان ہے، کہ

"نزول قرآن کے وقت دنیا کی عالمگیر مذہبی گمراہی یہ تھی، کہ لوگ سمجھتے تھے، دین سے مقصود محض ظاہری شریعت کے ظواہر و رسوم ہیں اور انھی کے کرنے نہ کرنے پر انسان کی نجات و سعادت موقوف ہو لیکن قرآن کہتا ہے، کہ اصل دین خدا پرستی اور نیک عملی ہے، اور شریعت کے ظاہری رسوم و اعمال بھی اسی لئے ہین کہ یہ مقصود حاصل ہو"

لیکن مصنف نے قرآن کے اوس بیان سے جو نتیجہ نکالا ہے اور جو تلقین کی ہے وہ صحیح نہین ہے کہ

"ساری طلب مقاصد کی ہونی چاہئے، نہ کہ وسائل کی"

کیونکہ جب دوسرے مذاہب کے پیرو قرآن کی اوس دعوت کو قبول کر لین، جو اوس نے دین کو سمجھاتے ہوئے دی ہے، تو اونھون نے اپنے اوس عقیدہ کو ترک کر دیا، جو وہ اپنے مذہب کے رو سے دین کو سمجھتے تھے! اور پھر اونھون نے اس طرح قرآن کی حقانیت تسلیم کر لی، تو پھر یہ بھی تسلیم کرین گے، کہ اصل مقصود کے حصول کے لئے شریعت کے ظاہری احکام و رسوم بھی جو اصلی مقاصد کے ذرائع ہین، ضروری ہین، کیونکہ کہا جا چکا ہے، کہ شریعت کے یہ ظاہری احکام و رسوم بھی اسی لئے ہین کہ اصل مقصود حاصل ہو جائے" اس لئے جب طریق طلب یہی "وسائل" ہین تو طلب مقاصد کیلئے ان "وسائل" کا اختیار کرنا بھی ضروری ہے،

صرف اتنی بات صحیح ہے کہ وسائل کو مقاصد سمجھکر صرف وسائل کے کر لینے کو نجات وسعادت کیلئے کافی نہ سمجھ لیا جائے بلکہ ان وسائل کے ذریعہ اصل مقاصد کو پانے کی کوشش کیجائے،

اس سلسلۂ بحث مین سورۂ اعراف کی حسب ذیل آیت کو دیکھنا چاہئے:-

ورحمتی وسعت کل شئ فساکتبہا للذین یتقون ویؤتون الزکوٰۃ والذین ہم بآیٰتنا یومنون. الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندہم فی التوراۃ والانجیل یامرہم بالمعروف وینہٰہم عن المنکر ویحل لہم الطیبٰت ویحرم علیہم الخبٰئث ویضع عنہم اصرہم والاغلال التی کانت علیہم فالذین آمنوا بہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولٰئک ہم المفلحون قل یاایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا الذی لہ ملک السمٰوٰت والارض لا الٰہ الا ہو یحیی ویمیت فاٰمنوا باللہ ورسولہ النبی الامی الذی یومن باللہ وکلمٰتہ واتبعوہ لعلکم تہتدون (اعراف ۱۹)

اور میری رحمت ہر چیز کو سمائے ہی، پھر اس رحمت کو اون کے لئے لکھ دونگا، جو پرہیزگار ہین، اور زکوٰۃ دیتے ہین، اور جو ہمارے حکمون کو مانتے ہین، جو اس ان پڑھ فرستادہ پیغمبر کی پیروی کرتے ہین، جسکو وہ اپنے ہان تورات و انجیل مین لکھا پاتے ہین، جو اون کو نیکی کا حکم دیتا ہی، اور برائی سے باز رکھتا ہے اور اچھی چیزون کو اون کیلئے حلال کرتا ہے، اور بری چیزون کو حرام کرتا ہے، اور ان کے بندھن اور اون زنجیرون کو جو اون پر پڑی تھین، اتارتا ہے، تو جنھون نے اس پیغمبر کو مانا، اور اوسکی تائید کی، اور اس کی مدد کی، اور اوس روشنی کے پیچھے چلے جو اوس کے ساتھ اوتری، وہی کامیاب ہین (کہدے اے پیغمبر) کہ اے انسانو! مین تم سب کی طرف اس خدا کا رسول ہون، جسکی آسمانون اور زمین کی شہنشاہی ہے اوسکے سوا کوئی خدا نہین وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہی، سو اللہ اور اوس کے اوس ان پڑھ پیغام رسان پر ایمان لاؤ، جو اللہ پر اور اوسکی باتون پر ایمان رکھتا ہے اور اوس کی پیروی کرو، تاکہ تم راہ پاؤ

اسمین کے روز مین پہلے تمام انسانون کو خطاب کرکے کہا جاتا ہے مین تم تمام انسانون کی طرف رسول بن کر آیا ہون یعنی وہی نبی امی جسکا تذکرہ تورات و انجیل مین آیا ہے جو اوامر و منہیات بتاتا ہے، جو کھانے پینے کی چیزون مین پاک چیزون کو حلال اور پلید چیزون کو حرام بتاتا ہے، اور پچھلی شریعتون مین حلال و حرام مین جو جو سختیان ہو گئی تھین، ان کی بندشین ڈھیلی کرتا ہے، پس اسی رسول کی پیروی کرو، اونھی چیزون کو حلال سمجھو جنکو وہ حلال بتاتا ہے، اونھی چیزون کو حرام سمجھو جن کو وہ حرام کہتا ہے، مناسک و عبادات و اخلاق مین، اونھی چیزون کو کرو جن کے کرنے کا حکم دیتا ہے، اور (اعمال شر) مین اونھی چیزون سے بچو، جن سے وہ روکتا ہے، کیا منسک و منہاج و شریعت کی حقیقت ان امور سے کچھ جداگانہ ہے؟

"الاسلام" کے معنی سمجھنے مین ہم سے اصولی غلطی یہ ہوتی ہے۔ کہ ہم اسلام کے اس اصول پر کہ تمام ادیان و مذاہب سچے ہین، یہ سمجھ لیتے ہین کہ اسلام موجودہ یہودیت اور نصرانیت کی تصدیق کر رہا ہے، حالانکہ اسلام نے "یہودیت" اور "نصرانیت" کی تصدیق کے بجائے "دین موسیٰ" اور "دین عیسیٰ" کی تصدیق کی ہے، اسی لئے وہ ہمیشہ کہتا رہا، مصدقا لما بین یدیہ" ورنہ اسلام نے موجودہ مذاہب کے تمام پیروون کو شدید گمراہیون مین مبتلا بتایا، اور انھین کھول کھول کر بیان کیا، یہودیون کو اوس نے کہا کہ تو رسولون اور نبیون کی تکذیب کرتے آئے ہن، اونھین قتل کرتے رہے ہین، حسب ضرورت دین مین آسانیان پیدا کرتے رہے ہین، نصاریٰ کو اوس نے کہا کہ خدا کی پرستش کے بجائے حضرت عیسیٰ، حضرت مریم، اور اپنے ولیون اور شہیدون اور اون کی یادگارون کی پرستش مین مبتلا ہو گئے، اس لئے "الاسلام" کا مصداق اور اسلام کا مصدق یہودیت و نصرانیت نہین جو اپنی گمراہیون اور ضلالتون مین پڑی رہی، اور ہے، بلکہ حضرت موسیٰ کا اصل دین اور حضرت عیسیٰ کی اصل تعلیم ہے، ورنہ یہودیت و نصرانیت تو موجب اسلام، الدین اور الاسلام سے مراحل دور ہے، اب اگر رواداری برتنی اور وسعت نظر پیدا کرنی ہے، تو دین موسیٰ اور دین عیسیٰ اور اصل توراۃ اور اصل انجیل کی تعلیمات کو صحیح باور کرنے کے متعلق، نہ کہ نبیون کے قاتل اور رسولون کے مکذب یہود، اور توحید کو چھوڑ کر تثلیث کے پوجنے والے اور خدا کی حرام کی ہوئی چیزون کو حلال کرنے والے نصاریٰ کے ساتھ،

اگر یہود و نصاریٰ کے ساتھ یہی وسعت نظر اور مذہبی رواداری اسلام کی تعلیم ہوتی، تو قرآن پاک مین جابجا اونکو

قبول اسلام، تصدیق قرآن اور ایمان رسول کی دعوت کیون دیجاتی، اور یہ کیون کہا جاتا، کہ

"اگر وہ ایمان لے آئے تو اونھون نے ہدایت تامہ (صراط مستقیم) حاصل کرلی" (فان اسلموا فقد

اھتدوا، آل عمران ۲۵) فان آمنوا بمثل ما امنتم بہ فقد اھتدوا بقرہ ۱۶)

اور اسی کو سورۂ بقرہ مین یون فرمایا گیا ہے:-

والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل	جو اوسکو جو تیری طرف (اے پیغمبر) اوترا اور تجھ سے پہلے
من قبلک وبالآخرۃ ھم یوقنون اولٰئک علی	اوترا، دونون کو مانتے ہین، اور پچھلی زندگی پر یقین رکھتے
ھدی من ربھم واولٰئک ھم المفلحون (بقرہ ۱)	ہین، وہی اپنے پروردگار کی ہدایت پر ہین، اور وہی

اور اسی طرح سورۂ اعراف مین کہا گیا واتبعوہ لعلکم تھتدون "اور اوس رسول کی پیروی کرو، کہ سیدھی راہ پاؤ"

پھر ذیل کی دو آیتون مین بیان فرمایا:-

ان الدین عند اللہ الاسلام وما اختلف	بیشک دین خدا کے نزدیک اسلام ہے، اور جن کو
الذین اوتوا الکتٰب الا من بعد ما جاءھم العلم	کتاب دیگئی، اونھون نے علم آنے کے بعد ہمین آپس کی
بغیا بینھم ومن یکفر بآیٰت اللہ فان	ضد کی وجہ سے اختلاف کیا، اور جو اللہ کی آیتون کا انکار کریگا
اللہ سریع الحساب فان حاجوک	تو اللہ جلد حساب لینے والا ہے، تو اگر (اے پیغمبر) یہ تجھ سے پھر
فقل اسلمت وجھی للہ ومن اتبعن	کج بحثی کرین، تو کہدے کہ مین نے اور میرے پیروون نے تو اپنے
(آل عمران ۲)	کو خدا کا تابع فرمان (مسلم) کر دیا،

"الاسلام" کے عقائد مین یہ دو چیزین داخل ہین، خدا کی توحید اور رسولون کی تصدیق، یہود دوسری دفعہ مین اور

نصاریٰ پہلی اور دوسری دونون مین ناکام ہین، اس لئے ہدایت سے محروم اور نجات و سعادت کی راہ سے سون دور ہین، قرآن کہتا ہے

افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من	کیا وہ دین الٰہی کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہین، حالانکہ جو
فی السمٰوٰت والارض طوعا وکرھا والیہ یرجعون	بھی آسمانون مین اور زمین مین ہے وہ خوشی سے یا مجبوراً

قل آمنّا وما انزل علینا وما انزل علی ابراهیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ والنبیون من ربهم لا نفرق بین احد منهم ونحن له مسلمون. ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وهو فی الآخرة من الخاسرین۔

خدا کا مسلم یا فرمانبردار ہے، اے پیغمبر کہہ کہ ہم اللہ پر اور جو اوس نے ہم پر اوتارا اور جو ابراہیم پر اسمٰعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب اور اون کی اولاد پر اوترا، اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ اور سب پیغمبرون کو اون کے رب کی طرف سے ملا ہم سب کی صداقت کو تسلیم کرتے ہین، اون مین سے کسی مین کوئی فرق نہین کرتے اور ہم اوسی خدا کے مسلم یعنی فرمانبردار ہین اور اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہیگا تو وہ اوس سے قبول نہ ہوگا، اور آخرت مین وہ نقصان اٹھانے والون مین سے ہوگا۔

یہ آیت صاف بتا رہی ہے کہ الاسلام کی حقیقت کیا ہے اور یہ بھی اعلان کر دیا کہ جو دین اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین قبول کریگا، وہ مقبول نہ ہوگا، اور آخرت مین وہ نقصان اٹھانے والون مین ہوگا، اور خاص اہل کتاب کو خطاب کرکے یہ بھی تصریح فرمائی

فآمنوا باللہ ورسولہ الامی۔ — تو اللہ اور اوس کے اس ان پڑھ پیغام رسان رسول پر ایمان لاؤ،

فان آمنوا بمثل ما آمنتم بہ فقد ھتدوا۔ — اگر وہ ایمان لے آئے اوسی طرح جس طرح تم ایمان لائے تو اونھون نے ہدایت پالی

سورۂ حدید ع ۴ مین رسولون کے مبعوث کرنیکے عمومی ذکر کے بعد حضرت نوحؑ و ابراہیمؑ اور اونکے خاندانون کے انبیا کا تذکرہ کرکے حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کا ذکر آتا ہے اور پھر اون کے متبعین کی نیکیان اور گمراہیان بتا کر رسالت محمدیؐ اور اوسکے اتباع کا یون ذکر آیا ہے،

وقفینا بعیسیٰ ابن مریم وآتیناه الانجیل وجعلنا فی قلوب الذین اتبعوه رافة ورحمة ورهبانیة ابتدعوها ما کتبناها علیهم الا ابتغاء رضوان اللہ فما رعوها حق رعایتها فآتینا الذین آمنوا منهم اجرهم

اور ان کے پیچھے ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا اور اوسکو انجیل دی، اور جو لوگ اوس کے پیرو ہوئے اونکے دلون مین نرمی اور رحم ڈال دیا، اور ایک دنیا چھوڑنا اونھون نے نیا نکالا ہم نے نہین لکھا تھا اون پر مگر اللہ کی رضامندی چاہنی، پھر نہ نباہا اوسکو جیسا چاہئے تھا نباہنا، پھر دیا ہم نے اون کو جو ان مین ایمان لائے تھے

وکثیر منهم فاسقون۔ یاایها الذین آمنوا	اونکا اجر، اور ان میں سے اکثر نافرمان ہوئے ایمان والو اللہ
اتقوا اللّٰه وآمنوا برسوله یؤتکم کفلین من رحمته	سے ڈرتے رہو اور ایمان لاؤ اوس کے رسول پر کہ تم کو اپنی
ویجعل لکم نورًا تمشون به ویغفر لکم و	رحمت سے دوگنا دے اور رکھ دے تم میں ایسی روشنی جس میں تم چلو،
اللّٰه غفور رحیم لئلا یعلم اهل الکتاب الا	اور تم کو معاف کرے اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے، تاکہ اہل
یقدرون علی شیئ من فضل اللّٰه وان الفضل بید اللّٰه	کتاب یہ نہ سمجھیں کہ تم پر اللہ کا فضل نہیں اور فضل تو اللہ کے ہاتھ
یؤتیه من یشاء واللّٰه ذو الفضل العظیم	میں ہے دیتا ہے جسکو چاہتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے،

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نصاریٰ اپنے ابتدائی عہد میں اعمال خیر انجام دیتے رہے، پھر بے راہروی اختیار کی، اور اس دین کو قائم نہ رکھ سکے جسکی اونھیں تلقین کی گئی تھی، اور فسق و فجور میں مبتلا ہوگئے، اون کے اس فسق و فجور کی تشریح سورۂ مائدہ ع ۱۶ میں اس طرح تفصیل سے آئی ہے، واذ قال اللّٰه یٰعیسی ابن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰهین من دون اللّٰه .... قال .... ما قلت لهم الا ما امرتنی به ان اعبدوا اللّٰه ربی وربکم وکنت علیهم شهیدا ما دمت فیهم الآیۃ

"اور پوچھے گا اللہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا کو چھوڑ کر اپنا معبود بنالو... عیسیٰ کہیں گے .... میں نے اون سے کچھ نہیں کہا، بجز اسکے جو تو نے مجھے حکم دیا کہ میرے اور اپنے پروردگار اللہ کی عبادت کرو، اور جبتک میں اون کے درمیان رہا، اوس وقت تک کا میں گواہ ہوں، (کہ وہی کہتے رہے)"

ان نصاریٰ کا یہی فسق و فجور ہے، جس کو حضرت عیسیٰ کے بعد اونھوں نے اختیار کر لیا ہے، اسلئے آیت "ان الذین ھادوا والصابئون والنصاریٰ" سے دور حاضر کے نصاریٰ کیونکر مراد ہو سکتے ہیں، کہ اونھیں سورۂ حدید کی ان آیات میں اپنے فسق و فجور کو ترک کرکے رسالت محمدی کے اقرار اور دین محمدی کے اتباع کی تلقین کیگئی، اور یہ بتایا گیا کہ نجات کا یہی ذریعہ ہے اور اسی لیے اس سلسلۂ بیان کی آخری آیت میں اہل کتاب کے اس تخیل کا بطلان کیا گیا کہ لئلا یعلم اهل الکتاب الآیۃ "اہل کتاب یہ نہ سمجھیں کہ دین محمدی کے متبعین پر اللہ کا فضل نہ ہوگا، بلکہ یہ فضل جو ذریعہ نجات و سعادت ہے، خدا کے ہاتھ میں ہے وہ جسکو چاہتا ہے اسکے لئے چن لیتا ہے، اور وہ اسلام کے انہی متبعین کو اپنے فضل کے لئے منتخب فرماتا ہے، جس سے وہ فائز المرام ہوں گے۔

نجات و سعادت کی راہ کو عام کر دینے میں سب سے زیادہ استشہاد سورۂ مائدہ کی اس آیت سے کیا گیا ہے،

ان الذین آمنوا والذین ھادوا والصابئون والنصریٰ من آمن باللہ والیوم الآخر وعمل صالحا فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔

البتہ جو مسلمان ہیں، اور جو یہود ہیں، اور صابئین اور نصاریٰ جو کوئی ایمان لاوے اللہ پر اور پچھلے دن پر اور عمل کرے نیک

اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نجات کے لئے محض "ایمان باللہ" "ایمان بالآخرۃ" "اور عمل صالح" شرط ہے، خواہ وہ مسلمان ہو کہ یہودی، صابی ہو کہ نصرانی،

لیکن اس آیت کی اس تفسیر میں اصولی غلطی یہ سرزد ہوتی ہے کہ اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سے یہودیت، نصرانیت اور صابئیت کی تصویب اور تصدیق کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ یہودی مذہب پر ہو، نصرانی مذہب پر ہو، یا صابئی مذہب پر ہو، اگر خدا پر ایمان آخرت پر ایمان اور ایمان اور عمل صالح ہو، تو نجات کے لئے کافی ہے، لیکن یہ غور نہیں کیا جاتا کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ قرآن کی زبان سے یہودیت یعنی رسولوں کے انکار اور حیلہ جوئی، اور ظاہری رسوم پرستی، اور نصرانیت یعنی تثلیث وصلیب پرستی اور صابئیت یعنی ستارہ پرستی کی سچائی کا اعتراف کرایا جارہا ہے اور اس کے علاوہ کیا تثلیث پرستی اور ستارہ پرستی کے ساتھ ایمان باللہ کا اجتماع تضاد نہیں،

واقعہ یہ ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں کے نام مذہب کی حیثیت سے نہیں، بلکہ قومیت کی حیثیت سے ہیں، یعنی خواہ یہودی قوم سے ہو یا نصرانی قوم سے ہو یا صابئی قوم سے ہو، جو بھی ہو اگر وہ ایمان اور عمل صالح سے متصف ہے تو اس کے لئے نجات کا دروازہ کھلا ہوا ہے، جو لوگ اس آیت کے سیاق و سباق کو چھوڑ کر صرف اسی پر نظر ڈال لیتے ہیں وہ حقیقت میں وانتم سکاریٰ کو چھوڑ کر صرف لا تقربوا الصلاۃ کی تفسیر کرتے ہیں، اسلئے ضرورت ہے کہ اس آیت کو اسکے سیاق و سباق کیساتھ دیکھا جائے

یہ پوری سورۂ مائدہ اہل کتاب کے ذکر میں ہے، اہل کتاب کا مسلسل تذکرہ ہونے کے بعد اون سے اولاً ایمان کا مطالبہ ان الفاظ میں کیا جاتا ہے، ولو ان اھل الکتاب آمنوا۔ الآیۃ "اور اگر اہل کتاب (قرآن پر) ایمان لے آتے۔۔۔ تو۔۔۔" اس کے بعد آنحضرت صلعم کو مخاطب فرما کر کہا جاتا ہے، یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک الآیۃ "اے پیغمبر اون اہل کتاب تک جو پیغام تیرے پاس تیرے رب کی جانب سے آیا ہے وہ پہنچا" اس کے بعد پھر اہل کتاب سے یوں خطاب ہے، قل یا

الکتب لستم علی شیٔ حتی تقیموا التوراۃ والانجیل وما انزل الیکم من ربکم الایہ" اے اہل کتاب تم کسی چیز پر نہین ہو، جب تک کہ توراۃ و انجیل اور اوس چیز کو جو تمھارے پاس تمھارے رب کے پاس سے بھیجی گئی ہے قائم نہ کرو"، اس موقع پر ما انزل الیکم من ربکم سے مراد توراۃ و انجیل سے ماوراء پیغام الٰہی ہے اور یہی قرآن ہے جسکی تشریح ان الفاظ مین مسلسل بیان مین اسی کے ساتھ یون ہے، ولیزیدن کثیرا منھم ما انزل الیک من ربک طغیانا وکفرا فلا تاس علی القوم الکفرین "جو کچھ تجھ پر اوتارا گیا (یعنی قرآن) وہ بہتیرون کی سرکشی اور نا فرمانی کے زیادہ ہونے کا ضرور باعث ہوگا ان نافرمان لوگون پر کچھ غم نہ کھا"، اس کے بعد وہی آیت مذکورۂ بالا ہے، ان الذین آمنوا والذین ھادوا، الایۃ دیکھو کہ اوپر کی آیت مین "تنزیل محمدی" کے نہ ماننے والون کو "کافرین" کی فہرست مین داخل کیا گیا ہے،

اب غور طلب ہے کہ جب یہود و نصاریٰ سے اس آیت سے پہلے کی آیت مین قرآن اور اوس کے رسول پر ایمان کا مطالبہ کیا گیا تو اس مطالبۂ ایمان کے ساتھ اس آیت والذین ھادوا والصابئون والنصاریٰ کا اس تفسیر کے ساتھ کیا جوڑ ہو سکتا ہے، جو نجات و سعادت کی راہ مین عموم دکھانے کے لئے بیان کیجاتی ہے، اور مزید بران اس آیت کے بعد لقد اخذنا میثاق بنی اسرائیل وارسلنا الیھم رسلا "ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور اون کے پاس رسول بھیجے" کہکر ارسال رسل کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور اوس کے بعد بنی اسرائیل کے عادات تکذیب و قتل انبیاء کا ذکر کر کے کہا گیا، وحسبوا الا تکون فتنۃ فعموا وصموا ثم تاب اللہ علیھم ثم عموا وصموا کثیر منھم واللہ بصیر بما یعملون، "اور وہ سمجھے کہ کوئی فتنہ نہ ہوگا، پس اندھے اور بہرے ہو گئے، پھر خدا نے اون کی توبہ قبول کر لی، پھر بہت سے اندھے اور بہرے ہو گئے اور یہ جو کچھ کر رہے ہین اللہ اوس کو دیکھ رہا ہے"، اسمین پہلی مرتبہ "فعموا وصموا" پس اندھے اور بہرے ہو گئے سے مراد اون کے دین نصرانیت سے انکار کرنے کے ہین، پھر ثم تاب اللہ علیھم پھر اللہ نے اون کی توبہ قبول کی" سے مراد رسالت محمدی کا اقرار کر کے ان کے گناہون کے دھونے کی خبر ہے، مگر پھر ثم عموا وصموا کثیر منھم کہکر بتا دیا گیا کہ ان مین سے اکثر نے رسالت محمدی کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور نور کے دیکھنے اور حق کو سننے سے انکار کر دیا، اور پھر واللہ بصیر بما تعملون کہکر بتا دیا گیا کہ اون کے رسالت محمدی کو قبول نہ کرنے مین جو کرتوت ہو رہے ہین، اللہ انہین دیکھ

رہا ہے، اور ایک دن وہ آنے والا ہے، جب اونکی پاداش اونھین ملے گی،

پھر یہود کے اس ذکر کے بعد اس کے آگے انفرادی طور پر نصاریٰ کا ذکر آتا ہے اور اون کے مشرکانہ عقائد لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم ... ان اللہ ثالث ثلثۃ "یقینی کفر کیا ان لوگون نے جنھون نے کہا اللہ وہی مسیح ابن مریم ہے ..... اللہ انھی تین مین کا تیسرا ہے ..... ،، اور اس انفرادی ذکر کے بعد پھر یہود و نصاریٰ کے کفر و شرک کا یکجا بیان ہے اور اسکے بعد کہا گیا ولو کانوا یومنون باللہ والنبی وما انزل الیہ ما اتخذوھم اولیاء الآیہ اگر وہ اللہ پر اور اوس نبی پر اور اوس چیز پر جو اوس پر اوتاری گئی، ایمان لاتے تو وہ مشرکین کو دوست نہ بناتے ..... ،، اور اوسکے بعد اون اہل کتاب کا ذکر آیا جنھون نے رسالت محمدی قبول کرلی، واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق یقولون آمنا فاکتبنا مع الشاھدین ومالنا لانؤمن باللہ وما جاءنا من الحق ونطمع ان یدخلنا ربنا مع القوم الصالحین،" اور جب وہ اوس چیز کو سنتے ہین، جو اس رسول پر اوتاری گئی تو تو دیکھتا ہے کہ اون کی آنکھون سے آنسو جاری ہوجاتے ہین کیونکہ اونھون نے حق کو پہچان لیا ہے، اور کہتے ہین کہ ہم ایمان لائے اور تصدیق کرنے والون مین ہم کو بھی لکھ لے، کیا ہو ہمارے لئے کہ ہم نہ ایمان لائین اللہ پر اور جو چیز ہمارے پاس حق کے ساتھ آئی، اور طمع نہ کرین کہ اسے اللہ ہمکو داخل کرے پاکباز و نکے گروہ مین (مائدہ ۱۱-۹)

اسلئے نجات وسعادت کی راہ مین بظاہر وہ عموم دکھانے والی آیت دراصل اون یہود کے جواب مین ہے، جو مسلمانون سے کہا کرتے تھے، کہ نجات صرف یہود کے لئے مخصوص ہو چکی ہے، اور اگر اون آیات کی وہ مذکورہ بالا تشریحات صحیح نہین تو پھر ان تمام مسلسل آیات مین ربط باہمی کیا ہو سکتا ہے، اور سلسلہ بیان کو "مطالبۂ ایمان" سے شروع کرکے "ایمان نہ لانے" پر ختم کرنے کے کیا معنی ہو سکتے ہین؛

اس کے علاوہ قرآن مجید مین ایک سے زیادہ مواقع پر اسکی شہادت موجود ہے کہ "ایمان باللہ" کی اصطلاح مین ایمان بالرسول بھی ضمناً داخل ہے سورۂ تغابن مین فرمایا :-

فآمنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا	پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے اوتارا ہے
واللہ بما تعملون خبیر یوم یجمعکم	اور اللہ کو تمھارے کام کی خبر ہے، جب تم کو اکٹھا کریگا جمع ہونیکے
لیوم الجمع ذلک یوم التغابن ومن	دن، وہ دن ہے ہار جیت کا، اور جو کوئی ایمان لائے اللہ پر نیک کام

یومن باللہ ویعمل صالحاً یکفر عنہ سیاتہ ویدخلہ جنت (تغابن ۱۶)	کرے، اوس سے اوسکی برائی دور کریگا اور اوسکو ایسے باغون مین
تجری من تحتہا الانہار خالدین فیہا ابدا ذالک الفوز العظیم	داخل کریگا کہ جن کے نیچے نہرین بہتی ہین اور اوسمین ہمیشہ رہین گے

یہان "ایمان باللہ" "بالرسل" اور "بالنور" کی دعوت دیگئی "نور" سے مراد قرآن ہے، اور اس کے بعد یوم حشر کا ذکر کرکے صرف "ایمان باللہ" اور حسن عمل کا ذکر ہے، تو اگر ایمان باللہ کے اندر ایمان بالرسول کا تصور نہ ہو، تو اس آیت کے اول وآخر مین صریح تضاد ثابت ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ ایمان باللہ مین ایمان "بالرسل" اور "بالنور" بھی داخل ہے، اور یہی "فوز عظیم" ہے،

سورۂ حشر مین یہود کی جلاوطنی کے ذکر مین کہا گیا،:-

ذالک بانہم شاقوا اللہ ورسولہ ومن	اور یہ اسلئے کہ اونھون نے اللہ اور اوسکے رسول کی مخالفت کی
یشاق اللہ فان اللہ شدید العقاب (حشر ۱۴)	اور جو کوئی اللہ کی مخالفت کرے تو اللہ سخت عذاب دیگا،

اسمین "شاقوا اللہ ورسولہ" اللہ اور اوس کے رسول کی مخالفت کی" کہکر بعد کو صرف "من یشاق اللہ" "اور جو اللہ کی مخالفت کرے" کہا جاتا ہے جس سے مراد اللہ اور رسول دونون کی مخالفت ہوتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی مخالفت مین رسول کی مخالفت بھی داخل ہے

اسی طرح سورۂ مجادلہ رکوع ۳ مین ہے،:-

لاتجد قوما یومنون باللہ والیوم الآخر	تو نہ پائیگا کوئی ایسی قوم جو ایمان رکھتے ہون اللہ پر اور پچھلے دن
یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا	پر پھر دوستی کرین ایسون سے جو مخالف ہوئے اللہ کے اور اوسکے رسول کے
اباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم	گو وہ اون کے باپ ہون ان کے بیٹے یا اونکے خاندان ہی کیون نہ
اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم	ہون یہی ہین جنکے دلون کے اندر خدا نے ایمان لکھ دیا ہے، اور اونکی مدد
بروح منہ ویدخلھم جنت تجری من تحتہا	کی ہے اپنے فیضان غیبی سے اور داخل کریگا اونکو باغون مین
الانہار خالدین فیہا رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ	جنکے نیچے نہرین بہتی ہین، وہ ہمیشہ اونھی مین رہین گے، اللہ اون سے
اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ ھم المفلحون	راضی ہوا، اور وہ اوس سے راضی ہوئے، یہی ہین اللہ کی جماعت

یہ آیتین اس حقیقت کو واضح طور پر بتا رہی ہین کہ جو "ایمان باللہ" اور "ایمان بالآخرۃ" رکھتا ہو، وہی ہے جو اس رسالت

محمدی کو بھی تسلیم کرے کہ اس آیت میں "رسولہ" سے مراد محمد رسول اللہ صلعم کی ذات مبارک ہی ہے، کہ جب مشرکین عرب عداوت رکھتے تھے، اور جب محمد رسول اللہ صلعم کے دشمنوں کے دوست و احباب تک "ایمان باللہ" اور "ایمان بالآخر" سے متصف نہیں ہو سکتے تو پھر یہود و نصاری جنکی دشمنیاں آنحضرت صلعم کے ساتھ مسلم ہیں، وہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرة سے کیونکر موصوف کئے جا سکتے ہیں، اس آیت میں پوری تصریح ہے کہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرة کے ساتھ رسالت محمدی کا انکار جمع نہیں ہو سکتا، اسی لئے پھر آگے چلکر ایمان کو اونھی لوگوں کے دلوں میں محصور کر دیا گیا، جو دین محمدی کا اتباع کریں، جو حقیقت میں الاسلام اور الدین ہے، اور پھر اسی گروہ کو رضوان الٰہی کی بشارت ملی، اسکو حزب الٰہی سے موسوم کیا گیا، اور پھر اللہ کے اسی گروہ کو فلاح و سعادت اور نجات کی خوشخبری سنائی گئی، اُولٰئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ،

ہمارے نزدیک ان تمام غلط فہمیوں کا منشا صرف تین باتیں ہیں،

۱- اسلام (وہ دین جو محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ آیا) اور الاسلام یقیناً دونوں ایک ہیں لیکن الاسلام کی حقیقت میں یہ داخل ہے کہ خدا کی توحید اور تمام رسولوں کی صداقت تسلیم کیجائے پس جو ان دونوں میں سے کسی ایک میں بھی متشکک یا منکر ہے وہ الاسلام سے دور رہے؛

۲- قرآن پاک دین موسیٰ اور دین عیسیٰ علیہما السلام اور اون کے اصل صحیفوں کو تسلیم کرتا ہے، یہودیت اور نصرانیت اور اون کی بنائی ہوئی کتابوں کو نہیں، دین موسیٰ اور یہودیت اور دین عیسیٰ اور نصرانیت یہ دونوں ایک نہیں دو چیزیں ہیں،

۳- قرآن پاک نے اہل کتاب کو سب سے پہلے اس عالمگیر صداقت کے دین کو جو الاسلام کا مرادف ہے، اور جسکو اسلام کہتے ہیں، ماننے کی دعوت دی ہے، تاکہ وہ کامل ہدایت پائیں، لیکن اگر وہ اوس کو نہ مانیں تو دوسری دعوت اصل مقصد سے اوتر کر بسبیل تنزل یہ دی ہے کہ وہ اپنے ہی مذہب پر پوری طرح عمل کریں، کہ اوس سے بھی اسلام پورا نہیں تو اسلام کا قرب تو حاصل ہوگا، لیکن قرآن کے اس کہنے سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ قرآن نے یہودیت اور نصرانیت اور اون کی تحریف شدہ کتابوں کی صداقت کو تمام تر تسلیم کر لیا ہے، پس نتیجہ بحث یہ ہے:-

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (السباء ۳)

اور (اے پیغمبر) ہم نے تمکو تمام لوگوں کیلئے خوشخبری سنانیوالا اور ہشیار کرنیوالا بنا کر بھیجا، لیکن بہت سے لوگ بے خبر ہیں،

حکیم سنائی کے سنین عمر

از

سید سلیمان ندوی،

شیخ ابوالمجد مجدود بن آدم سنائی کے متعلق اتنا بالاتفاق ثابت ہے کہ انھون نے سلطان بہرامشاہ غزنوی (۵۱۲ھ سے ۵۴۷ھ[1]) اور سلطان سنجر سلجوقی (۵۱۱ھ سے ۵۵۲ھ) کا زمانہ پایا ہے، لیکن انکی عمر کے سنین مین بیحد اختلافات ہین، نظامی عروضی جس نے تقریباً ۵۵۰ھ مین اپنی کتاب چہار مقالہ لکھی ہے، اُسنے سنائی کا نام غزنوی سلاطین (آل ناصر) کے شعرار مین سب سے آخر مین لیا ہے، (ص ۲۸ گب) عوفی نے لباب الالباب (۶۱۸ھ) مین حسب دستور کوئی تاریخ وسنہ درج نہین کیا ہے، حمداللہ قزوینی نے گزیدہ مین جو ۷۳۰ھ مین لکھی گئی ہے، دو جگہ ان کا ذکر کیا ہے، ایک مشائخ کے سلسلہ مین اور دوسرے شعرار کے ضمن مین، پہلے موقع پر لکھا ہے:-

"معاصر شیخ ابوسعید ابوالخیر بود" (ص ۷۹۴، گب)

شیخ ابوسعید ابوالخیر کی وفات ۴۴۰ھ مین ہوئی ہے، اس بنا پر سنائی کی تاریخ زندگی بھی اسی کے پس وپیش ہونی چاہئے، لیکن دوسری جگہ اس مین لکھا ہے:-

"تا زمان سلطان بہرامشاہ (غزنوی) در حیات بود" (ص ۸۲۱ گب)

بہرامشاہ غزنوی کی سلطنت کا زمانہ ۵۱۲ھ سے ۵۴۷ھ تک ہے، اس لحاظ سے ان کی تاریخ وفات اسی عہد

---

[1] بہرامشاہ کی وفات کا سال گزیدہ مین ۵۴۴ھ ہے، طبقات ناصری مین ۵۵۲ھ ہے، بدایونی مین ۵۴۷ھ ہے، برٹش میوزیم لائبریری کی فہرست مخطوطات (ص ۵۴۹ ج ۲) مین ۵۴۸ھ ہے، مگر زیادہ تر مورخین ۵۴۷ھ ہی لکھتے ہین،

کے درمیان ہونی چاہئے،

مولنا جامی نے نفحات مین نقل کیا ہے کہ سنائی نے سلطان محمود کی مدح مین قصیدہ لکھا تھا، سلطان محمود نے ۴۲۱ھ مین وفات پائی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنائی کی ولادت چوتھی صدی کے اواخر مین ہوئی ہوگی، اور پانچوین صدی کے شروع مین اس قابل ہونگے کہ سلاطین کے لیے مدحیہ قصیدے کہہ سکین، مگر خود اسی نفحات مین مولنا نے ان کا ایک ہی سال وفات (گو بقول بعض، لکھ کر نقل کیا ہے) اور وہ ۵۲۵ھ ہے، اور یہ دونون باتین صحیح نہین ہوسکتین، ورنہ ان کی عمر شاید سوا سو برس سے زیادہ کی ماننی پڑیگی،

حکیم موصوف کے سال وفات مین بھی اختلافات ہین، جنکی تفصیل آگے آئیگی، ان مشکلات کے حل کی صورت یہ ہے کہ پہلے سنائی کی مشہور مثنوی حدیقہ کی تصنیف کی تاریخ متعین کیجائے،

حدیقہ کا سال تصنیف حکیم سنائی نے اپنی مثنوی حدیقہ کے آخر مین اپنی اس کتاب کی تصنیف کا سال لکھا ہے، مگر عجیب تر یہ ہے کہ اس کے قلمی اور مطبوعہ دونون قسم کے نسخون مین یہ تاریخی شعر کئی طرح پر ہے، اکثر نسخون مین تو یہ ہے:-

پانصد و بست و چار رفتہ ز عام پانصد و بست و پنج گشتہ تمام

اس سے تصنیف کی تاریخ ۵۲۴ھ سے ۵۲۵ھ تک معلوم ہوتی ہے، لیکن یہی شعر لکھنو کے شاہی کتبخانہ کے ایک نسخہ مین (دیکھو اسپرنگر کی فہرست) اور نیز شرح حدیقہ کے قلمی نسخہ (انڈیا آفس لائبریری) مین اور بعض دوسرے قلمی نسخون مین اس طرح ہے:

پانصد و سی و چار رفتہ ز عام پانصد و سی و پنج گشت تمام

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ۵۳۴ھ مین شروع اور ۵۳۵ھ مین تمام ہوئی،

لیکن نولکشور لکھنو کے مطبوعہ نسخہ مین اور ایک دو قلمی نسخون مین (دیکھو فہرست میونک یونیورسٹی لائبریری) یون ہے:

پانصد و بست و چار رفتہ ز عام پانصد و سی و پنج گشت تمام

یہ شعر بتاتا ہے کہ حدیقہ ۵۲۴ھ مین شروع اور ۵۳۵ھ مین تمام ہوئی، یعنی دس برس مین،

میونک یونیورسٹی کے ایک نسخہ مین اس آخری قرأت کی ایک اور تصحیف ہے

ماہ بست وچہار رفتہ ز عام   پانصد وبست وپنج گشتہ تمام

بوڈلین کے ایک نسخہ مین حسب معمول "پانصد وبست وچار اور پانصد وبست وپنج" ہے، لیکن دوسرے مین (۵۲۴ھ) ایک اور تغیر ہے،

پانصد وبست وچار رفتہ ز عام   پانصد سی وچار گشتہ تمام

اس مین ۵۲۴ھ مین آغاز اور ۵۳۴ھ مین انجام بیان ہوا ہے،

بہرحال ان مین سے کوئی سا نسخہ بھی اختیار کیا جاے، اتنا تو بے شبہہ ثابت ہو کہ حکیم موصوف کا زمانہ پانچوین صدی کے اواخر سے لیکر چھٹی صدی کے اواسط تک ہے، اور اسکے خلاف کی سب روایتین قطعاً غلط ہین،

اب یہ سوال ہو کہ ان مختلف نسخون مین سے کون صحیح ہے، تو اس کے جواب مین حسب ذیل مراتب طے کرنے ہین،

۱- اکثر نسخون مین ۵۲۴ھ-۵۲۵ھ ہے،

۲- متعدد نسخون مین ۵۳۴ھ-۵۳۵ھ ہے،

۳- ایک دو نسخون مین ۵۲۴ھ-۵۳۵ھ ہے،

۴- ایک مین ۵۲۴ھ-۵۳۴ھ ہے،

پہلے اور دوسرے نسخون کی بنا پر تصنیف کی مدت ایک سال ہوتی ہے، اور تیسرے چوتھے کی بنا پر دس سال، یہ دس سال کی مدت تصنیف حسب ذیل وجوہ سے ناقابل قبول ہے،

۱- یہ اکثر معتبر و مستند نسخون کے خلاف ہے،

۲- سنائی نے ۵۲۸ھ مین اپنی مثنوی طریق التحقیق لکھی ہے، جیسا کہ اس مثنوی کے آخر مین ہے، (فہرست انڈیا آفس لائبریری)

پانصد وبست وہشت ز آخر سال   بود کین نظم نغز یافت کمال

ظاہر ہے کہ پہلی مثنوی کے تمام ہونے کے بعد ہی سنائی نے یہ دوسری مثنوی شروع کی ہوگی، تصانیف اور خصوصاً نظمیہ، اور وہ بھی ہم مضمون نظمیات کے ظاہر حال کے یہ خلاف ہے کہ ایک کو ناتمام چھوڑ کر دوسری کو

شروع کر دیا جائے، کہ ایک ہی قسم کے ذوقیات اور ایک ہی قسم کے وزن میں تغیر اور تبدل کی ضرورت قرائن کے خلاف ہے،

۳- اس شعر کے اوپر ایک اور شعر سب نسخون مین ہے جسمین مہینون کا ذکر ہے، ان دونون شعرون کو ملا کر پڑھنے سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسکی تصنیف مین ایک سال صرف ہوا ہے، وہ شعر یہ ہین،

شد تمام این کتاب در مہ دئی | کہ در آذر فگندم این را پی
پانصد و بست و چار رفتہ ز عام | پانصد و بست و پنج گشتہ تمام
(سی) (سی)

آغاز و انجام کے مہینون کا یہ حساب اسی وقت پیش کیا جاتا ہے، جب حساب سال کے اندر یا سال کے قریب ہو، اس قرینہ سے اُس قرات کی تصدیق ہوتی ہے جس سے تصنیف کی مدت ایک سال ثابت ہوتی ہے، ایک سال کے آذر سے لیکر دوسرے سال کے دئی تک ٹھیک ایک سال ہوتا ہے، اس سے اکثر نسخون کے مطابق یہ تصریح نکلتی ہے کہ ماہ آذر ۵۲۴ھ سے شروع ہو کر ماہ دی ۵۲۵ھ مین تمام ہوئی، اور یا بعض نسخون کے مطابق یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ماہ آذر ۵۳۴ھ سے تصنیف کا آغاز اور ماہ دی ۵۳۵ھ مین اسکا انجام ہوا،

اگر مدت دس گیارہ برس ہوتی (۵۲۴ھ سے ۵۳۵ھ یا ۵۳۴ھ تک) تو آغاز و انجام کے مہینون کا پیش کرنا بیسود ہو جاتا ہے،

۴- شعرا اس قسم کی تاریخ کا اظہار فخریہ کرتے ہین، ایک سال مین (یعنی ۵۲۴ھ - ۵۲۵ھ یا ۵۳۴ھ - ۵۳۵ھ) اس کتاب کا تصنیف پانا تو وجہ افتخار بن سکتا ہے، مگر دس گیارہ برس کی محنت شاقہ مین اس کا تصنیف پانا سنائی کیا کسی معمولی شاعر کے لیے بھی افتخار کی وجہ نہین ہو سکتی،

ان قرائن کی بنا پر ۵۲۴ھ - ۵۳۵ھ کا نسخہ ناقابل اعتبار ہو جاتا ہے، اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صحیح وہی نسخہ ہے جس سے اسکی تصنیف کی مدت ایک سال ثابت ہو،[1] اب اگر ۵۲۴ھ - ۵۲۵ھ کا نسخہ صحیح ہے تو ثابت ہوگا کہ حدیقہ پہلے اور طریق التحقیق ۵۲۸ھ مین بعد کو لکھی گئی، اور اگر دوسرا نسخہ ۵۳۴ھ - ۵۳۵ھ صحیح ہو تو معلوم ہوگا کہ طریق التحقیق ۵۲۸ھ

[1] وسیع النظر پروفیسر شیرانی کا تنقید شعر العجم ذکر سنائی مین "بست و چار دی و پنج" کے نسخہ کو بلا دلیل تسلیم کر کے یہ نتیجہ نکالنا کہ سنائی حدیقہ کی تصنیف مین دس برس مصروف رہے، (یعنی ۵۲۴ھ سے ۵۳۴ھ تک یا ۵۳۵ھ تک) درست نہین معلوم ہوتا، شاید ان کے پیش نظر صرف نول کشوری نسخہ رہا، "س"

مین پہلے اور حدیقہ ۵۳۴ھ بہ ۵۳۵ھ مین بعد کو نظم ہوئی،

اب ان دو نسخون مین سے جنمین سے ایک مین "بست چہار و بست و پنج" اور دوسرے مین "سی وچار وسی و پنج" ہو پہلا نسخہ میرے خیال مین صحیح تر ہے، کیونکہ حدیقہ کے اکثر و بیشتر نسخون مین بست وچار و بست و پنج ہی مذکور ہے،

چنانچہ ہندوستان اور یورپ کے جن کتبخانون کے نسخون کا حال معلوم ہو سکا ہے، ان مین علی العموم یہی تاریخ ہے، بمبئی کے نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۹ء مین جو ایرانیون نے چھاپا ہے یہی ہے، حاجی خلیفہ چلپی کے سامنے جو نسخہ تھا اس مین بھی یہی تھا، کشف الظنون مین ہے:۔

"فرغ من نظمہ سنۃ اربع وعشرین وخمسمائۃ"

مولنا جامی کے پیش نظر نسخہ مین بھی یہی تھا، نفحات مین ہے:۔

"تاریخ تمامی حدیقہ چنانچہ خود بنظم آوردہ سنۃ خمس وعشرین وخمسمائۃ بودہ است"۔

اس بنا پر اسی نسخہ "بست وچار و بست و پنج" کو صحیح تر ماننا چاہئے، اور یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ سنائی نے حدیقہ ماہ آذر ۵۲۴ھ مین شروع کی اور ایک سال مین ماہ دی ۵۲۵ھ مین تمام کی،

تاریخ ولادت | حکیم سنائی کی تاریخ ولادت عموماً اگلے تذکرون مین مذکور نہین، مگر بعض متاخرین نے ۴۳۷ھ ان کی ولادت کی تاریخ لکھی ہے، چنانچہ ریو نے تذکرۃ الافکار کے حوالہ سے یہی تاریخ نقل کی ہے (فہرست مخطوطات فارسی برٹش میوزیم ج ۲ ص ۵۴۹) شیر خان لودی نے صاحب مجمل فصیحی کی روایت سے اپنے تذکرہ مرآۃ الخیال (ص ۳۶ طبع کلکتہ) مین اور آزاد بلگرامی نے ید بیضا مین بھی یہی تاریخ ولادت درج کی ہے، مگر میرے نزدیک یہ قطعاً غلط ہے، یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حدیقہ اکثر و بیشتر نسخون کے مطابق ۵۲۴ھ یہ ۵۲۵ھ مین لکھی گئی ہے، اور بعض دوسرے نسخون کا اعتبار کیا جائے تو ۵۳۴ھ بہ ۵۳۵ھ مین تالیف ہوئی، حدیقہ کے تقریباً وسط مین ہے،

پای بر پای آمد از غم شصت | لاجرم دست می زنم بر دست
(باب الضعف والشیب)

عمر دادم بجملگی بر باد | بر من آمد ز شصت صد بیداد
(فی تبدیل الحال)

ان دونون شعرون سے ثابت ہے کہ حدیقہ کی تصنیف کے وقت سنائی کی عمر ساٹھ سال کی تھی، اب اگر ۵۲۴ھ کو وقت تصنیف مانا جائے تو ولادت کا سال ۴۶۴ھ نکلے گا، اور اگر ۵۳۴ھ مانا جائے تو ۴۷۴ھ ہوگا،

تاریخ وفات | سنائی کے سال وفات کے متعلق چار روایتین ہین،

۱- شیر خان لودی نے مجمل فصیحی کی روایت سے لکھا ہے کہ سنائی ۴۳۷ھ مین پیدا ہوے اور باسٹھ برس کی عمر پائی، اس حساب (۴۳۷+۶۲=۴۹۹) سے ۴۹۹ھ مین وفات واقع ہوتی ہے جو سرتاپا غلط ہے، کہ یہ حدیقہ وطریق التحقیق کی تصنیف سے اور بہرامشاہ و سنجر کی تخت نشینی سے پہلے کا واقعہ ہوگا، جو ہر طرح شائبہ صحت سے خالی ہے،

۲- مولانا جامی نے نفحات الانس مین بعض کا قول نقل کیا ہے کہ ۵۲۵ھ مین جس سال حدیقہ کی تصنیف ختم ہوئی، مصنف کی زندگی کا بھی خاتمہ ہوا،

بعد کے اکثر لوگون نے اس بعض کے قول کی بے تحقیق تقلید کی ہے،

۳- تقی الدین کاشانی نے اپنے تذکرہ خلاصۃ الاشعار و زبدۃ الافکار مین جو ۹۷۹ھ - ۹۹۳ھ کی تالیف ہے اور جس کے ابواب کا خلاصہ ڈاکٹر اسپرنگر نے اپنی فہرست کتبخانۂ شاہ اودھ مین دیدیا ہے، سنائی کی وفات کا سال ۵۴۵ھ نقل کیا ہے (فہرست مذکورہ ص۵۵)

۴- دولت شاہ سمرقندی نے تذکرہ مین اپنی مشہور بے احتیاطی کیساتھ سنائی کی وفات کا سال ۵۷۶ھ لکھا ہے،

اگرچہ ان مین سے کوئی بھی قدیم ترین اور قریب ترین شہادت نہین ہے، تاہم محققین حال نے متعدد وجوہ کی بنا پر تقی کاشانی کی روایت یعنی ۵۴۵ھ کے سال وفات کو معتبر قرار دیا ہے،

میرے نزدیک تو دولت شاہ کی ۵۷۶ھ والی روایت اس لیے قبول کے قابل نہین کہ جب ۴۶۴ھ مین ان کی ولادت ہوئی اور ۵۲۵ھ مین حدیقہ کی تصنیف کے وقت وہ ساٹھ سال کے تھے تو ۵۷۶ھ مین انکی عمر ایکسو گیارہ برس کی قرار پاتی ہے، اور یہ طول عمر ثبوت کا محتاج ہے، اور اسلیے بھی اس قدر متاخر تاریخ نہین مانی جاسکتی، کہ سنائی کی تصنیفات مین صرف بہرامشاہ اور سنجر دو بادشاہون کے نام آتے ہین، اور جیسا کہ معلوم ہوچکا ہے کہ بہرامشاہ غزنوی نے ۵۴۷ھ مین

اور سنجر سلجوقی نے ۵۵۲ھ مین وفات پائی ہے، اور ان کے بعد دوسرے سلاطین دونون خاندانون مین تخت نشین ہوئے ہین، اگر وہ دوسرون کا زمانہ بھی پاتے تو ان کے نام کے قصائد بھی سنائی کے کلام مین مل سکتے،

حکیم کے کلیات مین غزنویہ اور سلجوقیہ کے صرف ایک ایک بادشاہ کے نام کے قصیدے ہین، غزنویہ مین سلطان بہرامشاہ کے نام کے اور سلجوقیہ مین سنجر کے،

سلطان ہمہ مشرق بہرام شہ آنکو   بہرام سپہرش نسزد بندۂ در بر

خسرو خسرو نشان بہرام شہ سلطان حق   آنکہ بہرام فلک در سطوتش حیران بماند

آفتاب داد و دین سنجر کہ او را ہر زمان   اوّل القاب نوشروان ثانی آمدہ است

ان دونون بادشاہون کے زمانے بہت لمبے ہوئے ہین، بہرامشاہ کا عہد ۵۱۲ھ سے ۵۴۷ھ تک اور سنجر کا ۵۱۱ھ سے ۵۵۲ھ تک، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سنائی نے اول تو دربارون تک دیر مین رسائی پائی ہے، اور پھر ایک ایک بادشاہ سے زیادہ اپنا مربی نہین پایا،

پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ سنائی نے ۵۲۵ھ کی وفات کی صورت مین اپنے مربی و محسن بہرامشاہ کو ۵۴۷ھ مین اور سنجر کو ۵۵۲ھ مین مرتے ہوئے سنا لیکن ان کے اس سانحہ پر غم و حسرت کے دو قطرے بھی نہ بہائے، یہ تعجب خیز ہے، درآنحالیکہ معزّی شاعر کے سنجر کے ہاتھ سے اتفاقیہ مارے جانے پر وہ آنسو کے چند قطرے گراتے ہین، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت ان بادشاہون کی وفات کے وقت شاعر زندہ ہی نہ تھا،

۵۲۵ھ کی تاریخ وفات بھی کئی وجوہ سے ناقابل اعتبار ہے،

۱- سنائی نے اپنی دوسری مثنوی طریق التحقیق جسکا ذکر اوپر گذر چکا ہے ۵۲۸ھ مین لکھی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ وہ ۵۲۸ھ تک تو یقیناً زندہ تھے،

۲- حدیقہ کے بعض نسخون مین اس کا ۵۲۴ھ سے لیکر ۵۳۵ھ تک اور بعض کے رو سے ۵۳۴ھ سے ۵۳۵ھ تک تصنیف ہونا پایا جاتا ہے،

۴- سنائی نے امیر معزّی شاعر کے مرثیہ مین جس نے ۵۴۲ھ مین سلطان سنجر سلجوقی کے اتفاقی تیر سے زخم کھا کر وفات پائی ہی[1]، چند قطعے لکھے ہین، جنمین ایک کو آذر نے اپنے آتشکدہ مین درج کیا ہے، (ص ۱۵۳ بمبئی)

گر زہرہ بچرخ دوم آید نہ شگفت است در ماتم طبع طرب افزائے معزّی

از حسرت درہائے یتیمش چو یتیمان بنشست عطارد بعزائے معزّی

اور دوسرے کو مرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے حواشی چہار مقالہ مین نقل کیا ہے[2]،

تا چند معزّائے معزّی که خدایش زینجا بفلک برد و قبائے ملکی داد

چو تیر فلک بود قرینش سرہ آورد پیکان ملک برد، بہ تیر فلکی داد

اس سے معلوم ہوا کہ ۵۴۲ھ تک سنائی کی وفات نہین ہوئی تھی، اور ۵۴۸ھ مین وہ وفات پا چکے تھے، ورنہ اپنے محسن و مربّی بہرامشاہ کا مرثیہ ضرور کہتے، اب ان دونون تاریخون کے بیچ مین انکی وفات کا سال ہوگا، اور یہ وہی ۵۴۵ھ ہے، جس مین کاشانی نے انکی وفات بیان کی ہے،

ان تفصیلات کا نتیجہ یہ ہے کہ حکیم سنائی کی ولادت کا سال ۴۶۴ھ یا ۴۶۵ھ اور وفات کا سال ۵۴۵ھ قبول کیا جائے، اس حساب سے انکی پوری عمر اسّی اکاسّی برس کی ہوگی، اور اگر ۵۳۴ھ کو حدیقہ کا سال تصنیف مانا جائے، تو دس گیارہ برس عمر اور کم ہو جائیگی،

اس تفصیل سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مستوفی قزوینی صاحب گزیدہ کا انکو سلطان ابوسعید ابوالخیر المتوفی ۴۴۰ھ کا معاصر بتانا قطعی غلط ہو، نیز حضرت جامی کا یہ فرمانا کہ انھون نے سلطان محمود المتوفی ۴۲۱ھ کی مدح لکھی تھی درست نہین، اسی لیے دولتشاہ نے اپنے تذکرہ مین اس مدح مذکور کا سلطان محمود کے بجائے سلطان ابو اسحاق ابراہیم غزنوی (۴۵۱ھ۔ ۴۹۲ھ) کی شان مین ہونا ظاہر کیا ہے، جو قرین قیاس ہو سکتا ہی، مگر اس نام کا کوئی قصیدہ شاعر کے مطبوعہ بمبئی کلیات مین مجھے نظر نہین آیا، لیکن چونکہ یہ شاید منتخب ہے اس لیے پورے استناد سے نہین کہا جا سکتا،

---

[1] لباب الالباب عوفی جلد ۲ ص ۲۵۲ گب و آتشکدہ آذر ص ۱۵۳ بمبئی، فہرست مخطوطات انڈیا آفس (حدیقہ سنائی ص ۵۱۰)

[2] حواشی چہار مقالہ ص ۱۵۱ گب،

فلسفہ فقرار

یعنی

سائنس اور تصوف

از

جناب ڈاکٹر نواب سر امین جنگ بہادر کے سی آئی ای سی ایس آئی ایم اے ال ال ڈی حیدرآباد دکن

(۲)

۶-جان بیجان

ا-پروفیسر سر جگدیش بوس پکے ویدانتی ہین جن کا مشہور و معروف انسٹیٹیوٹ (دار التجربہ) ویدانتی اصول پر قائم ہے، اون کے اختراعات ایجادات و تصانیف نے سائنس کی دنیا مین ہند کے علم و ہنر کا سکہ دوبارہ رائج کر دیا، اونھون نے صوفیا کے بعض دعوون کو نطقی یا لفظی طور سے ثابت کرنے پر اکتفا نہ کر کے، خود اون کا مشاہدہ بر وزروشن کرا دیا ہے، مثلاً اونھون نے اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہ کو کلکتہ مین ایک ایسا آلہ بتایا جس سے ہم سب کو نظر آیا کہ درخت بھی مانند انسانون کے سوتے جاگتے، خوش اور رنجور ہوتے ہین، گویا اون مین بھی ایسی جان ہے، جس کی نوعیت مین اور ہماری جان کی نوعیت مین کچھ فرق نہین، البتہ درجہ کا فرق تو ضرور ہے، سر جگدیش نے بہت سال قبل یہ بھی اپنے ایجادی آلات سے بتا دیا کہ پتھرون مین علی العموم جمادات مین جنکو ہم بے جان سمجھتے رہے ایک درجہ کی جان ہے، جس سے وہ خاص خاص ہیجات کے مجیب ہوتے ہین یعنی چند خاص خارجی حرکتون کا جواب دیتے ہین، جو حیات کی علامت ہے۔ اگرچہ تیرہ سو سال کی ترقی علم و ہنر کے بعد بھی سائنس "روح کیا ہے" بیان نہین کر سکتا، اگرچہ آج بھی (قل الروح من امر ربی) کہے

بغیر گریز نہین لیکن روح کی موجودگی کے نشانات جو اوس وقت ظاہر تھے، اب بھی ہین، اور ہمیشہ رہین گے، ایسی نشانیون مین کسی فرد کا ایک جگہ سے دوسری جگہ خود بخود منتقل ہونا گویا یہان سے وہان تک چل کر جانا اوس فرد مین روح ہونے کی نشانی نہین ہو سکتا، عضویہ (ORGANISM صاحب عضو ہونا کوئی ایسی نشانی نہین ہے، موٹر کار بھی گھوڑے کی طرح عضویہ، عضو دار ہے، ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتی ہے لیکن موٹر کار جاندار نہین کہی جاتی، گھوڑا جاندار کہا جاتا ہے اسکی کیا وجہ ہے، ؟ گھوڑے مین اور موٹر مین مابہ الامتیاز جان جو ہے اوسکی نشانی گھوڑے مین کیا ہے، جو موٹر مین نہین، ؟ اہل سائنس اور نیز صوفیون کے نزدیک دو نشانیان ہین،

۲ - ایک نشانی (الف) حفاظت جسم کی ہے، دوسری نشانی (ب) حفاظت جان کی ہے،

الف - موٹر کار کا کوئی کل پرزہ ٹوٹ جائے یا گھس جائے تو موٹر کار خود بخود اوسکی مرمت نہین کر سکتی، شوفر یا میکانک ہی اوسکو درست کر سکتا ہے، لیکن اگر گھوڑے کو کوئی چوٹ لگے، یا اوسکی کوئی ہڈی ٹوٹ جائے، تو اوس کے جسم مین کوئی ایسی شے ہے، جو ایک قسم کا لعاب خون سے نکال کر زخم کو مندمل اور ہڈی کو جوڑ دیتی ہے، موٹر کا میکانک ٹوٹے ہوئے اسکرو کو نکال کر دوسرا اسکرو ڈالتا ہے، لیکن گھوڑے کا طبیب ٹوٹی ہوئی ہڈی کو نکال کر دوسری ہڈی نہین ڈال سکتا، فقط اوسکو جوڑ کر گھوڑے کی طبیعت (یعنی جان) پر بھروسہ کرتا ہے، کہ وہ جڑ جائے گی، چند سال قبل لندن کے ایک مشہور و معروف ڈاکٹر نے اپنے لکچر مین کہا تھا کہ کوئی حکیم جہان جان نہین وہان اپنی دوا یا علاج سے جان نہین ڈال سکتا، فقط یہی کرتا ہے، کہ جہان جان ہو، اوس کی پیٹھ اپنی دوا سے ٹھوک ٹھاک کر دوا کے ذریعہ اوسکو شاباشی دیکر یا اپنے علاج سے اوسکی لجاجت کر کے اوسکو اپنی آپ جلد حفاظت کر لینے یا شفا جلد دے لینے کے کام پر لگا دیتا ہے، غرض گھوڑے مین جان ہونے کی ایک نشانی یہ ہے، کہ وہ گھوڑے کا جسم آپ ہی آپ اچھا رکھتی ہے، اپنا زخم خود آپ چنگا کر لیتی ہے، ٹوٹے ہوئے عضو کو خود آپ درست کرتی ہے، اگرچہ اسمین حکیم کے علاج کی مدد ہوتی ہے، لیکن اگر خود طبیعت مین مدد لینے کا رجحان یا مادہ نہ ہو تو علاج کارگر نہین ہوتا،

ب - علی ہذا القیاس دوسری نشانی حیات کی یہ ہے کہ موٹر کار کے راستہ مین اگر دفعۃً کوئی گڑھا سامنے آجائے

تاوقتیکہ شوفر اوس کو بریک ڈال کر نہ روکے موٹر کار خود بخود نہیں رک سکتی بخلاف اس کے اگر گھوڑے کے سامنے اچانک کوئی غار آجائے تو وہ خود بخود جھجک کر رک جاتا ہی سوار جسکو غار نظر نہ آتا ہو، وہ اوسکو اگر بڑھانا چاہے، تو بھی گھوڑا لوٹ کر بھاگ جانے کی کوشش کرتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ موٹر کار مین اپنے آپ کو خطرہ سے روکنے کا اختیار نہین ہے لیکن گھوڑے مین ایسا اقتدار موجود ہے یہی دو نشانیان حفاظت خود اختیاری کی جانداروں مین ہین، اون کو اور ایسے دوسرے چند معمولی امور مثلاً جینے پھرنے سونے جاگنے وغیرہ وغیرہ کو پروفیسر آئین اسٹین اپنے (نظریۂ تناسبہ) کے لیے "واقعات زمان و مکان" کہتے ہین، صوفی اپنے تصوف کے اغراض کے لئے "حادثات جسم وجان" کہتے ہین،

الغرض ظواہر، واقعات زمان و مکان، حادثات یا حوادث جسم وجان سے مراد ہے،:۔

(۱) شئی مثلاً پتھر شجر بشر (۲) حالات شئی مثلاً گرمی سردی بخار و دردسر اور (۳) باہمی تعلقات اشیاء پس روزانہ گفتگو کی زبان مین (۱) کو ذات فرض کر کے (۲) اور (۳) اوس کے صفات سمجھے جاتے ہین لیکن ذات کیا چیز ہے بیان کرنا دشوار بلکہ غیر ممکن ہی (دیکھو فصل ۹ دفعہ ۳)

۷۔ واقعات زمان و مکان

(۱)۔ (عرصہ) مرور زمانہ یعنی وقت کس قدر گذرا اوسکی پیمایش گھڑی سے ہوتی ہی جب ڈائل کی مدور سطح پر گھڑی کی بڑی سوئی ایک چکر لگاتی ہے، تو اوس کو ایک گھنٹہ کہتے ہین، جب اوسکی چھوٹی سوئی ایک چکر ڈائل کی سطح پر لگاتی ہے، تو اوس چکر کو "دھاور" کہتے ہین، ڈائل کی مدور سطح دراصل مسافت یا مکان ہے، اس مکان مین چکر لگانے والی سوئیان بتاتی ہین، کہ وقت کسقدر گذرا، پس وقت TIME کا اندازہ زمانہ کی پیمایش سطح ڈائل SPACE سے ہوتی ہے ایسا ہی طے مسافت DISTANCE ایک مقام یا مکان سے دوسرے مقام یا مکان تک کتنی دوری ہے، اوسکا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک گھنٹے مین کتنے میل طے کئے گئے، مسافت کی پیمایش وقت سے ہوتی ہے، چنانچہ مسافت یا مکان کی پیمایش زمان سے ہوتی ہے، اور زمان کی پیمایش مکان سے ہوتی ہی زمان و

مکان سے ایک دوسرے کے لازم و ملزوم گویا توام ہین، ایک دوسرے سے جدا نہین ہو سکتے، ان دنون بعض اہل سائنس زمان کو ایک ہی عرصہ duration کے دو پہلو تصور کرتے ہین، پاریس یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر برگسان جنکی کتاب creative Evolution نے بیسوین صدی کی فلسفی دنیا مین ایک ہل چل پیدا کر دی تھی، اونھون نے اپنی تصانیف مین محض عرصہ کو حقیقت ثابت کرنے کی کوشش کی ہی، (فصل ۵ دفعہ ۲)

۲- ماہرین طبعیات کے نزدیک تمام ظواہر (Phenomena کے بھی دو پہلو زمان و مکان time and space ہین، جن سے ظواہر کا خارج مین موجود ہونا ہم کو محسوس ہوتا ہے، لیکن دراصل ظواہر کیا ہین ہم کو معلوم نہین، پروفیسر آئین سٹین نے ظواہر کا نام "واقعات زمان و مکان" رکھا ہی، اور انھین سے اپنا ایک نظریہ یون قایم کیا ہے، کہ ان واقعات زمان و مکان کی پیمایش کے لئے فقط تین مساحات طول عرض عمق کافی نہین، بلکہ ایک چوتھا مساحہ وقت لازماً اون مین شریک ہو اور رہنا چاہئے، ان کا دوسرا مشہور نظریہ تناسبہ RELATIVITY ہنسی مذاق کے قابل ہوتا، اگر وہ اوسکو ہندسی MATHEMATICAL اور نیز اختباری OBSERVATIONAL طور سے ثابت نہ کئے ہوتے، وہ نظریہ یہ ہے کہ زید اگر سیدھا کھڑا رہے، تو اوس کے قامت کی درازی اوس کے اس قامت کی درازی سے کم ہوتی ہے، جب وہ بچھونے پر چت لیٹا ہو، اسی طرح ایک ہی لاٹھی جب وہ نیچے پڑی رہی جتنی لانبی ہوتی ہی، اوتنی لانبی نہین ہوتی جب کہ وہ سیدھی کھڑی رہے، (!!) اس نظریہ کا نام آئین سٹین نے (محدود تناسبہ) رکھا ہی، اور نظریہ موسوم بہ (عام تناسبہ) جداگانہ ہے جسکا صرف حوالہ ذیل مین بیان کیا جاتا ہی،

۳- طبعیات کے (محدود تناسبہ) کی صراحت تین لحاظ سے ہوتی ہی،

(الف) پہلا لحاظ تو وہی کہ زمان و مکان توام ہین، ہمارے ادراک و علم مین ایک دوسرے سے جدا نہین ہو سکتے بلکہ ادراک کیلئے لازم و ملزوم ہین،

(ب) دوسرا مفروضہ ایتھر ہے جسطرح سمندرون کا پانی کرۂ زمین کو لپٹا ہوا ہے، اسی طرح ہوا بھی کرۂ زمین کو لپٹی ہوئی ہی، ہوا سطح زمین سے اوپر چھ سات میل تک ہی ہے، اوس سے اوپر کیا ہی؟ خلا ہی؟ نہین، کیونکہ خالص

خلا محال ہے، میرے منہ سے آواز جو نکلتی ہے، اوس کو آپ کے کان تک پہنچانے کا ذریعہ جیسی ہوا ہے، ویسی ہی سورج[۱]
اور تاروں سے روشنی جو نکلتی ہے، اوسکو آپ کی آنکھ تک پہنچانے کا ذریعہ ایتھر ہے، جو ایک موہوم و لطیف ترین شئی ہے،
جو تمام عالم کے ہر جسم و ہر جرم میں ساری و طاری ہے گویا ایتھر کے بہتے ہوئے بحیرہ میں ہم سب اور ہماری ساری دنیا بسی ہوئی ہے
(ج) تیسرا ہندسی ثبوت ہے، جس کا خلاصہ سرسری طور پر ایک مثال سے یوں بتایا جا سکتا ہے، گرمی سے سوکھی
ہوئی ندی میں ایک جگہ پانی کا چشمہ بن گیا ہے، اسمیں ایک کنول کا پھول سیدھا کھڑا ہے جسکا ڈنٹھل جڑ سے سرے تک
تین فٹ لانبا ہے، فرض کر لیا جائے کہ ڈنٹھل ربڑ کے مانند کھچ جا سکتا ہے، لیکن اوسکی جڑ زمین میں ایسی مضبوط گڑی ہے
کہ اکھاڑی نہیں جا سکتی، اوس ندی میں دفعتہً طغیانی ہوئی، پانی فی گھنٹہ چند میل بہتا ہوا ایکدم اس زور سے آیا کہ کھڑے
ہوئے کنول کو سلا دیا، لیکن اوسکی جڑ کو اکھیڑ کر بہا نہ سکا، اقلیدس کی شکل عروسی (مقالہ اول شکل ۴۷) کے موافق کوئی
مہندس حساب لگا کر آپ کو بتا دیگا کہ پانی کے بہاؤ کے وقت تین فٹ کا کھڑا ہوا ڈنٹھل کھچکر چار فٹ لانبا ہو گیا تھا، پانی
کا بہاؤ موقوف ہونے کے بعد ڈنٹھل ربڑ کے مانند سکڑ کر پھر تین فٹ کا ہو گیا، بلکہ پھر اوٹھ کھڑا ہوا، اوسکی شکل ہندسی ایسی ہوئی تھی

۴ - الغرض (نسبت محدودہ) کا نظریہ اسی قدر ہے کہ ہم سب تمام اجسام و اجرام، ایتھر کی بہتی ہوئی ندی میں
رہتے ہیں جس کے بہاؤ کا زور ایسا ہے کہ جب ہم لیٹ جاتے ہیں، تو کھچکر لانبے ہو جاتے ہیں، اگر کوئی لڑکا کھڑا ہو تو تین
فٹ لانبا ہے، تو جب وہ لیٹ جاتا ہے، تو ایتھر کے بہاؤ کے زور سے کھچکر چار فٹ لانبا ہو جاتا ہے، لیکن خود اوسکو یا دوسروں
کو اوس کا کھچنا اور بڑھنا اور گھٹ جانا محسوس نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے، اس لئے کہ جس تین فٹ کے گز سے ہم اوس
لڑکے کو ناپتے ہیں، وہ خود پڑے رہتے وقت کھچ جا کر لڑکے کی ناپ کے برابر چار فٹ کا گز ہو جاتا ہے، ہم کو ایتھر کا بہاؤ بھی
محسوس نہیں ہو سکتا، کیونکہ ہم میں سے ہر ایک کی پیدائش سے اب تک اوس کا بہاؤ کبھی نہیں رکا تاکہ وہ ہم کو محسوس ہو سکے۔

[۱] شمس یا آفتاب کی جگہ لفظ سورج یہاں اسلئے استعمال کیا گیا ہے کہ ہر تارا بجائے خود اپنے عالم کے لئے آفتاب ہے،

آئین سٹن کا (عام تناسبہ) ایتھر کے مفروضہ کو بھی غیر ضروری بتاتا ہے لیکن اوس کے بیان کی یہان گنجایش نہین،

۵ - آئین سٹن نے اپنے نظریہ سے جو نتائج طبعیات مین حجم، وزن، کشش ثقل، GRAVITATION یا تجاذب کے بارہ مین نکالے ہین، اون کی صراحت کی یہان ضرورت نہین حتی کہ اوس نظریہ کے تذکرہ کی بھی چندان ضرورت نہ ہوتی، اگر اسی کے مانند صوفیون کا نظریۂ تناسبہ نہ ہوتا، آئین سٹن نے جس طور سے اپنے نظریہ کو ثابت کیا ہے اوس کا ایک شمہ یہان اس لئے بیان کیا گیا تا کہ قیاس کیا جاسکے کہ اہل تصوف بھی کچھ اسی طرح اپنے نظریہ کو سینہ بسینہ ارشادات سے ثابت کرتے ہون گے، اگلے زمانہ کے صوفی اکثر اوقات طریقۂ تحقیقات یا طرز ثبوت کا بیان ترک کر کے فقط اپنی تحقیقات کے نتیجہ سے کام لیا کرتے تھے، اور اون کے شاگرد اپنے استاذ کا نام لینا ہی اوس نتیجہ کا کافی ثبوت تصور کر لیتے تھے، اس لئے تصوف کے فلسفہ کی بہت سی باتون کی صراحت یا ثبوت کا ریکارڈ اخلاف کے واسطے رہ نہ سکا،

۶ - قبل اس کے کہ صوفیون کا نظریۂ تناسبہ بیان کیا جائے، یہ کہنا بے موقع نہ ہوگا کہ ایک اہم نتیجہ جو آئین سٹن نے اپنے (عام تناسبہ) کے نظریہ سے نکالا ہے، وہ صوفیون کے نظریہ کے ایک اہم نتیجہ کے موافق ہے اگرچہ اون کا نظریہ زیادہ تر حیاتیات و روحانیات سے تعلق رکھتا ہے، اور آئین سٹن کا نظریہ بالکلیہ طبعیات سے متعلق ہے، پروفیسر موصوف نے ثابت کیا ہے، کہ اگرچہ ہمارا عالم بہت ہی وسیع بلکہ لامتناہی پایا جاتا ہے، لیکن دراصل (لاحدلہ) لامحدود نہین ہے، جب سمندر کے وسیع رقبہ پر کسی بہت اونچے مقام سے (مثلاً بہت اوپر اڑتے ہوئے ایروپلین سے) نظر ڈالی جائے، تو وہ محدب ابھرا ہوا گول ہوتا نظر آئے گا، ایسا ہی مکان و زمان مین جس قدر زیادہ وسعت ہوتی ہے اوسی قدر زیادہ وہ اپنے آپ پر لپٹ کر اپنی شکل ایک قسم کی کروی بنا لیتا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف ایک عالم نہین ہے، بلکہ کروڑہا عالم ہین، کیونکہ خدائے تعالی (رب العالم) ہی نہین ہے بلکہ (رب العالمین) ہے، اور جس عالم کے ذرے ہم ہین، وہ ایسا وسیع ہے جسمین آفتاب سیارے اور ستارے ایک دوسرے سے اس قدر فاصلہ پر ہین کہ ہر تارے کی روشنی جو ہمکو نظر آتی ہے وہ اس سے نکلکر ہماری آنکھون تک پہنچنے کے لئے کھربون سال کا زمانہ گذر جاتا ہے، مسافت و وسعت کی پیمایش اندنون منجمین شمسی سال کو چھوڑ کر "نوری سال" LIGHT سے کرتے ہین، ایسا بڑا عالم بھی غیر محدود نہین ہے، اس کے سوا دوسرے عالم بھی موجود ہین،

حضرت شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی

از مولینا سید ابو ظفر صاحب ندوی سابق مدرس عربی و فارسی مہا و دیالے احمد آباد

اس مضمون کے گذشتہ نمبر (ص ۱۱۱ سطر ۴) میں "عرش اسلام، قبلۂ مقبل" میں ۸۰۸ کے بجائے ۸۱۰ تاریخ نکلنے پر کسی حرف کے چھوٹ جانے کا خیال ظاہر کیا گیا ہے، نواب صدر یار جنگ مولینا شروانی رقم فرماتے ہیں کہ اگر "و" بڑھا دیا جائے تو تاریخ ۸۱۴ درست ہو جائیگی، اور صحیح مصرعہ یون ہوگا ع :- عرش اسلام و قبلۂ مقبل (قبلہ کے آخر میں ہے جسکے ۵ ہوئے)

جاگیر و مدرسہ | شاہان گجرات نے آپکے خاندان کو متعدد مرتبہ وجہ معاش کے لئے جاگیرین عنایت کین، مگر قبول نہ کیا، خود جناب شاہ صاحب کے ساتھ بھی یہ معاملہ ایک مرتبہ پیش آیا، مگر آپ نے رد کر دیا، آپکے پانچ صاحبزادے تھے، (۱) شاہ محمد جو برہان پور چلے گئے تھے، اور وہین ۹۹۲ھ مین انتقال کر گئے، (۲) شاہ حامد (۳) شاہ عبد الواحد متوفی ۱۰۳۲ھ (۴) شاہ عبد الحق متوفی ۱۰۴۰ھ (۵) شاہ عبد اللہ ان کی ولادت ۹۳۰ھ مین بمقام احمد آباد ہوئی، جناب شاہ صاحب کی وفات پر اپنے باپ کی جگہ مسند نشین ہوئے، علم و تقوی مین اپنے پدر بزرگوار کے نمونہ تھے، ہمیشہ درس و تدریس اور ارشاد و ہدایت مین مشغول رہے، ۷۰ برس کی عمر مین بمقام احمد آباد ۱۰۰۷ھ مین انتقال فرمایا، اُن کے بعد جناب شاہ اسد اللہ بڑے لڑکے جانشین ہوئے، لیکن جلد انتقال فرما گئے، ۱۰۲۶ھ[1] مین جب جہانگیر احمد آباد آیا، اوسوقت جناب شاہ موصوف کے بھائی، شاہ حیدر صاحب سجادہ تھے، جہانگیر آپسے ملکر بہت خوش ہوا، موضع لسوندرا اور موضع باریجری اولاد کے معاش کے لئے بطور جاگیر عنایت کیا، اور موضع دستران موضع دنتالی اور موضع ہرنا، مدرسہ خانقاہ اور روضہ کے اخراجات کے واسطے بطور وقف ہدیہ کیا، یہ مدرسہ اسی وقت سے ہمیشہ چلتا رہا، اور اس منبع فیض سے ہزارون تشنگان علم برسون سیراب ہوتے رہے، مدرسہ کب بند ہوا، اوسکے متعلق کوئی صحیح اور یقینی تاریخ معلوم کرنے کا میرے پاس

---

[1] اقبال نامہ جہانگیری سفر گجرات احمد آباد

کوئی ذریعہ اس وقت نہیں ہے، اس سلسلہ کے جو لوگ جو اس وقت موجود ہیں وہ بھی اندازاً کچھ کہہ دیتے ہیں، اتفاقاً چند دن ہوئے کہ دو دستاویزیں میری نظر سے گذریں، ان میں سے ایک کے محرر جناب سید فیض اللہ بن سید اسد اللہ بن سید رحمت اللہ بن سید حسین بن سید عبد العلی بن سید اسد اللہ بن سید شاہ عبد اللہ بن حضرت شاہ وجیہ الدین ہیں، سید فیض اللہ صاحب نے اس دستاویز کے ذریعہ اپنی تمام جائداد اور عہدہ وغیرہ کا متولی اپنے لڑکے سید محمد شجاع الدین صاحب کو بنایا ہے، اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے، "تولیت نامہ بمہر مغفرت مرتبت حسن محمد خان معروف بعلی محمد خان مرحوم دیوان صوبہ سابق و بمہر غلام حسین خان صدر مغفور"، اور آخر میں تاریخ تحریر ۱۶ شوال ۱۱۸۵ھ ہے، اور اس عہد کے مفتی سید بدر الدین کی جو مہر ہے اس پر ۱۱۹۵ھ کندہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اصل تحریر تو ۱۱۸۵ھ کی ہے، اور اوسکی نقل مفتی موصوف کے عہد ۱۱۹۵ھ میں اس وقت لی گئی جب سید فیض اللہ صاحب متوفی ۱۱۸۹ھ کے بعد کسی تنازعہ کے سبب ضرورت پڑی ہوگی، اور اسی سبب سے غالباً "دیوان صوبہ علی محمد خان اور غلام حسین خان صدر کو مرحوم اور مغفور لکھا ہے، کیونکہ مفتی صاحب کے عہد سے پہلے یہ وفات پا چکے ہوں گے، میرا گریہ قیاس صحیح ہے تو اسکے معنی یہ ہوئے کہ علی محمد خان ۱۱۸۵ھ میں بقید حیات تھے، اور گو سرکاری اعتبار سے وہ دیوان نہ تھے مگر لوگوں میں سابق دیوان کہلاتے تھے، اور کاروبار میں ابھی تک لوگ اون کی مہر اور دستخط سے کام نکالتے تھے، مرآۃ احمدی کے مصنف کا نام بھی علی محمد خان محمد حسن ہے، اون کی مہر پر ۱۱۶۴ھ کندہ ہے وہ اسی عہد میں احمد آباد کے دیوان تھے، اپنی تاریخ گجرات میں ۱۱۷۴ھ تک کے حالات درج کئے ہیں، اور اسی کتاب کے خاتمہ سے ۱۱۷۶ھ تک ان کا زندہ رہنا معلوم ہوتا ہے، اس کے بعد سے پھر اون کی زندگی کا کوئی ثبوت دستیاب نہیں ہوا، اسلئے یہ قیاس کر لیا گیا کہ شاید ۱۱۷۶ھ یا ۱۱۷۷ھ میں وفات پا گئے، یہ تولیت نامہ اون کے آخری تحریر کردہ ۱۱۷۶ھ کے نو برس بعد کا ہے، اس لئے بہت ممکن ہے کہ اونہیں کے عہد کا تحریر کردہ ہو، اور وہ اس وقت تک بقید حیات تھے، مرآۃ احمدی میں ان کا نام "محمد حسن" ہے، اور اس تولیت نامہ میں "حسن محمد خان" ہے،

اس محمد کے تقدم و تاخر کے متعلق میرا خیال ہے کہ یا تو کاتب کے جلد نویسی کا نتیجہ ہے، یا ممکن ہو کہ مصنف ہی کے دونوں نام ہوں کیونکہ یہ بالتحقیق معلوم ہے کہ اس عہد میں اور کوئی دوسرا دیوان مقرر نہیں ہوا تھا، کیونکہ

۱۱۷۱ھ میں صوبہ دار مومن خان کے چلے جانے کے بعد مرہٹوں کا قبضہ ہوگیا، افسوس ہے کہ نقل لیتے وقت اصل میں سے تمام مہروں اور دستخطوں کی نقل چھوڑ دی، اگر ان کی بھی نقل ہوتی تو بڑی آسانی سے اس کا فیصلہ ہو سکتا تھا، اس تولیت نامہ میں جاگیر کے ضمن میں موضع بہر تنکہ (علاقہ منگلور) اور نصف گاؤں "دنتالی" (علاقہ وہ کروتی) مذکور ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ۱۵۹ برس میں تمام جائداد سے صرف اسی قدر باقی رہ گئے، سید فیض اللہ صاحب علوی کا انتقال ۱۱۷۹ھ میں ہوا،

دوسرا کاغذ بھی تولیت نامہ ہے، محرر کا نام سید شجاع الدین بن سید فیض اللہ ہے، سید شجاع الدین صاحب کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی، ایک لڑکی مسماۃ بو (بوبو، یا بی بی) تھی، اوس کا لڑکا یعنی سید شجاع الدین کے نواسہ "عبداللہ بابا" کے نام یہ تولیت ہے، جس کے ذریعہ سید موصوف نے اپنی تمام جائداد اور عہدہ اپنے نواسہ کے حوالہ کر دیا ہے، اس تولیت نامہ کی ابتدا ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے، تولیت نامہ بمہر این خادم شرع شریف وبمہر امارت وزارت مرتبت شفیع محمد خان المخاطب بہ علی محمد خان دیوان صوبہ وبہ مہر میر فیاض الدین صدر" خادم شرع شریف قاضی شیخ الاسلام خان کی مہر ۱۲۱۱ھ کندہ ہے اور آخر تحریر میں تاریخ ۱۱ رمضان ۱۲۱۹ھ ہے،

معلوم ہوتا ہے کہ اس تولیت نامہ کے لکھتے ہی وقت اسکی نقل اصل سے لی گئی ہے، اس پر تمام علماء وصوفیہ قاضی، صدر الصدور، دیوان صوبہ کے مہروں اور دستخطوں کی نقل موجود ہے، خود سید شجاع الدین علوی کے مہر میں ہے: "از وجیہ الحق مدد خواہد شجاع" جاگیر کے متعلق صرف موضع بہر تنکہ کا ذکر ہے، سید شجاع الدین صاحب اپنے والد سید فیض اللہ صاحب کے بعد اس تحریر کے وقت تک تیس برس متولی رہے، اس قلیل مدت میں موضع "دنتالی" کا نصف حصہ ہاتھ سے نکل چکا تھا، بہرحال، ان دونوں تحریروں کے پیش کرنے کا اصل منشا یہ ہے، کہ ہر دو تحریر میں مسجد، مدرسہ، خانقاہ کا ذکر ہے، اور انھیں کی تولیت ان کے سپرد کی گئی تھی، گو کہ یہ تحریر ۱۲۱۹ھ کی ہے لیکن سید شجاع صاحب کی وفات ۱۲۳۶ھ میں ہوئی ہے، اس لئے یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ مدرسہ ۱۲۳۶ھ تک قائم تھا اور غالباً سید شجاع الدین صاحب

آخری عالم ہیں جن سے مدرسہ کو رونق رہی،

کتبخانۂ مدرسہ | جناب شاہ صاحب کا کتبخانہ بہت بڑا تھا، اور شاید ہی کوئی فن ایسا ہو جس کے متعلق کوئی کتاب یہاں نہ ہو، زمانۂ حال کے لوگ راوی ہیں کہ اون کے بزرگ فرماتے تھے کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے کتبخانہ کو دیکھا ہے، دو بڑے کمروں میں از فرش تا سقف بے ترتیبی اور بے احتیاطی کے ساتھ کتابیں بھری تھیں، راقم الحروف بھی جب ۱۹۲۱ء میں اس کتب خانہ کو دیکھنے گیا، تو متعدد بڑے بڑے صندوقوں میں کتابیں بے ترتیبی سے پڑی تھیں، چند دن کی پیہم کوشش کے بعد میں نے ان کتابوں کے اوراق منتشر کو مجتمع کرکے باترتیب رکھوا دیا تھا، لیکن اب ۱۹۳۱ء میں وہاں گیا ہے کچھ کتابیں تو احباب کی نذر ہوئیں، کچھ عربی کتابوں کو مجاور نے قرآن سمجھا، اور کمال دانائی سے بغرض ثواب ان کرم خوردہ کتابوں کو قد آدم زمین کھود کر دفن کر دیا، باقی کرم خوردہ کتابیں دریائے سابرمتی کی نذر ہوئیں، کچھ تھوڑی سی کتابیں جناب سید پیر حسینی صاحب مصنف تذکرۃ الوجیہ اور جناب بڑا میاں صاحب موجودہ متولی درگاہ کے پاس ہیں،

شاہ صاحب کی تصنیفات | آج ہم یقینی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے کہ آپ کی تصنیفات کل کتنی تھیں، لیکن عام طور پر مشہور ہے کہ ان کی تعداد تقریباً تین سو ہے، ان میں سے ایک بڑی تعداد تو ضائع ہو چکی ہے، اور دست برد زمانہ سے جو رہ گئی ہیں، شاید ہی کوئی ان میں سے طبع ہوئی ہو، تلاش اور تفحص سے مندرجۂ ذیل کتابیں دستیاب ہوئی ہیں، جو اس وقت کتبخانہ حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد میں موجود ہیں،

(۱) حاشیہ علی التلویح، (۲) حاشیہ علی شرح المواقف (۳) شرح جام جہان نما (تصوف) (۴) حاشیہ شرح مختصر التلخیص (۵) الرسالۃ المسماۃ بالاسکندریہ (مبحث ما ناقلت) (۶) رشاد شرح الارشاد (نحو) (۷) حاشیہ علی العضدی جناب شیخ محمد غوث گوالیاری (قس) کی کتاب "کلید مخازن" پر مختلف شرحیں لکھی گئی ہیں، جناب شاہ صاحب نے بھی ایک شرح لکھی ہے، کتبخانہ مذکور میں مختلف شرحیں موجود ہیں جن میں سے ایک شرح ایسی ہے، کہ جسکے متعلق متعدد وجوہ کے بنا پر میرا خیال ہے کہ وہ جناب شاہ صاحب ہی کی تصنیف ہے،

توضیح تلویح اصول فقہ میں مشہور درسی کتاب ہے، مختلف علما نے اپنے نقطۂ نظر سے اوکی شرح اور حواشی

تحریر کئے ہین، جناب شاہ صاحب نے بھی ایک حاشیہ لکھا ہے،

حاشیہ علی التلویح | یہ کتاب ابتدا سے آخر تک خط نسخ مین ہے، ۱۴ تقطیع ہے، ابتدائی چار صفحے خوشخط اور باریک حرفون مین ہین، باقی معمولی تصنیف سے تقریباً سوا سو برس بعد ۱۱۲۰ھ مین اس کی کتابت ہوئی ہے، اسکی ابتدا ان جملون سے ہوتی ہے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم رب یسر وتمم بالخیر الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔ اور اختتامی جملہ یہ ہے، ھذا آخر الکتاب بعون الملک الوھاب والحمد للہ علی اتمامہ انہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق۔ جہان جہان اصل کتاب کا حوالہ ہے وہان سرخی سے "قولہ" لکھدیا ہے، مختلف مقامات کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ ہر جگہ تشریح کرتے وقت طلبہ کے ذہن نشین کرانے کی بے حد کوشش کی گئی ہے، مثلاً حقیقت ومجاز کی بحث مین ایک جگہ صاحب توضیح نے لکھا ہے "فیہ نظر" اس نظر کے پیچیدہ مطالب کو جناب شاہ صاحب نے "حاصل النظر" کے عنوان سے بہت سہل عبارت مین تحریر فرمایا ہے، تاکہ طالب کے دماغ پر زیادہ بار نہ پڑے، پھر اس نظر کا جو جواب دیا جاتا ہے، اوسکو تحریر فرما کر "حاصل الجواب" کے عنوان سے اس کی تشریح فرماتے ہین، سید شریف جرجانی کا اس پر اعتراض نقل کرکے پھر خود اپنا جواب تحریر فرماتے ہین، اس مثال سے آپ خود سمجھ سکتے ہین، کہ جناب شاہ صاحب کا اس طرز تحریر سے اصل منشا کیا تھا، اور کس طرح اپنے مقصد مین کامیاب ہوئے ہین، زیر تنقید نسخہ مصنف کے خود نوشتہ نسخہ سے منقول ہے اور حاشیہ پر ہر جگہ تصحیح کی گئی ہے؛

حاشیہ علی المواقف | اس مشہور کتاب کے مصنف قاضی عضدالدین عبدالرحمن ہین، جسکی شرح علامہ سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ نے کی ہے، پھر متعدد علما نے اس پر حواشی لکھے، ہند مین زیادہ تر مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا حاشیہ رائج ہے، آج سے پچیس ۲۵ برس قبل مصر سے جو نسخہ شایع ہوا تھا، اس مین ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کے ساتھ ملا حسن چلپی کا بھی حاشیہ ہے، موجودہ زیر تنقید نسخہ افسوس ہے کہ آخر سے ناقص ہے اور بڑا حصہ کتاب کا ضایع گیا ہے، ۱۴ انچ تقطیع پر معمولی خط نسخ مین ہے اسکی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے:۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم وبہ نستعین رب وفقنی وفہم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین سبحان جمالہ عن سمۃ الحدوث" اور آخری فقرہ یہ ہے، وذالک لاعتبار لا یعنی ان الاحوال یتکلف" یہ غیر مختتم جملہ نصف صفحہ پر ختم ہوگیا جس سے اس قدر معلوم ہوتا ہے، کہ یا تو یہ کتاب اسی قدر اصل نسخہ سے نقل کی گئی ہے، یا بقیہ اجزا ضایع گئے، خدا جانے اس کا کوئی دوسرا نسخہ کسی جگہ ہے بھی یا ہمیشہ کے لئے معدوم ہوگیا، مطبوعہ کتاب کے مقابلہ سے معلوم ہوا کہ "المرصد الرابع فی اثبات العلوم الضروریہ" تک ہی،

اس بات سے تو ہر اہل علم واقف ہے کہ یہ کتاب علم کلام کی معرکۃ الآرا کتابون مین سے ہے! ور اسی لئے اسکی متعدد شرحین اور حواشی لکھے گئے، جناب شاہ صاحب کا طریقۂ بیان اس کتاب سے بھی واضح ہے، ہر جگہ حاصل الکلام وحاصل الجواب وغیرہ کے عنوان سے مطالب کی تشریح کی ہے، اور ہر پیچیدہ عبارت کو آسان اور سہل طریقہ سے سمجھانیکی کوشش کی ہے، لیکن جہان کہین ذات واجب الوجود کے متعلق کوئی تذکرہ آجاتا ہے، تو الفاظ شاندار اور معانی خیال بہت بلند ہو جاتے ہین، اور صاف معلوم ہوتا ہے، کہ کسی کا ذوق و شوق رہبری کر رہا ہے، مثلاً کتاب کے ابتدا مین ہے:-

سبحان جمالہ عن سمۃ الحدوث

وتنزھت سرادقات جلالہ عن وصمۃ

التغیر والانتقال۔

افسوس ہے کہ اس کتاب مین نہ تو کاتب کا نام ہے اور نہ سنہ ہی تحریر ہے، کہ جس سے یہ معلوم ہوسکے کہ کب کی تحریر ہے،

شرح جام جہان نما، جام جہان نما تصوف مین مشہور متن ہے اسکے مصنف محمد بن عز الدین بن عادل بن یوسف مغربی مشہور بہ شیرین ہین، ۸۰۹ھ کی تصنیف ہے، عام صوفیون مین یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ اوسکی مختلف شرحین لکھی گئین جناب شاہ صاحب نے بھی ایک شرح تحریر فرمائی ہے اس کے دو نسخے اس کتاب خانہ مین موجود ہین، پہلا

نسخہ کتابی صورت میں ۷/۸×۵ تقطیع پر ہے، سرخ جدول سے محدود ہے، جہاں متن کی اصل عبارت ہے وہاں سرخ خط کشیدہ ہے، یہ کتاب مختلف اہل علم کے ہاتھوں میں رہی ہے، کیونکہ مختلف اشخاص کے حواشی موجود ہیں، سب سے زیادہ حاشیہ ملا احمد بن سلیمان کا ہے، جو اس عصر کے مشہور علماء میں سے ہیں، اسکی تصحیح اور بعض حواشی ملا علی پیرو کے ہیں، مولوی عبدالعزیز جناب شاہ صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، کہیں کہیں ان کے بھی حواشی ہیں، اگرچہ یہ نسخہ کامل ہے مگر آخری اوراق کرم خوردہ ہونے سے معلوم نہ ہو سکا کہ کس سنہ کا ہے اور کس نے لکھا ہے خط صاف خوشخط اور نسخ میں ہے، حاشیہ پر ملا احمد بن سلیمان کا جو خط ہے اس سے بہت مشابہ ہے، اسلئے اغلب ہے کہ ملا احمد ہی کا لکھا ہوا ہو،

دوسرا نسخہ ۸/۵×۵ تقطیع پر ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے بطور مسودہ نقل کیا ہے، یہ بھی کامل نسخہ ہے اور جگہ جگہ سے تصحیح شدہ ہے، یہ کتاب فارسی زبان میں ہے اور اس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم وبہ نستعین رب یسر وتمم بالخیر" پھر متن کی عبارت منقول ہے، جسکی ابتدا یوں ہوتی ہے "حمد بے حد وشکر بے عد سزائے ذاتی کہ وحدتش منشا احدیت و واحدیت شد"، اس کے بعد اسکی شرح اس جملہ سے ہوتی ہے "یعنی وحدت کہ اصل قابلیات جمیع اشیا است احدیت و واحدیت از و ناشی است"، اس کتاب کا اختتام اس فقرہ پر ہوتا ہے "کہ ترک قیل وقال واستغراق در حق است وصفات حق ذاتہ، ذاتہ، صفاتہ، صفاتہ، افعالہ، افعالہ درشیٔ است تمام شد" اس کتاب کا موضوع علم التوحید ہے، اور اسکے ابواب کی تقسیم مندرجہ ذیل طریقہ سے کیگئی ہے،

کتاب کے دو حصے ہیں، ہر حصہ کا نام دائرہ ہے، اور ہر دائرہ میں دو قوس اور ایک خط ہے، دائرۂ اول میں مندرجہ ذیل مضامین ہیں:۔

احدیت، واحدیت، وحدت، اعتبار، وجود، علم، شہود، نور، تعین، یا تجلی اول،

دائرۂ دوم کے مضامین حسب ذیل ہیں:۔

ظاہر وجود (باصطلاح فلاسفہ واجب الوجود) ظاہر علم (باصلاح فلسفی ممکن الوجود) برزخیت (باصطلاح مذکور حقیقت انسانی یا روح) تعین یا تجلی ثانی،

افسوس ہے کہ جو شرح جناب شاہ صاحب نے لکھی ہے اوسکی ابتدا مین کوئی مقدمہ تحریر نہین فرمایا جیسا کہ ابراہیم شطاری جنت آبادی نے لکھا ہے، جس کے سبب سے اس شرح سے صرف وہی فائدہ اُٹھا سکتا ہے، جو اس فن سے کامل آگاہ ہو، مضامین کے تنوع اور ادسکے غوامض سے ناظرین خود آگاہ ہین، اسلئے بعض مقامات سے صرف اقتباس دیتا ہون جس سے جناب شاہ صاحب کے طرز تحریر کا آپ خود اندازہ کرلین گے، مثلاً ایک مقام مین متن کی عبارت یہ ہے، "کہ در افعال کہ شامل ظاہر وجود است کہ وجوب وصف خاص اوست وشامل علم ظاہر است کہ امکان از لوازم اوست وشامل حقیقت انسان است کہ برزخ است، بین الامکان والوجوب" اس عبارت کی تشریح مین جناب شاہ صاحب نے انسان کو خلیفۃ الٰہی بہت مختصر اور جامع طریقہ سے ثابت کیا ہے،

اب اصل مسئلہ سمجھنے سے پہلے چند باتین ذہن نشین ہو جائین، تو سمجھنے مین آسانی ہوگی، صوفیون کے نزدیک وجود مطلق کا نام حق ہے، اور اسی کو حقیقۃ الحقائق اور احدیت بھی کہتے ہین، وجود مطلق جب تنزلات کے مرتبہ مین آئے تو اوسکو "ظہور" کہا جاتا ہے اور یہ ظہورات تعین ذاتی کے اعتبار سے شیون کہلاتے ہین، جو بے حساب اور بے شمار ہین، اسی کو قرآن پاک نے یون ادا کیا ہے، "کل یوم ھو فی شان" اور شیون کی مثال محسوسات کے ذریعہ ٹھیک تخم شجر کی ہے، جسمین عظیم الشان شجر بننے کی قابلیت موجود ہے، اور حقیقت وجود بہ شرط شی جو اسماء وصفات ہین، اون کو مرتبہ واحدیت والوہیت کہتے ہین، اور حقیقت وجود بہ شرط لاشی کا نام احدیت رکھتے ہین، اور حقیقت وجود نہ بشرط شی اور نہ بہ شرط لاشی ہو ایسی مساوی الطرفین ذات کو باصطلاح صوفیہ تجلی اول یا تعین اول کہتے ہین اور فلاسفہ علم یا عقل اول اور یہ تجلی اول جب کسی تعین جزئی کے ساتھ مخصوص ہو تو اوسکو صفت کہتے ہین، عام اس سے کہ یہ صفت وجودی ہو، جیسے علیم، قدیم وغیرہ یا سلبی ہو جیسے قدوس سلام وغیرہ، پھر تجلی اول نے بہ تعین مخصوص علیم

مرید، قدرت، بصیر، سمیع، متکلم، حی کی صورت اختیار کی تو ان صفات سبعہ کو "امہ صفات" کہتے ہین پس وجود مطلق جب ان امہ صفات کے ساتھ تنزلات کا مرتبہ اختیار کرے، تو پانچ مرتبون کا ظہور ہوتا ہی،

(۱) مرتبہ احدیت (۲) مرتبہ ارواح مجرّدہ (یا عالم جبروت) دس نفوس عالمہ (جیسے عالم مثال) (۴) مرتبہ شہادت وحس (جیسے عالم ملک) (۵) مرتبہ کون جامع یعنی انسان کامل جو محل مجموع تنزلات ہے "

اس قدر سمجھ لینے کے بعد اب جناب شاہ صاحب کی تشریح ملاحظہ ہو، وحدت، کثرت، وجوب، وغیرہ کی مختصر بحث کے بعد تیسرے جملہ کی تشریح یون فرماتے ہین، کہ ان صوفیون کے نزدیک مرتبہ وجوب وجود اسمائے الٰہی کلی سے مراد ہے، جو ۲۸ ہین، جیسے بدیع، باعث وغیرہ، اور امکان وجود سے مراد "اسمار کونی" ہین جو وہ بھی ۲۸ ہین، جیسے عقل کل طبیعت کل وغیرہ اور وجوب وامکان کے درمیان جو مرتبہ وسط ہے، اوسکو "برزخ" کہتے ہین، اور یہی حقیقت انسان ہے، کیونکہ انسان تمام حقائق ملک و ملکوت وجبروت کو شامل ہے، اور چونکہ انسان اس حیثیت سے کہ وہ کامل تمام مراتب الٰہی اور جامع تمام تنزلات کونی کا ہے اسی سبب سے وہ نائب اور خلیفۃ اللہ ہے اور یہی معنی خلافت الٰہی کے ہین،" اسی طرح آگے چل کر صفحہ ۹ پر حقیقت محمدیہ بیان فرماتے ہوئے فکان قاب قوسین کی جو تشریح قوس احدیت اور قوس واحدیت کے ضمن مین کی ہے، وہ بے انتہا لطیف ہے، اور اہل ذوق کے لئے باعث حظ، جسے ہم بخوف طوالت نظر انداز کرتے ہین،

رسالہ انسکزیہ اس رسالہ کا نام رسالہ انسکزیہ فی اجوبۃ الطفقہیہ مولانا علی قوشجی علی بحث ما انا قلت فی المطول ہے، جو صرف ۱۵ اوراق کا ۱/۸ تقطیع پر ہے۔ معانی وبیان پر تلخیص المفتاح جلال الدین محمد بن عبدالرحمن قزوینی متوفی ۷۳۹ھ کی ایک مشہور کتاب ہے، مولینا علی قوشجی نے بحث ما انا قلت پر چند اعتراضات کئے تھے، یہ رسالہ اون کے جواب مین ہے، میر ہاشم صاحب جو خود بھی بڑے عالم تھے، اونھون نے بھی اس مبحث پر ایک رسالہ لکھا ہی، اس کتاب پر جابجا اون کے حاشیے بھی ہین۔ کاتب کا نام محمد یوسف ہے، اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے،

بسم اللہ الرحمن الرحیم. قال صاحب لا یفلح ویقدم المسند لیفید التقریر تخصیصہ بالخبر الفعلی. اور اختتام ان جملون پر ہے، ھذا ما تیسر لی ھو المیسر لکل عسیر و ما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب. " یہ رسالہ ۹ بحث پر منقسم ہے، جن مین سے بعض بہت ہی مختصر اور بعض طویل ہین، طرز تحریر یہ ہے کہ پہلے نفس تلخیص کے اصل مسئلہ کو لکھا ہے، پھر سید شریف جرجانی کا اعتراض نقل کرکے علامہ قوشجی کا نظریہ بیان فرمایا ہے، اور آخر مین اپنا جواب تحریر کیا ہے، جہان علامہ قوشجی کا اعتراض شروع ہوا ہے وہان سرخی سے "قولہ" ہے، اور جس جگہ سے جواب دیا ہے، اوسکی ابتدا "اقول" سے ہوتی ہے، اس بحث پر تین اور رسالے اسی کے ساتھ مجلد ہین، رسالہ مولانا علی قوشجی، رسالہ ملا عبد الغفور، رسالہ میر ہاشم. افسوس ہے کہ ان مین سے کسی پر سنہ تحریر نہین ہے، اور بدقسمتی سے یہ بھی معلوم نہ ہوسکا کہ اس رسالہ کا نام "انسکزیہ" کیون رکھا، اور کس مناسبت سے؟ میرا ذاتی خیال ہے، کہ جناب شاہ صاحب کا ایک دوسرا رسالہ "انکمریہ" ہے، جو غالباً "انکار" سے ہے، جس مین ایک کفر کے فتوی کی تردید کی ہے، کاتب نے اسی لفظ کو "انسکزیہ" سے تبدیل کردیا، ضرورت ہے کہ یہ لآلی شاہوار جلد تر شائع ہوجائین، تا کہ کم از کم ضایع ہونے سے محفوظ رہین،

حاشیہ علی المختصر المعانی یہ کتاب بھی ۱/۲ ۹ تقطیع پر ہے، اوسکی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے، بسم اللہ الرحمن الرحیم. قولہ اداء الحق شیء مما یجب علیہ. اور اختتام یون ہے، قولہ کانہ قنا ابن الھیجا، القنا جمع قناۃ وھی الرمح. والفیلق الجیش قد وقع من تحشیتہ سلطان المحققین افضل المدققین اشرف المتورعین ملجا السالکین. الشیخ وجیہ الحق والدین. کاتب کا نام نہین ہے، تاریخ بھی نہین ہے، فقط اس قدر لکھا ہے. فی شھر رمضان سنہ من الھجریۃ النبویۃ حاشیہ پر جابجا اس کی تصحیح بھی کی گئی ہے، جہان اصل کتاب سے نقل کیا ہے، اوسکو سرخی سے "قولہ" کے لفظ سے ممتاز کردیا ہے. چونکہ مختصر المعانی مصنفہ سعد الدین تفتازانی مشہور کتاب ہے، جو تلخیص المفتاح کی شرح ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے اور عموماً متوسط درجہ کے طلبہ اسکو پڑھتے ہین، اس لئے اس حاشیہ مین طلبہ کے لئے سہولت بہم پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے، معانی کا بیان منطق

الفاظ کی تشریح مطالب کی توضیح کا خاص خیال رکھا ہے، اس کتاب کے مطالعہ سے یہ بات بھی صاف معلوم ہوتی ہے، کہ دسویں اور گیارہویں صدی کا طریقہ تعلیم کیا تھا، اس عہد میں نفس فن پر بہت کم لوگ توجہ کرتے تھے، متون کی شرحیں، شرحوں کے حواشی، اور حواشی پر حاشیہ اس عہد کا بہترین کارنامہ ہے، متن پر اعتراض، شرح پر اعتراض، اور اوس کا جواب پھر اس جواب پر اعتراض اور اس کا جواب کہیں ففیہ نظر، کسی جگہ فتامل کی تشریح کو اصل کارنامہ سمجھا جاتا تھا، زمانہ کے اثر سے جناب شاہ صاحب بھی بہت متاثر نظر آتے ہیں، اور جگہ جگہ اوسکو کھول کر طلبہ کے فہم کے مطابق بیان فرماتے ہیں، قطب الدین رازی، سعد الدین تفتازانی، میر سید شریف جرجانی نے جو روش اختیار کی تا بعد کے تمام علما متاخرین قدم بقدم اوسکی پیروی کرتے آئے،

رشاد شرح الارشاد | نحو میں الارشاد نام ایک کتاب قاضی شہاب الدین بن شمس الدین بن عمر زاولی دولت آبادی کی ۸۶۳ھ کی تصنیف ہے جناب شاہ صاحب نے اس کی شرح لکھی ہے، اور اس کا نام "رشاد" رکھا ہے، اور مشہور ہے کہ جناب شاہ صاحب کی یہ پہلی تصنیف ہے[۱] یہ کتاب میری نظر سے نہیں گذری، البتہ شاہ صاحب کی شرح یعنی رشاد پر مالک احمد بن ملک پیر محمد صاحب کا حاشیہ متوسط تقطیع پر ۱۵۰ صفحہ کا ہے، اس سے میں اندازہ کرتا ہوں کہ غالبًا شرح اس سے زیادہ ضخیم یا کم از کم اسکے قریب ہوگی اور عام فہم ہوگی،

حاشیہ علی العضدی | یہ کتاب ۸ تقطیع پر خط نسخ میں ہے، صفحات ۱۳۱ ہیں، اسکی ابتدا "بسم اللہ الرحمن الرحیم وبہ نستعین الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی رسولہ سیدنا الخلق وکل الانبیاء والمرسلین قولہ وبھذا الاعتبار یندرج فی الادلۃ السمعیۃ" سے ہوتی ہے، اور اختتام ان فقروں پر ہے، فیرجع الظن لا التصدیق بان ھذا احدہ لا ان نفس الحد ظنی۔ تمت

یہ کتاب رجب ۱۰۸۱ھ کی لکھی ہوئی ہے، یعنی شاہ صاحب کی وفات کے ۱۲ سال بعد کی ہے، کاتب کا نام کبیر محمد بن شاہ محمد ہے، لیکن کتاب کے اندر خط دو قسم کے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ اصل کتاب سے کچھ

[۱] مجموعہ حالات شاہ وجیہ الدین مصنفہ عبد المنعم مطبوعہ شہابی بمبئی، ص ۲۲،

ضائع ہوجانے کے بعد دوبارہ تحریر کرایا گیا ہے، ابتدا مین اور چند دوسری جگہون مین خوشخط ہے، اور آخری صفحات مین معمولی، اور یہی معمولی کبیر محمد صاحب کا تحریر کردہ ہے، سطرین عموماً ۲۰، اور ۲۲ ہین، کاغذ باریک چکنا اغلباً احمد آبادی ہے، "عضدیہ" چند صفحے کا ایک چھوٹا رسالہ فن مناظرہ مین ہے جس کے مصنف عضد الدین احمد الایجی متوفی ۷۵۶ھ ہین، یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی، کہ متعدد علما نے اس کی شرحین اور پھر شرحون کی شرحین لکھین ما بعد کے علما رنے پھر ان پر حواشی کا اضافہ کیا، متعدد شروح و حواشی اس کتب خانہ مین موجود ہین حنفیہ شرح عضد شرح عضدیہ مصنفہ مولینا عصام الدین، حاشیہ علی الحنفیہ مولفہ میر ابو الفتح، بلجیہ حاشیہ علی حنفیہ مولفہ مولانا باقر بلجی فریدیہ حاشیہ عضدیہ مصنفہ مولانا فرید الدین، حاشیہ عضدیہ مولفہ جناب شاہ وجیہ الدین صاحب وغیرہ،

حاشیہ بیضاوی یہ حاشیہ بے حد مقبول ہوا، دسوین اور گیارہوین صدی مین عرب و شام مین عام طور پر زیر درس تھا، لیکن فی الحال نایاب ہے، روضۃ الاولیا کے صـ۳۵ مین درج ہے، کہ "یہ کتاب مدراس مین محمد عبد اللہ بن ناصر الدین عبد القادر کے پاس موجود ہے" مین جب مدراس مین تھا، تو جد و جہد کے باوجود بھی یہ معلوم نہ ہو سکا کہ عبد اللہ کون ہین اور کس جگہ ان کا مقام ہے، اب خیال آتا ہے کہ شاید یہ عبد اللہ "عبید اللہ" صاحب سابق قاضی شہر مرحوم مغفور تو نہین ہین، قاضی صاحب موصوف کے صاحبزادے ہی اس عقدہ کو حل کر سکتے ہین، جو خود بھی صاحب ذوق صاحب علم اور متقی بزرگ ہین، اور مدراس مین کافی اثر رکھتے ہین،

بہر حال اس وقت کتب خانہ مین بیضاوی پر جو حاشیہ ہے وہ مظہر الدین محمد گازرونی کا ہے، اور اور شاہ صاحب نے بدست خود اوسکو نقل فرمایا ہے، آخری عبارت یہ ہے، "کتب الحواشی التی علی تفسیر البیضاوی للمولی المحقق مظہر الدین محمد گازرونی، اضعف عباد اللہ وجیہ الدین بن نصر اللہ بن عماد الدین العلوی وکان الاتمام بدار السلطنۃ احمد آباد وقت الاشراق" اس طرح سے جناب شاہ صاحب کی تحریر کا اصلی نمونہ بھی موجود ہے، ایک اور چھوٹا سا رسالہ "تقطیع" کا میری نظر سے گذرا، اس مین کل ۱۲ صفحے ہین، جناب سید محمد غوث گوالیاری پر جو اعتراضات کئے گئے تھے، اوسکے جواب مین ہے، اسکے

علاوہ اور چند منتشر اوراق بھی ملے ہیں جنمین سے بعض شرح ملا کا حاشیہ ہے، کچھ اوراق پر شرح وقایہ کا حاشیہ ہے، شرح ہدایۃ الحکمۃ پر جو حاشیہ تھا، کچھ حصہ اوسکا بھی موجود ہے، فن عروض پر کوئی کتاب تھی، چند اوراق اوس کے بھی محفوظ رہ گئے ہین، ایک مجموعہ اوراق فن منطق مین ہے اور دوسرا نحو مین بعض خطوط بھی ہین، لیکن سب نامکمل،

چند دیگر رسائل بھی قابل ذکر ہین،

(۱) شرح البسیط للعلوی۔ فرائض مین ہے، اس کی ابتدا یون ہوتی ہے، بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی الافضل من بعثہ محمد والہ وصحبہ اجمعین۔ الحمد للہ فاتحۃ الکتاب۔ چوب قلم اور خط نستعلیق ہے، خوش قسمتی سے یہ نسخہ مکمل ہے آخر کے الفاظ یہ ہین، قد وقع الفراغ من تحریر شرح البسیط لمولانا السلطان العارفین برہان الموحدین حجۃ العاشقین شاہ وجیہ الحق والملۃ والدین قدس سرہ العزیز، کہین کہین حاشیہ عبد الرحیم صاحب کا بھی ہے تقطیع ۱۲/۸،

(۲) حاشیۃ العلوی علی شرح النخبہ اصول حدیث مین ہے نسخہ کامل ہے، خط اوس کا نستعلیق ہے ابتدا مین ہے، بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ حمد ایوافی نعمہ ویکافی مزیدہ۔ اللھم صلے علی محمد کلما ذکرہ الذاکرون۔ وغفل عن ذکرہ الغافلون قال الشیخ الامام والحمد للہ الذی وفقنا وھدانا لھذا وما کنا لنوفق۔ ولنھدی لولا ان لوفقنا،

اس کا ایک نسخہ ناقص از آخر کتب خانہ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد مین بھی موجود ہے،

(۳) حاشیۃ التلویح للعلوی، یہ ضخیم کتاب ہے، گو کامل ہے مگر بوسیدہ بخط نسخ۔ اسکی ابتدا سطح کی گئی ہے، رب یسر وتمم بالخیر وبہ یستعین کل سقیم۔ الحمد للہ رب العالمین۔ والصلوٰۃ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین قولہ احکم بکتابہ اصولہ الشریعۃ اور آخر مین ہے، ھذا آخر الکتاب بعون اللہ الملک الوھاب والحمد للہ علی اتمامہ انہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق۔ مندرجۂ بالا کتب جامع مسجد بمبئی کے کتبخانہ مین ہین،

(۴) حاشیہ علی شرح جامی للعلوی۔ ابتدا مین ایک صفحہ کا مقدمہ ہے، اور پھر اصل کتاب اس طرح شروع ہوتی ہے، قولہ الحمد لولیہ والصلوٰۃ علی نبیہ۔ اختلف علمائهم فی تعریف الحمد کل ۴۸ صفحے ہین، متوسط تقطیع، اور آخر مین ہے، کہ قد تم ہذہ الحاشیۃ الشریفۃ لمولانا……… وجیہ الدین علی شرح مولانا عبد الرحمن جامی للکافیہ فی التاریخ السابع والعشرین العشرین من شعبان المعظم فی سنہ الواحد والثمانین والف علی ید احقر عباد اللہ محمد عنا اللہ بن عبد اللطیف عبد العزیز

(۵) رسالۃ ترتیب ارکان الصلوٰۃ للعلوی، چند اوراق عربی زبان مین ہین، کتاب کا منشا نام سے ظاہر ہے، یہ دونون کتابین بمبئی کے مشہور کوکنی فاضل جناب یوسف کھٹکھٹے صاحب بی اے کے ذاتی کتبخانہ مین ہین، اور آخر الذکر کا دوسرا نسخہ بھروچ مین جناب قاضی نور الدین صاحب کے کتبخانہ مین بھی ہے، مگر آخر سے ناقص ہے

(۶) وافیہ شرح کافیہ ۔ ناقص از ابتدا، و وسط، قاضی صاحب مذکور کے کتب خانہ مین ہے تقطیع متوسط اور کرم خوردہ ہے، اس کے آخر مین لکھاہے کاتبہ وماللہ حامد بن شاہ وجیہ الدین علوی

(۷) رسالۃ توضیح فی الھیئۃ فارسی اس کتاب پر حضرت شاہ علوی کا حاشیہ ہے، مختلف نقشے بھی ہیئت کے ہین، بالکل بوسیدہ اور کرم خوردہ ہے، بس تبرک ہی تبرک ہے یہ بھی قاضی صاحب موصوف کے حصہ مین آیا ہے،

(۸) حواشی علی المنہل للعلوی، اسکے ابتدا مین ہے، بسم اللہ الرحمن الرحیم قولہ موردہا ومصدرہا، اور اوسکے آخر مین ہے، ولیس ہذا یفید للجمع وانما ھو بیان لا اطلاق ای اطلاق الجمع، کل صفحے ۹ ہین، خط نسخ ہے، تقطیع ۱۲ فی صفحہ ۷ سطرین ہین، پٹن کے مشہور خاندان جمال الدین قطب و محمد سعید قطب کے ذاتی کتبخانہ مین یہ موجود ہے،

(۹) حاشیہ علی شرح وقایہ للعلوی:۔ ضخیم کتاب ہے، متوسط تقطیع خط نستعلیق خوشخط ہے تقریباً چھ سو صفحات ہونگے، درگاہ حضرت پیر محمد شاہ کے کتب خانہ مین یہ کتاب اول آخر سے ناقص ہے،

(۱۰) شرح شواہد المنہل ناقص از اول،

تلخیص و تبصرہ

"ترکی اور مصر مین تعلیم جدید کی تحریک"

رسالہ "مسلم ورلڈ" امریکہ کے تازہ نمبر مین ایک مقالہ مذکورۂ بالا عنوان سے نکلا ہے، جو ہم مسلمانون کے غور کے لائق ہے، اسکی تلخیص حسب ذیل ہے:-

"عربی تمدن کو از سرِ نو زندہ کرنے اور اُسے زمانۂ حال کے مطابق بنانے کی خواہش نیز اُن قریب تر تعلقات نے جو ممالک اسلامیہ اور مغربی معاشرت و خیالات کے درمیان قائم ہو گئے ہین تمام مشرق قریب کے اسلامی نظام تعلیم مین اہم تبدیلیان پیدا کر دی ہین، مصر اور ترکی اس جدید تحریک مین پیش پیش ہین، لیکن شام، فلسطین، اور عراق پر بھی اس کا گہرا اثر پڑا ہے، اگرچہ یہ اثر مصر اور ترکی کے اثر سے کسیقدر مختلف ہے، تعجب یہ ہے کہ مغربی تمدن کی خواہش کے ساتھ ساتھ مصر اور ترکی مین دول عظمیٰ کی جانب سے کشیدگی اور بے اعتمادی بھی بڑھتی جاتی ہے، اس امر مین ترکی اور مصر کے کسی قدر مختلف طرزِ عمل کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ ترکی نے ایک جمہوری سلطنت قائم کر لی ہے اور اب وہ ہر چیز کو خالص قومی رکھنا چاہتی ہے، علاوہ برین وہ حقیقۃً یا بہ خیال خود جنگ عظیم کے بعد سے مغربی حکومتون پر اعتماد نہ کرنے کا ایک مزید سبب بھی رکھتی ہے، برخلاف اس کے مصر برطانوی اثر اور ایک بہتر حکومت سے سالون مستفید ہو چکا ہے جس کا اعتراف کامل آزادی کے موجودہ مطالبہ کے باوجود مشاہیر اہل مصر بھی کرتے ہین،

مصر اور ترکی کے تعلیمی نظام مین ایک اور اہم فرق یہ ہے کہ مصر مین تعلیم کی مذہبی بنیاد کو قائم رکھنا چاہتے ہین،

البتہ اس مین زمانۂ حال کی ضروریات کا بھی لحاظ رکھنا چاہتے ہین اور ساتھ ساتھ یہ بھی چاہتے ہین کہ دول اسلامیہ مین مصر سب سے آگے ہو اور اس کی مذہبی حیثیت اور تمام حیثیات سے زیادہ نمایان ہو، لیکن ترکی مین قومیت زیادہ فروغ حاصل کر رہی ہے اور اسلام وہان دوسرے درجہ پر ہے، مصر کی طرح وہان بھی ہر جدید اور سائنٹفک شے کے حصول کی زبردست خواہش ہے لیکن اُسے ترکی ہونا چاہئے، عربی زبان یا عربی لٹریچر پر اب بہت کم توجہ کیجاتی ہے اگرچہ نصاب تعلیم مین علوم دنیوی کی حیثیت زیادہ نمایان ہے تاہم جمہوریہ کے بچون کے لیے دینیات کا بھی ایک باقاعدہ نصاب ہے، اور مختلف درجون کے لیے درسی کتابین شائع کیجاتی ہین، ذیل مین چند اقتباسات ان کتابون کے درج ہین جو ابتدائی مدارس کے تیسرے درجہ کے لیے جون ۱۹۲۸ء مین نظارتِ تعلیم کے تعلیمی کمیشن نے منظور کی ہین:-

"اسلام مین مذہب عیسوی کے پادریون کی طرح مخصوص مقرر شدہ پیشوا نہین ہین، ہر شخص برابر ہے، ہر مسلمان جو امام کے فرائض ادا کر سکتا ہے نماز پڑھا سکتا ہے۔ عیسائیت مین ایسا نہین ہے، اگر کوئی پادری نہ ہو تو عیسائی عبادت نہین کر سکتے"۔

مذہبی اور قومی ایمان کی تعریف یون کیگئی ہے:-

"مذہب اسلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور ہمارے پیغمبر صلعم پر ایمان لایا جائے، جنھون نے ہمکو اسلام کی تعلیم دی، ہم اللہ تعالیٰ اور پیغمبر صلعم پر عقیدہ رکھنے کو ایمان کہتے ہین، اللہ تعالیٰ جس نے کائنات کو اور ہمکو پیدا کیا قدیر ہے، ہم پورے طور سے یہ نہین جانتے کہ اللہ تعالیٰ کیا ہے یا کیونکر ہے، وہ بہت بڑا ہے، . . . . . بچو تم دیکھتے ہو کہ ایمان لوگون مین اتحاد پیدا کرتا ہے اور اُن کو قوت اور مسرت بخشتا ہے، اللہ تعالیٰ پیغمبر صلعم، اور مذہب اسلام پر عقیدہ رکھنا مذہبی ایمان ہے،

ہمارا ایک قومی ایمان بھی ہے، ہم ترک ہین، ترک تہذیب یافتہ اور متمدن ہین، ہمارا ملک ہمیشہ ترقی کرتا جائیگا، اور ہمیشہ دشمنون پر فتحیاب ہوگا، جس وقت ترک کا نام لیا جاتا ہے میرا سینہ فخر سے پھول جاتا ہے، اور میرا سر بلند ہو جاتا ہے، مین اُن لوگون سے محبت کرتا ہون جو میری قوم اور میرے ملک کے لیے مفید ہین، جو میرے محبوب ملک کو

نقصان پہنچاتے ہیں، اُن سے مجھے مطلق محبت نہیں ہے"

مذہب کی تعریف ان الفاظ میں کیگئی ہے:۔

"ذیل کے دو جملون سے مذہب اسلام کی حقیقت معلوم ہوتی ہے، اسلام کے معنی ہیں، خدا ایک ہے، خدا کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے اور محمد صلعم خدا کے پیغمبر ہیں، جو لوگ ان الفاظ کے معنی پر ایمان رکھتے ہیں وہ مسلمان ہیں، بچو تم دیکھتے ہو کہ اسلام سب سے زیادہ آسان اور سب سے زیادہ سچا مذہب ہے، مسلمانون کی مقدس کتاب قرآن ہے، اس کتاب مین اللہ تعالیٰ کے احکام لکھے ہوئے ہیں، ہم قرآن کا بہت زیادہ احترام کرتے ہیں، یہ وہ مقدس کتاب ہے جو ہمکو اخلاق کی تمام خوبیان سکھاتی ہے"

مصر مین جو چیز سب سے زیادہ نمایان ہے وہ اسلامی تعلیم کی قدیم اور جدید شکلون کی کشمکش ہے، کیونکہ یہان جیسا کہ اسلامی تعلیم کی تاریخ مین ہمیشہ رہا ہے مذہبی عنصر غالب ہے، قدیم نظام تعلیم مین قرآن کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی تعلیم قرآن کے ساتھ فقہ بھی شامل تھی، جسکی بنیاد زیادہ تر قرآن اور حدیث پر ہے، اس کے علاوہ نصاب مین عربی ادب کی ناقدانہ تعلیم بھی داخل تھی، وقتاً فوقتاً اصلاح کی کوششین ہوتی رہی ہیں، جیسا کہ سید رشید رضا اور دوسرون کی سعی سے معلوم ہوتا ہے، لیکن اس وقت تک قدامت پرست حلقون کی طرف سے بنیادی تبدیلیون کی سختی سے مخالفت جاری ہے، اس قسم کی مذہبی بنیاد کی موجودگی مین کوئی تعجب نہین کہ قرآن اور حدیث کے جدید ناقدانہ مطالعہ نے کسی قدر حیرت خیز انقلابات پیدا کر دیئے ہیں، جدید تنقیدات کے علاوہ اور اسباب بھی کارفرما تھے، جامع ازہر کے فارغ التحصیل طلبہ کو ان طلبہ کے مقابلہ مین جو مصر کی سرکاری یونیورسٹی یا یورپ کے ملکون مین تعلیم حاصل کرتے تھے ملازمتین نہین ملتی تھین، یہ امر دلچسپی سے خالی نہین کہ اصلاح کا موجودہ مطالبہ خود طلبائے ازہر کی جانب سے ہوا ہے، حالانکہ جب یہ اصلاحات محمد عبدہ اور اُنکی جماعت نے پیش کی تھین تو انھین طلبہ نے خصوصیت کیساتھ انکی مخالفت کی تھی،

جامع ازہر کی تعمیر ۹۷۰ء مین چوتھے فاطمی خلیفہ کے دور حکومت مین ہوئی تھی، اس مین ایک عام کتبخانہ ہے جو "مرکزی کتبخانہ ازہر" کے نام سے مشہور ہے، یہ ۱۸۹۷ء مین قائم ہوا تھا اور اس مین (۵۰۹۷۴) مطبوعہ اور قلمی کتابین

ہین، اس مرکزی کتبخانہ کے علاوہ چھوٹے چھوٹے کتبخانے اور بھی ہین، علاوہ برین (۶۰۰) سے زیادہ کتابون کا ایک ترکی ذخیرہ ہے، شام اور شمالی مصر کے بھی دو ذخیرے ہین جنمین سے شمالی مصر کی کتابون مین زیادہ تر قدیم مخطوطات ہین، اساتذہ کی تعداد دو اور تین سو کے درمیان ہے اور طلبہ کا شمار دس اور بارہ ہزار کے درمیان، ان مین زیادہ تعداد مصریون کی ہے، باقی شام، ترکی، افریقہ، افغانستان، عراق، بورنیو، ہندوستان، جاوا، ایران، اور دوسری چھوٹی چھوٹی اسلامی جماعتون سے آئے ہین، جامعہ کا ایک شیخ اور ایک مددگار شیخ ہے، ان کے علاوہ بارہ ارکین کی ایک مجلس انتظامیہ بھی ہے جس کا صدر شیخ الجامعہ ہوتا ہے، ازہر کے علاوہ اسی قسم کے تعلیمی ادارے اسکندریہ، طنطا، اسیوط، دمیاط اور زقازق مین بھی ہین، مسجدون مین جو مدرسے ہین انکی تعداد نہایت کثیر ہے اور ایسے مدرسے صرف شہرون ہی مین نہین ہین بلکہ اکثر دیہاتون مین بھی ہین،

دوسرا بڑا تعلیمی نظام مصری حکومت کا ہے، اس مین وزارت تعلیم کے ماتحت جدید طرز کے حسب ذیل ادارے شامل ہین، مردون اور عورتون کے لیے ابتدائی ٹرننگ کالج، لڑکون اور لڑکیون کے لیے ابتدائی اور ثانوی مدارس، مدرسۂ قانون۔ مدارس زراعت، تجارت، انجینرنگ، طب و دواسازی، مردون اور عورتون کے لیے ایک بڑا ٹرننگ کالج، شیوخ کی تعلیم کے لیے ایک دار العلوم، ان کے علاوہ قاہرہ، اسکندریہ، اور دوسرے بڑے شہرون مین صنعتی، حرفتی، اور تجارتی مدارس بھی ہین،

غرض مصر مین دو نظام تعلیم قدیم اور جدید ساتھ ساتھ جاری ہین، مغربی اثر کی روز افزون ترقی کے ساتھ ممکن نہ تھا کہ یہ صورت حال ہمیشہ قائم رہتی اور بالآخر جامع ازہر کے طلبہ نے اصلاحات کا مطالبہ کیا، انھون نے حکومت کے سامنے اپنے معاملات کو پیش کرنے کے لیے متعدد وفود بھیجے، افسران حکومت کی طرف سے کوئی مخالفت نہ ہوئی بلکہ انھون نے طلبہ کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا، محمد خالد حسنین بے نے جو محکمۂ ادارات مذہبی سے تعلق رکھتے ہین ۱۹۲۵ء مین نہایت احتیاط کے ساتھ اصلاح کا کام شروع کیا، انھون نے شروع ہی مین تعلیم کے مذہبی پہلو مین مداخلت نہین کی، وہ صرف جامعہ کے طرز معاشرت مین ضروری اصلاحات کرنا، نصاب کے سائنٹفک حصہ کو

تقویت دینا، اور جامع ازہر کے نصاب تعلیم کو سرکاری مدرسون کے نصاب کے برابر کر دینا چاہتے تھے،

اگست اور ستمبر ۱۹۲۸ء مین جامع ازہر کی اصلاحات پر غور کرنے کے لیے جو کمیٹی قاہرہ مین بیٹھی تھی اسکی یہ متفقہ رائے تھی کہ اس کے معیار کو مذہبی اور علمی دونون حیثیتون سے زیادہ بلند کرنا چاہئے، تاکہ نہ صرف مصر بلکہ تمام دنیائے اسلام مین اس کا اثر وسیع تر ہو جائے، اس مقصد کے حصول کے لیے کمیٹی نے شرائط ذیل کا پورا ہونا ضروری قرار دیا:-

اصول و قوانین مذہب کی تحصیل اُسی طریقہ سے کیجائے جسطرح اسلام کے عہد زرین مین کی جاتی تھی،

عربی زبان اور اس کے قواعد کی تعلیم مین جو قدیم طریقے مستعمل ہین وہ اگر بالکل چھوڑ نہ دیئے جائین، تو کم سے کم ان مین بنیادی ترمیم ضرور کر دیجائے اور اُن کے بجائے ایک جدید طریقہ سائنٹفک اصول پر رائج کیا جائے،

نصاب مین دینیات اور عربی زبان کی تعلیم پر سب سے زیادہ توجہ ہونی چاہئے لیکن وہ مضامین بھی داخل کر دیئے جائین جو وزارت تعلیم نے تمام ملک کے ابتدائی اور ثانوی مدارس کے لیے تجویز کئے ہین، اگر ایسے نصاب پر عمل کیا گیا تو جامع ازہر کے طلبہ کی منفرد اور جداگانہ حیثیت باقی نہ رہیگی جیسا کہ اتنی مدت تک رہی ہے بلکہ وہ آزادی کے ساتھ مصر کے تعلیم یافتہ طبقہ مین شامل ہو سکین گے، اور جدید عالم اسلامی کے مذہب اور تمدن کی مدد مین بیش قیمت حصہ لے سکین گے، مسجدون مین جو مدرسے ہین اُن کا نصاب بھی بالکل سرکاری مدرسون کے نصاب کے مطابق ہونا چاہئے، البتہ اس مین دینیات اور عربی زبان کی مزید تعلیم بھی شامل ہو،

لیکن جامع ازہر کی موجودہ تحریک کے خلاف اب بھی مصر مین بہت کافی مخالفت ہو رہی ہے دونون طرف سے کتابین اور رسالے شائع کئے جا رہے ہین اور ہفتہ وار اور روزانہ اخبارون مین مضامین نکلتے رہتے ہین،

مختصر نویسی کی مختصر تاریخ

مختصر نویسی کا ذکر اول اول ۶۳ قبل مسیح مین رومن شاعر کوئنٹس انیس کے سلسلہ مین آتا ہے، جس نے زود نویسی کیلئے گیارہ سو علامتون کا ایک جدید طریقہ تحریر ایجاد کیا تھا، حضرت عیسیٰ سے کئی سو برس پہلے عبرانیون نیز ایرانیون مین الفاظ کو مختصر

کرنیکا کوئی طریقہ رائج تھا، لیکن اس بات کی کوئی شہادت موجود نہیں کہ مختصر نویسی کیلئے خاص حرف یا دوسری مخصوص علامتیں استعمال کی جاتی تھیں،

مختصر نویسی کے استعمال کی پہلی متیقن اور یقینی شہادت پلوٹارک کے بیان سے ہوتی ہے، وہ لکھتا ہے، کہ کیٹیلائنا کی سازش پر جو مباحثہ رومن سینٹ میں ۶۳ ق م میں ہوا تھا، اسمیں سسرو کی مشہور تقریر مختصر نویسی ہی کے ذریعہ قلمبند کیگئی تھی،

مختصر نویسی کے طریقہ کا موجد سسرو کا آزاد کردہ غلام ٹائرو تھا، اس زمانہ کے بہتیرے غلاموں کی طرح وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا، آزادی حاصل کرنیکے بعد وہ سسرو کا سکریٹری اور معتمد ہوگیا، ان دنوں مختصر نویسی کیلئے چھوٹی چھوٹی تختیاں استعمال کیجاتی تھیں جن پر موم کی ایک تہ ہوتی تھی، ان مومی تختیوں کے حاشیے اٹھے ہوتے تھے، (جیسے سلیٹ کا چوکھٹا ہوتا ہے) تاکہ بند کرنے پر تحریر کو نقصان نہ پہنچ سکے، یہ تختیاں گوشوں پر تار کے ذریعہ سے ایک دوسرے سے بندھی ہوتی تھیں، اور بیس بیس تختیاں اس طرح باندھی جاسکتی تھیں جس کتاب میں دو ہی تختیاں ہوتی تھیں اوسے ڈپلوما (DIPLOMA) کہتے تھے، سرکاری ملازمتوں پر تقرر کا پروانہ اسی شکل میں دیا جاتا تھا، لکھنے کیلئے جو قلم استعمال کیا جاتا تھا اوسکی نوک ہاتھی دانت یا لوہے کی ہوتی تھی، اور دوسرا سرا چپٹا ہوتا تھا تاکہ اگر اوس تختی پر دوبارہ لکھنے کی ضرورت ہو تو حروف مٹا کر موم پھر برابر کردی جائے،

مختصر نویسی کا ذکر سسرو، ہوریس، لیوی، اوویڈ، مارشل، بلینی، سٹیسیٹس، اور سوٹونیس کی تصانیف میں ملتا ہے، سسرو خود ایک مختصر نویس تھا، جیسا کہ وہ اٹیکس کو لکھتا ہے:۔

"میرا خیال ہے کہ جو کچھ میں نے ان دس نائبوں کے متعلق تمکو لکھا تھا، اوسے تم نے سمجھا نہیں کیونکہ میں نے تھیں مختصر نویسی میں لکھا تھا، جولیس سیزر بھی مختصر نویس تھا، شاعر اوویڈ اس کے متعلق لکھتا ہے" اُن علامات کے ذریعہ سے راز کی باتیں سمندر پار دور دراز مقامات پر پہنچتی تھیں۔"

قدیم مسیحی کلیسا کے عروج کے ساتھ ساتھ ٹائرو کے قواعد مختصر نویسی میں بھی بہت کچھ ترقی ہوئی، یہ فن "اہل ایمان" کے لئے بہت زیادہ مفید ثابت ہوا، لیکن اوسکو سیکھنا اب کہیں زیادہ مشکل ہوگیا، حال کے بعض مورخین نے ثابت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے جو خطبہ کوہ زیتون پر دیا تھا، اوسے لوقا نے مختصر نویسی میں قلمبند کیا تھا، اور پولوس نے کلسیوں کو جو خطوط بھیجے تھے وہ

مختصر نویسون کو لکھا دئے تھے، اغسٹائین دس مختصر نویسون سے کام لیتا تھا،

سنہ عیسوی کی ابتدائی صدیون مین مختصر نویسی کا رواج کثرت سے تھا، اور اس فن کی ضرورت عام طور پر محسوس کیجاتی تھی چنانچہ اغسٹائین کا بیان ہو کہ ایک بار رومہ کے مختصر نویسون نے اسٹرائک کر دی اور بالآخر اپنے مطالبات کو حاصل کرنے مین کامیاب ہوئے لیکن جب سلطنت رومہ کا زوال شروع ہوا تو اس فن کی مقبولیت بھی کم ہونے لگی، چنانچہ شہنشاہ جسٹینین نے سرکاری کاغذات کے لئے اس طریقہ تحریر کو ممنوع کر دیا، بعد مین فریڈریک ثانی نے مختصر نویسی کے تمام حروف کو "ساحرانہ اور شیطانی" قرار دیکر نیست و نابود کر دینے کا حکم نافذ کیا، پھر قرون مظلمہ کا دور آیا اور قریبًا ایک ہزار سال تک تمام علوم و فنون دنیا (عیسائی دنیا) سے غائب رہے

اسکے بعد نشاۃ جدیدہ کا زمانہ آیا اور مختصر نویسی کے احیاء کا اظہار اول اول اٹلی کے مشہور مصلح سیوونارولا کی تقریرون سے ہوا، جن کو ایک قسم کے مختصر طرز تحریر مین لارنزو وایولا نے قلم بند کیا تھا،

دور جدید مین مختصر نویسی کو سب سے پہلے ڈاکٹر ٹموتھی برائٹ نے رائج کیا، ۱۵۸۸ء مین اونھون نے اس موضوع پر ایک کتاب لندن مین شائع کی جس کا عنوان تھا "کیرکٹری"، مختصر، تیز، اور مخفی تحریر کا فن" فن مختصر نویسی کے بہت سے نام رکھے گئے "کیرکٹری" مقبول نہین ہوا، بجائے اوسکے برانچیگریفی (BRANCHYGRAPHY) ٹیچیگریفی (TUCHYGRAPHY) سٹینوگریفی اور بہت سے دوسرے نام بدلے گئے،

برائٹ کا طریقہ تحریر بالکل بے قاعدہ تھا، اسمین صرف علامتون کی تفصیل تھی، جو الفاظ کے بجائے استعمال کیجاتی تھین، حروف تہجی کے ساتھ سب سے پہلے جان ولس نے مختصر نویسی کا ایک طریقہ ۱۶۰۲ء مین شائع کیا اسکے بعد سے اس فن مین مسلسل ترقی ہوتی رہی، اور آیندہ ڈیڑھ صدی مین اس کے دو سو سے زیادہ طریقے شائع ہو گئے، ۱۸۳۷ء مین آئزک پٹمین نے سٹنوگریفک ساؤنڈ ہینڈ (STENOGRAPHIC SOUND HAND) کے نام سے ایک طریقہ شائع کیا، جو ۱۸۴۰ء مین تجدید کے بعد فونوگریفی کے عنوان سے چھپا، ۱۸۸۸ء مین جان رابرٹ گرگ نے لائٹ لائن فونوگریفی LIGHTLINEPHONOGRAPHY شائع کی، اور اسمین آواز کا اصول اختیار کیا، اگرچہ مختصر نویسی کے فن مین ۱۸۸۸ء کے بعد سے کچھ ترقی ہوئی ہے تاہم اس کے خاص خاص اصول بدستور قائم ہین،

"اسٹیٹسمین" "ع ز"

ادبیات

ترانۂ شعراء

از جناب اسد ملتانی، بی اے

عاشقی کا فسانہ ہیں ہم لوگ زندگی کا ترانہ ہیں ہم لوگ

روح کے سازِ غیر فانی کا نغمۂ عاشقانہ ہیں ہم لوگ

حسن کے نورِ جاودانی کا جلوۂ دلبرانہ ہیں ہم لوگ

بولنا چاہتے ہیں عشق اور حسن گفتگو کا بہانہ ہیں ہم لوگ

طور کا واقعہ سنا ہوگا اُسکا اک شاخسانہ ہیں ہم لوگ

روحِ خوابیدہ کے جگانے کو غیب کا تازیانہ ہیں ہم لوگ

زلفِ جان کو سنوارنے کیلئے دستِ قدرت میں شانہ ہیں ہم لوگ

نور اپنا ہے دوسرون کیلئے شمعِ بیرونِ خانہ ہیں ہم لوگ

چل رہے ہیں مگر نہیں معلوم کس طرف کو روانہ ہیں ہم لوگ

مست رہ کر بھی رنگِ عالم کو دیکھتے عارفانہ ہیں ہم لوگ

ہوش افراط و بیخودی تفریط حالتِ درمیانہ ہیں ہم لوگ

آگہی ہے ہماری بے خبری معرفت کا خزانہ ہیں ہم لوگ

رمزِ اسرارِ دین و ایمان کی صورتِ کافرانہ ہین ہم لوگ

دیکھ لو اُس مین صورتین اپنی ایک آئینہ خانہ ہین ہم لوگ

اس لیے ہم شکار ہوتے ہین واقفِ دام و دانہ ہین ہم لوگ

تیر کیسا؟ کہان کا تیر انداز؟ آپ اپنا نشانہ ہین ہم لوگ

سب سے بیگانہ اور سب کے دوست اس روش مین یگانہ ہین ہم لوگ

جانتے جبّۂ فقیری کو خلعتِ خسروانہ ہین ہم لوگ

کبھی پیرانِ پارسا کیساتھ شاملِ پنجگانہ ہین ہم لوگ

کبھی خوبانِ خوشنوا کیساتھ محوِ چنگ و چغانہ ہین ہم لوگ

باوجودِ کمالِ رسوائی نازشِ ہر زمانہ ہین ہم لوگ

برق حسرت سے دیکھتی ہے ہمین کہکشانِ آشیانہ ہین ہم لوگ

کیون نہ سجدے کرے جبینِ خیال آسمانِ آستانہ ہین ہم لوگ

کون اسد ہم کو بھول سکتا ہے؟

"یادگارِ زمانہ ہین ہم لوگ"

راحت کدہ

ازجناب آثر صہبائی، بی اے ال ال بی،

جناب آثر نے راحت کدہ کے عنوان سے پراثر نظمون کا ایک مجموعہ ترتیب دینا چاہا ہے، جو حقیقت مین راحت کدہ کے بجائے غمکدہ ہے، راحت، شاعر کی رفیقۂ حیات کا نام تھا جس نے افسوس کہ داغِ مفارقت دیا، شاعر کے اسی المناک ترانۂ غم کا نام راحت کدہ ہے، انھین مسلسل

آنسوؤن کے دو قطرے، ذیل کی یہ دو نظمین ہین،

"واڈیٹر"

۱

لب پہ آئے ترے نہین نہ کہین ۔۔۔ ٹوٹ جائے دلِ حزین نہ کہین
چارۂ دردِ زندگی نہ ہوا ۔۔۔ اک خلش سی رہی کہین نہ کہین
آشنا ہو کے آستان سے ترے ۔۔۔ پھر کبھی جھک سکی جبین نہ کہین
ڈر رہا ہون کہ اس کی باتون پہ ۔۔۔ دل کو آجائے پھر یقین نہ کہین

اے اثر میرے رختِ ہستی کو!
پھونک دے آہِ آتشین نہ کہین

۲

یہ سلسلۂ حیات کیا ہے! ۔۔۔ یہ غم کی طویل رات کیا ہے!
آغوشِ فنا مین ہے ہر اک شے ۔۔۔ یہ محفلِ بے ثبات کیا ہے!
دل بیٹھ نہ جائے بارِ غم سے ۔۔۔ بیچارے کی کائنات کیا ہے!

ہے چپ سی لگی ہوئی اثر کو،
معلوم نہین کہ بات کیا ہے!

خاتم النبیین، (حصہ دوم) از جناب صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے، ناشر منیجر بکڈپو، تالیف و اشاعت، قادیان، (پنجاب) ۶۴۷ صفحات، جلد خوبصورت، قیمت درج نہین،

"خاتم النبیین" قادیان کی جماعت احمدیہ کی جانب سے آنحضرت صلعم کی سیرت مین شائع ہوئی ہے، اسکا حصۂ دوم زیرِ نظر ہے جس مین آپکی مدنی زندگی ۵ھ تک پیش کیگئی ہے، کتاب کا نمایان وصف مستشرقین اور غیر مسلم مورخین کے اعتراضات کا رد ہے،

اگرچہ مولّف نے کتاب مین اپنے کو محض ایک "مورخ" کی حیثیت سے پیش کیا ہے، اور اسی نقطۂ نظر سے غیر مسلم مورخین کے جوابات دیئے ہین، تاہم بعض موقعون پر اس آزاد نگاری کے ادعا کے باوجود یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کسی خاص نوع کے جماعتی (قادیانی) اقوال وعقائد سے جکڑا ہوا ہے، اور وہ واقعات کو کھینچ تان کر اشارۃً اونہی جماعتی عقائد وخیالات پر لانا چاہتا ہے، مثلاً دورِ حاضر مین اسلامی غلامی کو بھی ناجائز بتانا، یا حضرت عائشہؓ کی اس روایت مین جسمین انھون نے اپنے نکاح اور رخصتی کے وقت کی عمر بتائی ہے، ان کے اندازہ کی غلطی بتانا، یا مثلاً حضرت زینبؓ کے "آسمان پر نکاح پڑھائے جانے" کا "امکان" تسلیم کرکے اس امکان کے وقوع پذیر ہونے کی تردید کرنا، یہ اور اس قسم کی بکثرت مثالین ہین، جنکا یہان استقصا مقصود نہین، تاہم اس مین شبہہ نہین کہ کتاب محنت اور کوشش سے لکھی گئی ہے، اس کا افسوس ہے کہ صحابۂ کرام کے نامون کے لینے مین بالعموم وہ ادب ملحوظ نہین رکھا گیا ہے، جو اسلامی طرزِ تحریر مین رائج ہے،

دی فلاسفی آف اسلام، (انگریزی) از جناب خانصاحب خواجہ خان، بی اے، نمبر ۶۹

خانجمان روڈ، رائے پیٹہ مدراس، حجم ۱۲۰ صفحے، قیمت ۱۲؍

یہ اسلامی تصوف کا ایک مختصر مرقع ہے، جو ۱۹۰۳ء میں اس زمانہ مین شائع ہوا تھا، جب سرسید احمد خان کے مذہبی خیالات ملک مین نشوونما پا چکے تھے، اب اس کا دوسرا اڈیشن مصنف کی نظر ثانی کے بعد شائع ہوا ہے، مصنف نے اس مین دکھایا ہے کہ اسلامی تصوّف کو جس رنگ مین پیش کیا جاتا ہے، اور اس کے جو مظاہر نظر آتے ہین حقیقۃً اُنھین صحیح اسلامی تصوّف سے لگاؤ نہین، صحیح اسلامی تصوّف وہی ہی، جو کتاب و سنت مین موجود ہے، مگر وہ علم سفینہ نہین، علم سینہ ہے، جو صحبت ہی کے اثر و فیض سے حاصل ہو سکتا ہے، اور آنحضرت صلعم اسی کو اپنی مجلسون مین صحابۂ کرام تک پہنچاتے، اور دلنشین انداز مین پیش فرماتے تھے، اس کے بعد مصنف نے، اصطلاحی تصوّف، صوفیہ، اور مسائلِ تصوّف کو روشناس کیا ہے، پھر روح اور نفس کی تشریح کے بعد اسلام، ایمان اور احسان کی حقیقت بتا کر اسلام کے ارکان اور اس کے تزکیۂ اخلاق کے اصول کو پیش کیا ہے، اس کے بعد تصوّف کی اجمالی سرگذشت اور اسکے تاریخی ارتقاء کو دکھایا ہے، جنمین بعض امور محل نظر معلوم ہوتے ہین، آخر مین متکلمین، فلاسفۂ اسلام اور شعرائے تصوّف وغیرہ کے قولون، رایون اور کلام سے ذات وصفات وغیرہ کے مسائل کی تشریح کی کوشش کیگئی ہے، کہین کہین فضلائے مغرب کے اقوال و خیالات کو بھی مباحث کی تائید مین دکھایا گیا ہے، جو لوگ یورپ کے جدید فلسفیانہ انداز بیان مین اسلام کے متعلق کچھ دیکھنا چاہتے ہین، ان کیلئے یہ کتاب دلچسپ اور مفید ہے،

بارش اور قرآن، از مولوی طیب علی عبدالرسول، شاکر، جبل پوری، ۴۶ صفحے، قیمت ۴؍

پتہ:- جناب احمد علی عبدالرسول نادر، مطبع نادری، جبل پور، (سی پی)

یورپ کے جدید علوم و فنون کی ترقیون سے مرعوب ہو کر مسلمانون مین ایک گروہ ایسا پیدا ہو گیا تھا، جو سائنس کے ہر مسئلہ کو قرآن سے مطابق کرنا چاہتا اور کسی نظریہ یا اکتشاف کی اشاعت کے بعد قرآنی آیات سے اس کی تطبیق دینے بیٹھ جاتا ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہی کہ ادھر غور و فکر کے بعد بہ ظاہر تطبیق پیدا کی، اور ادھر علمائے سائنس خود اپنے نظریہ کی تغلیط کر بیٹھے، اسی لیے مسلمانون کے سنجیدہ حلقون مین اس گروہ کی یہ کوششین کبھی مستحسن

نہین سمجھی گئین، لیکن زیر تبصرہ رسالہ مین مصنف کی کوششون نے حیرت انگیز طور پر ہماری توجہ اپنی جانب مائل کرلی، مصنف نے اس رسالہ مین بارش کے متعلق جدید سائنٹفک تحقیقات کی قرآن مجید کی آیتون سے مطابقت دکھائی ہے، اور اولاً سائنٹفک طور پر آسمان، سورج، بخارات اور بارش وغیرہ کے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے، اس کا متن پیش کیا ہے، اور پھر اسی کے پہلو مین قرآن کی ایسی آیتون کا محض لفظی ترجمہ درج کیا ہے، جس مین بارش، ہوا، اور ابر وغیرہ کا تذکرہ آیا ہے، اور آخر مین بارش کا قرآن مجید مین مختلف موقعون پر استعمال، اور قرآن کا بارش، ابر اور ہوا وغیرہ سے ذات باری تعالیٰ پر استدلال لانا دکھایا ہے، اگرچہ ہمین کہین کہین مصنف کی رائے سے اتفاق نہین ہوا، مثلاً "سحاب مسخر" وغیرہ کی تشریح مین، تاہم رسالہ کے مباحث دیکھنے سے مصنف کے ذہن رسا کی تعریف اور اسکی کوششون کی داد دینی پڑتی ہے، امید ہے کہ وہ اسی انداز مین اپنی تحقیقات کو جاری رکھین گے، جزاہ اللہ خیراً،

اسلامی تعلیم - از مولوی مفتی سید محمود صاحب، ناشر جناب عزیز حسن بقائی، اڈیٹر رسالہ پیشوا، کوچہ چیلان، دہلی، ۵۵ صفحے، کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت: - ۶ر

اس مین اسلام کے عقائد و عبادات وغیرہ کے مسائل سوال و جواب کے طرز پر لکھے گئے ہین، کتاب کے جو اوراق نظر سے گذرے، اُن مین مسائل کے جوابات کو قرین صواب پایا، تاہم ایک آدھ جگہ فقہ کے عمومی فتوی سے بعض جوابات مختلف نظر آئے مثلاً موجودہ زمانہ کی یہودیہ و نصرانیہ سے نکاح کا جائز نہ ہونا (ص ۴۴) وغیرہ، کتاب کے آخر مین قرآن مجید و احادیث کے مسلسل و مرتب اردو ترجمون سے اسلامی اخلاق کی تعلیمات کو پیش کیا گیا ہے، کتاب کی ترتیب متداول فقہی ابواب پر ہے،

الطریقۃ المرضیہ فی التمرینات الثمانیہ، از مولوی حکیم محمد احمد صاحب معلم مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اعظمگڈھ حجم ۲۰ صفحے،

عربی خوان طلبہ کو علم نحو کی مشق کرانے کیلئے یہ مختصر رسالہ ترتیب پایا ہے، مصنف کہنہ مشق مدرس ہین، سالہا سال اس طریقہ تعلیم کا عملی تجربہ کیا ہے، امید ہے کہ یہ رسالہ طلبہ کے لئے مفید ہوگا، اور عربی کے ابتدائی طالب العلم اس سے پورا فائدہ اٹھائینگے،

" ر "

جلد ۳۱ | ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۳۳ء | عدد ۴

مضامین

پروفیسر رشید صدیقی صاحب کی طلب اور اصرار پر اڈیٹر معارف نے ۲۰ مارچ سنہ ۱۹۳۳ء کو مسلم یونیورسٹی کی انجمن اردو سے معلی مین ہندوستان مین ہندوستانی پر ایک خطبہ پڑھا جلسہ کی صدارت نواب صدر یار جنگ مولنا شروانی نے فرمائی، گو لوگ دو روز پیشتر سے حسین رؤف بے کے استقبال و آمد اور جلسون کی بھرمار سے تھکے تھے تاہم یونین کا ہال پورا بھرا تھا، معلومات کے لحاظ سے تو یہ خطبہ چندان اہم نہ تھا لیکن اپنے اصلاحی مشورون کے لحاظ سے بہت زیادہ دلچسپی سے سنا گیا جنمین سب سے اہم بحثین یہ تھین، "قومیت کی تکوین مین زبان کا درجہ" اور "مسلم یونیورسٹی مین تعلیم کی زبان" طلبہ کی طرف سے ان دونون تجویزون کا خیر مقدم جس گرمجوشی سے کیا گیا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب وقت آگیا ہی کہ مسلم یونیورسٹی اپنے تعلیمی انقلاب کا اعلان کرے،

اس خطبہ مین ایک تجویز یہ بھی تھی کہ ہم کو اپنی اس زبان کی اشاعت کے لیے یہ بھی ضروری ہو کہ آیندہ اسکو اُردو کے بجاے "ہندوستانی" کے نام سے پکارین، اردو ایک نئی اصطلاح ہے جس کی عمر سو ڈیڑھ سو برس سے زیادہ نہین اور جسمین کسی قسم کی وطنی و قومی جذبہ کی جھلک نہین، اور نہ تمام ملک کی وسعت کے تعلق کا اس لفظ سے اظہار ہوتا ہی برخلاف اس کے ہندوستانی جو اسکا صحیح ترین نام ہے، ان تمام جذبات اور خیالات کو حاوی ہی،

عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس زبان کا "ہندوستانی" نام انگریزون کا بخشا ہوا ہے، خطیب نے تاریخی حوالون سے اسکو ثابت کیا کہ یہ قطعی غلط ہے، اور کم از کم دسوین صدی کی تاریخون مین انگریزون کے اثر سے بہت پہلے اس زبان کا یہ نام پڑ چکا تھا،

اس خطبہ کا ایک فقرہ جسپر اس ہال مین سب سے زیادہ پسندیدگی کا اظہار کیا گیا یہ تھا کہ "یہ درسگاہ مسلمانون کی تنہا امیدون کا قبلہ رہی ہے، اور اب بھی صدیون تک رہ سکتی ہے، صرف شرط اتنی ہے کہ وہ اپنا رخ مغرب سے پھیر کر مشرق کی طرف کرلے اور ہر چیز کو دوسرون کی نظر سے دیکھنے کے بجائے وہ اپنی نظر سے دیکھے"،

یہ پورا خطبہ آیندہ یونیورسٹی کے میگزین مین شائع ہوگا،

علی گڈھ یونیورسٹی مین میری دوسری تقریر آفتاب ہوسٹل کے طلبہ کے سامنے ہوئی، یہ نیا ہوسٹل صاحبزادہ آفتاب احمد خان کے نام پر انکے دوستون اور عزیزون، اور کالج کے پرانے طالب علمون کے چندون سے بنا ہے، اسکی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ منتظمین نے یہ طے کیا ہے کہ علی گڈھ کے دوسرے دارالاقامون کے برخلاف اسمین ہر چیز مین سادگی اور کفایت شعاری ملحوظ رکھی جائے یہانتک کہ یہان کے کھانے کی فیس صرف چھ روپیے مقرر کی ہے، بالفعل اسمین اسی لڑکون کے قریب ہین، کوشش یہ ہے کہ یہ دارالاقامہ دوسرے دارالاقامون کے مسموم اثرات سے حتی الوسع محفوظ رہے،

یہان کے طلبہ کے سامنے جو تقریر کیگئی، اسمین سادگی اور کفایت شعاری کی زندگی کیساتھ اُس جد و جہد اور جفاکشی سے بھری ہوئی زندگی کا نمونہ پیش کیا گیا جسکے بغیر مسلمان طلبہ اپنی روزمرہ کی زندگی مین ناکام رہتے ہین، اور بتایا گیا کہ مذہب کا ذکر چھوڑیئے خود علوم جدیدہ کی تحصیل و تکمیل مین اگر انگریزی زبان کو الگ کردیا جائے تو ہم نے کونسی اچھی مثال اب تک پیش کی ہے، اور ہماری یہ زندگی جو تمامتر دوسری قوم کی نقالی پر مبنی ہے، کہانتک ہمارے اندر قومی روح کی سرگرمی پیدا کرسکتی ہے؟

اسی کے بعد دوسری تقریر طبیہ کالج کے ہال مین ہوئی، اس طبی کالج کے دیکھنے کا یہ پہلا موقع تھا، کالج کے پرنسپل ڈاکٹر بٹ صاحب نے مہربانی فرما کر کالج کے ایک ایک شعبہ کو دکھایا، خوشی ہوئی کہ ہماری قدیم طب کو بھی اس "جدیدستان" مین زندگی کا موقع مل رہا ہے، حکومت نے جب سے جابجا دیسی طب اور ویدک کی طرف توجہ کی ہے ملک مین جابجا طبی اسکول کھل رہے ہین، جہان ایک طرف یہ خوشی کا موقع ہے، وہین دوسری طرف یہ افسوس ہے کہ ان طبی درسگاہون مین طالب علمون کے قبول کرنے کا معیار بہت ہلکا رکھا گیا ہے، یہان جو تقریر کیگئی اسمین اسلامی طب کی

تاریخ کے ساتھ عزیز طالب علمون کو یہ نصیحت کیگئی کہ آپ طبیب بننے کی کوشش کرین، ڈاکٹر بننے کی نہین، اور بتایا گیا کہ آج دیہات سے لیکر شہرون تک ہندوستان کی صحتِ عامہ کا دارمدار ولایتی طب پر نہین، جو طب ہونے کے ساتھ بدیسی تجارت بھی ہے، بلکہ دیسی طب پر ہے جسکی اکثر دوائین خود ہمارے ملک کی پیداوار ہین،

مسلمان والدین اپنے بچون کو علوم عربیہ کی جو تعلیم دلاتے تھے اس کے وجوہ مختلف تھے، مثلاً اُن کا مذہبی ہونا اور ہماری تاریخ وادبیات کا اُس کے اندر موجود ہونا لیکن ان مذہبی اور علمی اسباب کے علاوہ اسکی ایک تیسری وجہ یہ تھی کہ وہ معاش کا ذریعہ بھی تھی، علوم عربی پڑھنے کے بعد وہ حکومتِ وقت کے بڑے بڑے عہدے پاتے تھے، حکومت کے انقلاب نے ایک ایک کر کے ان تمام وجوہ معاش کے دروازے علوم عربی کے طالبعلمون پر بند کر دیئے اور اسی نسبت سے عربی تعلیم کی طرف توجہ بھی روز بروز کم ہوتی گئی، تاہم ابتک صرف دو دروازے کھلے تھے، ایک اسکولون کی مدرسی اور دوسری طبابت، سو فارسی کے دبیر وفاضل کے درجون نے پہلی چیز کا خاتمہ کر دیا، اور اب اسکولون مین عربی کے مولوی فاضل کے بجاے فارسی کے منشی فاضل وہی استحقاق رکھتے ہین، بلکہ فارسی تدریس کے لیے انھین کو ترجیح دیجارہی ہے، دوسری چیز کا خاتمہ ان طبی اسکولون کے ذریعہ ہو رہا ہے جنمین طب کی ترقی کے لیے عربی کے بجاے اردو کتابون کے ذریعہ اردو خوانون اور فارسی خوانون اور نیم انگریزی دانون کو طب کی تعلیم دیجارہی ہے، ظاہر ہے کہ اب صرف مذہب اور علم کی خاطر کتنے مسلمان اپنے بچون کی قربانی گوارا کر سکینگے؟ یہ ہین ہماری قوم پرورتعلیمی عنایات، جنکا شکریہ ادا کرنا ہماری قوم پر ہر وقت واجب ہے،

۱۵۔۱۶۔ اپریل ۳۳ء کو لاہور مین ادارۂ معارف اسلامیہ کا جلسہ ہے جسمین مختلف اہل علم اسلامی علوم و فنون پر مختلف مقالات پڑھینگے، اس سلسلہ مین دارالمصنفین کے بعض رفقا ربھی لاہور جائینگے، اور جلسۂ مذکور مین اپنے مقالات پیش کرینگے، میرا مضمون "لاہور کا ایک مہندس خاندان جس نے تاج اور لال قلعہ بنایا" ہوگا، مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی "سسلی کے اسلامی تمدن" پر اور مولوی سعید صاحب انصاری "عربی لغت کی تاریخ" پر مضامین پڑھینگے

مقالات

استاذ العلماء جناب مولوی محمد لطف اللہ صاحب طاب ثراہ

از نواب صدر یار جنگ مولٰنا حبیب الرحمٰن خانصاحب شروانی،

جب اس خاکدان سفلی مین اسلامی تمدن کی بہار آئی ہوئی تھی، اور اُس کے فیض سے ایشیا، افریقہ، اور یورپ تینون برِ اعظم رشک گلزار بنے ہوئے تھے، اُس وقت قصبات کا ایک عظیم الشان نظام ممالک اسلامیہ مین قائم تھا، یہ قصبات زندگی کے سرچشمے تھے جنسے شہر خصوصًا دار السلطنت سیراب و شاداب رہتے، شہری آب و ہوا دو تین نسلون کے بعد دماغون کو سست اور پست کر دیتی تو قصباتی اہل کمال تازہ زندگی لیکر پہنچتے اور بزم حیات کو از سرِ نو پر نور و معمور فرما دیتے، دہلی مرحوم مین شاہ صاحب کا اور لکھنؤ مین فرنگی محل کا خاندان لاکھون مین دو مثالین ہین،

ہمارا کول (علیگڈہ) بھی دور حیات مین اپنے قصبات پر نازان تھا، جلیسر (قدیم جالیسر) سے نصرت خان عہد علائی کا امیر نامور اٹھا، امیر خسرو پٹیالی سے جاکر دار السلطنۃ بلکہ دنیا کا فخر بنے جلالی کی فکر سے سفرنامۂ ابن بطوطہ معمور ہے،

وطن انہی بستیون مین سے ایک بستی پلکھنہ ہے جو قصبۂ جلالی کے قریب آباد ہے، اسکی قدیم عظمت کی یادگار عہد بابری کی مسجد ہے، شیخ گھورن تاریخی ہستی ہین، اسی معدن سے وہ جوہر فرد نکلا جس کے انوار نے اس دور آخر مین علمی مجالس کو منور و تابان فرما دیا،

خاندان کول اور اُسکے ملحقہ قصبات و دیہات مین شیوخ کے خاندان آباد ہین جو حضرت شمس العارفین شاہ جمال کی

نسل میں ہیں،

یہ بزرگ اپنے وقت کے اولیاے کرام میں تھے، ابن بطوطہ جب کول آیا تو آپ ہی کے پڑوس میں اُترا تھا، سفر نامے میں حضرت کا ذکر کرتا ہے،

جو شجرہ اس خاندان میں محفوظ ہے وہ شاہد ہے کہ شیوخ جمالی حضرت امین الامۃ ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہیں، اشکال یہاں یہ ہے کہ امام ابن قتیبہؒ نے المعارف میں حضرت امین الامۃ کے ذکر میں لکھا ہے، "لاعقب لہ" مفتی محمد لطف اللہ صاحب اسی خاندان سے تھے، والد مولوی اسد اللہ، فارسی خوان، کول میں وکالت کرتے تھے، اسی آمدنی سے بفراغت گزرتی تھی، تمغاے شرافت قصبے میں املاک بھی تھی جو بھائی کے لیے چھوڑ رکھی تھی، اردو شعر کا ذوق تھا، ایک شعر یاد کرلو، ؎

لے اڑی طرزِ فغان بلبلِ نالان ہم سے ۔ گل نے سیکھی روشِ چاک گریبان ہم سے

منشی نبی بخش سالک اکبرآبادی نے ایک جنتری کا ذکر کیا ہے جس سے بارہ برس کی تاریخیں معلوم ہو جاتی تھیں، انھوں نے چند اشعار لکھے جن سے جتنو سال کی تاریخیں چاہو نکل آتی ہیں، اسعد مرحوم نے اپنی بڑی جنتری میں چھاپے تھے، میرے پاس بھی محفوظ ہیں،

آخر عمر میں ضیق النفس میں مبتلا ہو کر خانہ نشین ہو گئے تھے، والدہ سید غلام علی حسینی النسب ساکن جلیسر کی دختر نیک اختر تھیں، دو چچا تھے، بڑے منشی، ہبۃ اللہ، فارسی کے ماہر، بڑے شاطر، املاک کا کام کرتے تھے، شطرنج کی بہت سی چالوں کے نقشے قلمبند کئے تھے جو ایک ضخیم مجلد میں خاندانی کتبخانے میں محفوظ ہیں، فرائض کا ایک رسالہ بھی خود ان کے قلم کا لکھا ہوا موجود تھا، چھوٹے حکیم اکرام اللہ، طبیب تھے، دیرہ دون میں ایک انگریز کا معرکے کا علاج کیا تھا، اس نے نوکر رکھ لیا، وہیں وفات پا کر مدفون ہوئے، بھتیجے نے تجہیز تکفین کا اہتمام کیا، ان دونوں بھائیوں کے نرینہ اولاد نہ تھی،

پیدائش، مفتی محمد لطف اللہ صاحب لکھتے ہیں ۱۲۴۴ھ میں پیدا ہوئے، باپ نے تاریخ کہی، "چراغم"، باپ کے

سنہ ۱۲۴۴

اکلوتے بیٹے تھے، بلکہ تین گھرون کا چراغ، نازنعمت لاڈ پیار مین پرورش ہوئی، جامع حالات صاحبزادے نے لکھا ہی
اسی پرورش کا اثر تھا کہ مزاج مین ایک ضد تھی جو آخر عہد تک باقی رہی،

بچپن کے ایک رفیق کا بیان ہے کہ مولوی صاحب ان کھیلون مین تو ہمارے شریک ہوجاتے جو شرفا کے لڑکے کھیلتے ہین، عامیانہ کھیلون مین شرکت نہ کرتے مثلاً گولیون کا کھیل ہم جب ایسے کھیل کھیلتے تو وہ الگ بیٹھے دیکھتے رہتے،

نماز کے بچپن سے عادی تھے،

ابتدائی تعلیم | بلکھنے مین ایک میانجی موہن لال نامی تھے جو بچون کو ابتدائی کتابین کریما مقیمان وغیرہ پڑھایا کرتے تھے، انھی سے پڑھنا شروع کیا، ایک روز ایک لڑکا خالق باری پڑھ رہا تھا ع "راسو نولا ہے جان" معصوم لطف اللہ نے ایک ہم مکتب سے کہا، نولا راسو ہے تو نبولا (نیمہ دانہ) براسو ہوگا، دیکھو یہی انتقال ذہن زینت در بنا

ابتدائی رسالے گھر پر پڑھکر جلیسر اپنی نانیہال مین گئے، وہان مولوی محمد عظیم اللہ سے فارسی پڑھی، انتہائی کتابین اپنے پھوپھا مولوی حفیظ اللہ خان سے (جنکے خاندان مین خانی کا خطاب شاہی تھا) پڑھین، یہ بڑے خطاط تھے، خاص وصف یہ تھا کہ چند روز مین شاگرد کا خط اپنے خط مین ملا دیتے تھے، مولوی صاحب فرماتے تھے کہ میرے خط کی روش پھوپھا صاحب کے خط کی روش پر ہے، مولوی عبد الغنی خانصاحب شاگرد رشید نے اوّلاً یہ روش استاد سے حاصل کی، صاحبزادے بھی عموماً اسی روش پر لکھتے ہین جو نظر فریب، اور منشیانہ پختہ ہے،

بعض فارسی کی کتابین مثلاً بہار دانش اپنے خسر سید رونق علی سے بھی پڑھین،

تعلیم علوم | فارسی سے فارغ ہوکر پندرہ برس کی عمر کے بعد اُس آستانہ پر حاضر ہوئے جہان سے سند فضیلت ملنی مقدر تھی، اوپر سُن چکے ہو کہ مولوی صاحب کے والد مولوی اسد اللہ وکالت کرتے تھے، اسی سلسلے مین مفتی عنایت احمد صاحب سے تعلقات تھے جو کول مین مفتی و منصف رہے، مفتی عنایت احمد صاحب شاگرد تھے مولوی بزرگ علی صاحب کے

مولوی بزرگ علی صاحب | مشہور مردم خیز قصبۂ مارہرہ کے کنبوہ خاندان سے تھے وہین پیدا ہوے، والد کا نام حسن علی

خواجہ حسن ملتانی کی دسوین پشت مین، آغاز شباب تک باوجود باپ کی تاکید کے علم کی تحصیل کی جانب متوجہ نہوئے عشق مجازی کے اثر سے فارسی غزل کا ذوق تھا، شوقؔ تخلص کرتے تھے، زیادہ تاکید ہوئی تو گھر سے نکل گئے، بالآخر باپ کے اپنے پیر مرشد حضرت شاہ آلِ احمد صاحب عرف اچھے میان کی خدمت مین دعا کی التجا کی، دعا فرمائی جو مستجاب تھی، تمام مشاغل چھوڑ کر تحصیلِ علم مین مصروف ہوگئے، اب شوق تھا تو کتاب کا، طلب تھی تو علم کی، فرماتے تھے لوگ جوانی مین زندگی کے لطف حاصل کرتے ہین ہمنے تو شباب علم کی نذر کر دیا، ابتداءً لکھنؤ اور کلکتہ مین علم حاصل کیا، وہان کے اساتذہ کے نام معلوم نہ ہو سکے، بالآخر دلی مین اس درسگاہ والا مین حاضر ہوئے جو تمام ہندوستان کی ملجا و ماوی تھی، شاہ عبد العزیز صاحب سے علم حدیث حاصل کیا، ریاضی مولوی رفیع الدین صاحب شاہ صاحب کے بھائی سے پڑھی جو اس فن مین امامِ وقت تھے،

تحصیل سے فارغ ہو کر خود درس کی خدمت شروع کی، آگرہ مین پڑھایا، کلکتہ کے دار العلوم کے مہتمم رہے حکام کے اصرار سے (جو اکثر شاگرد تھے) کول مین منصفی کا عہدہ قبول کر لیا، اسی زمانے مین وہان کی جامع مسجد مین اس مدرسے کا احیار کیا جس کو عہد محمد شاہی مین بانیِ مسجد نواب ثابت خان نے قائم کیا تھا، (اس کا ذکر اخبار الجمال مین ہے) بالآخر منصفی سے استعفا دیدیا، جس کو شاگرد حکام نے تلمذ کا ادب ملحوظ رکھتے ہوے بہت تامل کے بعد منظور کیا، مستعفی ہو کر نواب وزیر الدولہ مرحوم کے اصرار پر ٹونک مین عہدۂ قاضی القضاۃ قبول کیا، آخر عمر تک وہین رہے، ۱۲۶۲ھ مین انتقال کیا، ٹونک مین دفن ہین، تاریخ نگار نے ان کے یہ اوصاف لکھے ہین، تقوی، تدبر، تواضع، تہذیب، تقریر دلنشین اور پر اثر، ایک بیٹے تھے مولوی محمد صدیق، فارغ التحصیل، علم ہندسہ اور نجوم مین ماہر نیز علم تعبیر رویا مین، ٹونک مین عہدۂ قضا پر فائز رہے، ۱۲۹۲ھ مین وہین رحلت کی،

مولوی بزرگ علی صاحب کی تصانیف مین سے دیوان فارسی قلمی میرے یہان ہے، کلام اوسط درجہ کا ہے، صاف ہے اور پر اثر، نمونہ ملاحظہ ہو ؎

گر جلوۂ او عام کند بردہ دری را — در شیشہ چو مئی جوش دہد مغز پری را

زلف شکست دل و دین داد درستی | افراختہ قدت علم فتنہ گری را
نے صبر ماند بر جا اکنون نہ تاب مارا | اے بے مروت آخر یک رہ بیاب مارا
کے صبح عید پیش صبحم فروغ یابد | چون نور بخش صبح ست آن آفتاب مارا
در دور چشم مستت میخانہا خراب ست | تنہا نہ لعل میگون وارد خراب مارا

اُس زمانے کی شدید ضرورت کی بنیاد پر متعدد کتابین فارسی زبان مین ردّ نصاریٰ مین لکھی ہین، انہین سے کتاب رد نصاریٰ کا ایک حصہ "بشارات" قلمی میرے یہان بھی ہے، اس کا عنوان ہے بشارات فارقلیطا، اس پر بعض عبارتین مفتی عنایت احمد صاحب کے قلم کی لکھی ہوئی ہین، ایک اور قلمی رسالہ میرے یہان ہے، یہ ایک فارسی معما کی شرح ہے جو قاضی القضاۃ نجم الدین علی خان نے تفضل حسین کے نام لکھا تھا، اور جس مین بہت سی علمی اصلاحین درج کی ہین، اس کا دیباچہ مفتی عنایت احمد صاحب نے استاد کی زندگی مین لکھا تھا، اس پر بھی مفتی صاحب کے قلم کی عبارتین ہین، یہ رسالے مفتی صاحب کے کتبخانہ سے اور کتابون کیساتھ میرے پاس آئے تھے،

مفتی عنایت احمد صاحب اپنے وطن دیوہ ضلع بارہ بنکی مین پیدا ہوئے، ۹ شوال ۱۲۲۸ھ تاریخ ولادت ہے، تیرہ برس کی عمر مین رامپور جاکر مولوی سید محمد صاحب بریلوی سے صرف نحو اور مولوی حیدر علی صاحب ٹونکی اور مولوی نورالاسلام صاحب سے دوسری درسی کتابین پڑھین، وہان سے دلّی جاکر شاہ اسحٰق صاحب سے حدیث پڑھی، دلّی سے علی گڈہ آئے، مولوی بزرگ علی صاحب سے جامع مسجد مین پڑھا، فن ریاضی کی تکمیل کی، بعد فراغ یہین مدرس مقرر ہوئے، ایک سال مدرس رہکر مفتی و منصف کے عہدہ پر علی گڈہ ہی تقرر ہوگیا، اسی دور مین مولوی لطف اللہ صاحب کے تلمذ کا سلسلہ شروع ہوا، مولوی سید حسین شاہ صاحب بخاری نے بھی اسی زمانے مین پڑھا، سید صاحب صاحب درس فاضل ہوجانے کے بعد بھی تعجب سے فرمایا کرتے تھے کہ مفتی صاحب مجھکو ہدایہ اجلاس پر پڑھاتے مین حاضر رہتا، جب دوران مقدمہ مین فرصت ملتی اشارہ ہوتا مین پڑھنا شروع کردیتا، اسی اثنا مین پھر کام مین مصروف ہوجاتے، باوجود اس کے ایسا پڑھایا کہ ساری عمر اسکی یاد رہی،

کول سے بریلی کا تبادلہ ہوا، بھیکن پور کے لئے ایک فخر یہ بھی ہے کہ مفتی صاحب نے اثنائے راہ مین یہان مع مستورات کے قیام فرمایا تھا،

بریلی کے قیام مین صدر امین ہوے، وہان کے تلامذہ مین قاضی عبد الجمیل صاحب قاضی شہر اور مولوی فدا حسین منصف شامل تھے۔ بڑا کارنامہ نواب عبد العزیز خان کا (باوجود ان کی آزادمنشی و صاحبزادگی کے) پڑھادینا تھا، نواب صاحب نواب رحمت خان حافظ الملک شہید مرحوم کے پوتے تھے، گذشتہ پراونشل کانفرنس کے موقع پر حافظ الملک شہید کے مزار پر فاتحہ پڑھی، مقبرہ کی محراب مین یہ جوہردار شعر لکھا ہوا ہے،

سرکشتہ بر نیزہ می زد نفس کہ معراج مردان ہمین است و بس

قصہ مختصر، صدر اعلائی کا پروانہ آگیا تھا کہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ ہوگیا، اس کے فرو ہونے پر الزام بغاوت مین انڈمان بھیجدئے گئے، یہ ۱۲۷۴ھ کا واقعہ ہے، چار سال جزیرۂ مذکور مین رہے جنگل مین منگل، اکابر علما کے قدمون کی برکت سے ان دنون یہ بدنام جزیرہ دار العلوم بن گیا تھا، علاوہ مفتی صاحب کے مولوی فضل حق صاحب خیرآبادی، مفتی مظہر کریم صاحب وغیرہ علما بھی وہان تھے، اور سب کے سب باوجود مصیبت قید اور غریب الوطنی کے خدمت علم مین مصروف تھے، محقق خیرآبادی کے ذہن وقاد کے متعدد نتائج وہین وجود پذیر ہوے، مفتی مظہر کریم صاحب نے مراصد الاطلاع کا عربی سے اردو مین ترجمہ کیا، مفتی عنایت احمد صاحب نے کلام مجید حفظ کیا، تواریخ حبیب الہ سیرۃ مین تالیف کی، تاریخی نام ہے، ۱۲۷۵ھ نکلتے ہین، منشی امیر اللہ تسلیم نے الفاظ تواریخ نبی سے تاریخ نکالی، یہ کتاب حکیم امیر خان کی فرمایش سے لکھی تھی، جو انڈمان مین سرکاری ڈاکٹر تھے اور جنکی غمخواری کا اعتراف دیباچہ مین فرمایا ہے، حجم سوا سو ۱۲۵ صفحے کا ہے، فی صفحہ سطر ۲۰ (نسخہ مطبع نظامی ۱۲۷۹ھ پیش نظر ہے) واقعات پوری تفصیل سے بقید تاریخ اور تشریح جزئیات کے ساتھ لکھے ہین، دیباچہ کی شہادت ہے کہ محض یاد سے لکھی گئی قیاس کرو کہ اس عہد کے علما حضرت نبی کریم کے مبارک حالات کا کس قدر ذخیرہ سینے مین محفوظ رکھتے تھے اور یہی سرمایۂ سعادت تھا، ہندوستان آکر سیرت اور حدیث کی کتابون سے مقابلہ کیا تو یاد کی صحت ثابت ہوئی

ایک انگریز نے تقویم البلدان کے ترجمے کی فرمایش کی جو دو برس مین ختم ہوا، یہی ترجمہ رہائی کا سبب بنا، صرف کا رسالہ علم الصیغہ بھی وہین لکھا، ۱۲۷۵ھ مین رہائی پا کر کانپور آئے، وہان شاگرد رشید مولوی لطف اللہ صاحب بھی حاضر ہوئے تاریخ پیش کی، ؎

چون بفضلِ خالقِ ارض و سما   اوستادِ من شد ز قیدِ غم رہا

بہرِ تاریخِ خلاصِ آنجناب   بر نوشتم انّ استادی نجا
۱۲۷۵ھ

مستقل قیام کانپور مین فرمایا، مدرسۂ فیض عام کی بنیاد ڈالی، خود درس دیا، پچیس یا تیس ماہوار تنخواہ لیتے تھے، مسلمان تجار کانپور مصارفِ مدرسہ کے کفیل تھے، ان مین حافظ برخوردار زیادہ نامور تھے، اسی مدرسہ کا فیض بالآخر ندوۃ العلماء کی شکل مین عیان ہوا،

دو برس کے بعد حج کا ارادہ کیا، شاگرد جمع ہوئے مولوی سید حسین شاہ صاحب واصف بخاری، مولوی لطف اللہ صاحب، نواب عبد العزیز خانصاحب، مولوی سید عزیز الدین صاحب شکارپوری، استاد کے سامنے درس بھی دیا، مفتی صاحب شاگردون کی بہارین دیکھ دیکھ کر باغ باغ ہوتے تھے، بالآخر مولوی سید حسین شاہ صاحب کو مدرس اول اور مولوی لطف اللہ صاحب کو مدرس ثانی مقرر فرما کر حج کو روانہ ہو گئے، اس زمانے مین جہاز ہوائی تھے، جدہ کے قریب پہنچکر جہاز پہاڑ سے ٹکرا کر ڈوب گیا، مفتی صاحب بحالتِ نماز احرام باندھے ہوئے غریق و شہید ہوئے، یہ واقعہ، ۷ شوال ۱۲۷۹ھ کا ہے، ۵۲ برس کی عمر ہوئی،

تصانیف | شرح ہدایۃ الحکمہ صدر شیرازی، تصدیقات حمد اللہ اور شرح چغمینی پر حواشی، اردو مین بہت سے مفید عام رسالے جنکے نام عموماً بے تکلف تاریخی ہین، عام مولویون کی روش کے خلاف ان رسالون کی زبان صاف اور بامحاورہ ہے، مضامین علمی اور اخلاقی ہین، اس زمانے کی مقبولِ عام روش مناظرہ سے بچکر پیرایۂ بیان ایسا اختیار کیا ہے جو دلنشین ہے، دلپذیر ہے، ہنگامہ آرائی سے پاک ہے، خلاصہ یہ کہ مصری کی ڈلیان بھڑون کے چھتے مین نہین رکھی ہین، ایک مختصر سا فنڈ جمع کر لیا تھا اسکی مدد سے یہ رسالے طبع ہوتے، تقسیم کئے جاتے، مدرسۂ فیض عام کا قیام

اور نشر علم کا یہ طریقہ مفتی صاحب کی دوراندیشی اور ضرورت کے صحیح اندازہ پر دال ہین،

ایک کتاب ہیئت جدید (فیثاغورسی) پر لکھی تھی، مسمی بہ مواقع النجوم، اسکو ہیئت کے ماہر بعض انگریزون نے پسند کیا، ایک کتاب عربی مین بے نقط لوامع العلوم واسرار العلوم کے نام سے لکھی تھی، اس مین چالیس علوم کا خلاصہ لکھنا پیش نظر تھا، ہر علم کا نام بے نقط تھا، مثلاً تفسیر علم کلام اللہ۔ حدیث علم کلام الرسول، فقہ علم الاحکام علیٰ ہذا القیاس تمام نہ ہوئی تھی کہ عمر تمام ہوگئی، مسودہ ساتھ غرق ہوگیا، مفتی صاحب تمام علوم کا درس پوری قوت سے دیتے تھے، ریاضی مین ممتاز تھے، ادب کا ذوق تھا، کانپور کے قیام مین روزانہ شام کو میدان مین ہواخوری کے لئے تشریف لیجاتے، مولوی سید حسین شاہ صاحب سے ادبی وعلمی ذکر ہوتے جاتے، ایک روز کی صحبت یہ تھی کہ مفتی صاحب اردو اساتذہ کے چیدہ چیدہ اشعار پڑھتے، سید صاحب اس کا ہم مضمون فارسی شعر پڑھ دیتے،

باز خوانم قصۂ استادِ خود تادر ودیوار را آرم بوجد

ابتداءً مفتی صاحب نے شاگردِ جدید کو اپنے ایک شاگرد کے سپرد کیا جس نے صرف نحو پڑھائی، ہدایۃ النحو شروع ہوئی تو خود پڑھانا شروع کیا، استاد کی شفقت اور شاگرد کی محنت نے یہ نتیجہ دکھایا کہ ڈیڑھ سال مین ملاحسن تک پہنچ گئے، ملاحسن کلیات خمسہ تک پڑھا کر فرمایا کہ اب سبقاً سبقاً اس کے پڑھنے کی ضرورت نہین، خود مطالعہ سے پورا کرلو، جہان ضرورت ہو دریافت کرلو، فرماتے تھے کچھ دن دیکھا دریافت کی ضرورت نہ ہوئی پھر چھوڑ دیا، نورالانوار شروع ہوئی، دس پندرہ سبق پڑھا کر ارشاد ہوا اب مطالعہ کرکے ہمسبقون کو پڑھا دیا کرو، چنانچہ مطالعہ اور بوقت ضرورت استفادہ کرکے ساری کتاب پڑھادی، استاد نے خوش ہوکر اس کی جگہ قاضی مبارک شروع کرائی، اوّل سے آخر تک سبقاً سبقاً پڑھائی، جس نسخہ مین پڑھا اس پر منہیات اپنے قلم سے لکھے، یہ نسخہ کتبخانے مین محفوظ تھا، قاضی مبارک کے بعد حمداللہ کی نوبت آئی،

صبح کی نماز کے بعد مفتی صاحب تلاوت فرماتے تھے، حکم تھا کہ اس وقت حاضر رہین، دورانِ تلاوت

مین مشکل صیغہ آتا تو اُن کی طرف دیکھتے یہ حل کرتے حل نہ کر سکتے، تو بعد تلاوت خود حل کرکے بتاتے،

تبادلے کے وقت تک کتابین ختم نہ ہوئی تھین، لہذا استاد کے ساتھ بریلی گئے، وہان جملہ کتب درسیہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے بعد فراغ مفتی صاحب نے اپنے ہی اجلاس کا سررشتہ دار مقرر کرلیا، اس خدمت پر فائز تھے کہ استاد اندمان بھیجدیئے گئے، شاگرد بادلِ خستہ گھر چلے آئے، اس طرح چودہ برس مسلسل استاد کی خدمت سے فیضیاب رہے،

بریلی مین قیام کس وقار علمی سے رہا تھا اس کو ذیل کے واقعہ سے سمجھ لوگے ۱۳۱۳ھ مین ندوۃ العلماء کا اجلاس بریلی مین ہونے والا تھا، مخالفین اور موافقین شکست و فتح کی سرتوڑ کوششین کر رہے تھے، مولوی صاحب صدارت کے لیے حیدرآباد سے تشریف لانے والے تھے، اعلانون مین زبانی بیانون مین جس قدر ندوہ کے متعلق اعتراض ہوتے اسی قدر مولوی صاحب کی ذات ہدفِ اعتراض ہوتی، بالآخر صدر نشین فائز بریلی ہوئے، پرانے شہر کے شرفا جب اعتراض سنتے سنتے تنگ آگئے تو اس تردد مین پڑے کہ آخر یہ مولوی لطف اللہ ہین کون؟ ایک تو وہ تھے جو یہان تھے اگر وہی ہین تو حیرت ہے کہ اُن کے عقائد و حالات ایسے بدل گئے،

بالآخر ملنے اور زبانی گفتگو کا فیصلہ کیا، وہ سمان میری آنکھون مین آج بھی ایسا ہے گویا کل کی بات ہے، کہ مغرب و عشا کے مابین پرانے شہر کے معمر شرفا کی ایک جماعت قیامگاہ مین آئی، ایک دوسرے کو دیکھ کر دیرینہ اخلاص و محبت کے اثر سے گرمجوشانہ ملے رسمی گفتگو کے بعد اصل مدعا پر گفتگو ہوئی، زبان حق بیان سے ندوۃ العلماء کے مقاصد و احوال سنکر جو اثر سامعین پر ہوا دیدنی تھا نہ شنیدنی متحیر آئے تھے مطمئن اٹھے، جاتے ہوئے جو الفاظ زبان پر تھے خدا کرے ان کا اعادہ کبھی نہ ہو،

حاصل کلام۔ بریلی سے کول آنے کے بعد عسرت اور بیکاری کا زمانہ تھا، آخر کا یتھون سے ملکر ایک مکتب جاری کرلیا، ان کے لڑکون کو چھوٹے چھوٹے رسالے پڑھایا کرتے تھے، دس روپیہ ماہوار تنخواہ تھی، صاحبِ عیال تھے دو بچے ہو چکے تھے، سارا کنبہ اسی قلیل تنخواہ مین بسر کرتا، کبھی کبھی فاقے کی نوبت پہنچ جاتی، بعض

خاندانی واقعات کی وجہ سے جائداد کی آمدنی سے مستفید ہونے کا موقع نہ تھا، دو سال کا زمانہ اسی حوصلہ مندی سے بسر کر دیا، اس عرصے مین والد سخت علیل ہو گئے، تیمارداری اس غمخواری سے کی کہ دوا لینے پیادہ پا پلکھنہ سے کول جاتے، اور ہر روزہ واپس آتے، ان دونون مقامون کے درمیان فاصلہ چودہ میل کا ہے،

بالآخر جیسا کہ تم اوپر سُن چکے مفتی عنایت احمد صاحب اندمان سے واپس آکر حج کو گئے، اور مولوی صاحب کا تقرر مدرسہ فیض عام کی دوم مدرسی پر ہو گیا، زیادہ زمانہ نہ گذرا تھا کہ مولوی سید حسین شاہ صاحب نواب شاہجہان بیگم کی طلب پر بھوپال چلے گئے، مولوی صاحب مدرس اول ہو گئے،

ایک لطیفہ مولوی سید حسین شاہ صاحب کے قیام بھوپال کا بے موقع نہ ہوگا سید صاحب کی مراسلت بعض مسائل مین مولوی سید صدیق حسن خان صاحب سے ہوئی (اس وقت تک نواب نہ ہوئے تھے) اس مین سید صاحب نے ایک شعر لکھا ؎

برخیز بت شکن کہ بتے چند بشکنم در سومنات شور و شر دیگر افگنیم

بعض حریفون نے نواب شاہجہان بیگم صاحبہ کو یہ کہکر بدظن کرنا چاہا کہ سید صاحب نے دارالاسلام بھوپال کو سومنات کہا، سید صاحب نے سنا تو جواب دیا اور لاجواب دیا، "سومنات ہمان است کہ دران سلطان محمود غزنوی شور و شر افگندہ بود . . . . . . بھوپال کہ سلطنتِ مومنات ست دران چہ جائے سومنات ست"

خلاصۂ کلام، مولوی صاحب نے سات برس تک مدرسۂ فیض عام مین درس دیا، کس قوت سے یہ بھی سن لو، میرے استاد مولوی عبد الغنی خان صاحب مدرسۂ موصوف کے اولین شاگردون مین تھے، مجھ سے بیان فرمایا کہ مدرسہ کے قریب ایک مسجد تھی، استاد اور شاگرد صبح کو ایسے وقت وہان پہنچ جاتے کہ جماعت فجر سے پہلے تفسیر بیضاوی کا سبق ہو جاتا تھا، اس سے فارغ ہو کر باجماعت نماز پڑھتے، نماز سے فارغ ہوتے ہی درس شروع ہو جاتا، دوپہر تک ہوتا، اس کے بعد وقفہ اس قدر کہ کھانے اور کچھ آرام کے بعد ظہر باجماعت ادا ہوتی، نماز کے بعد درس، عصر کے بعد پھر درس، مغرب کے وقت ختم، کبھی ایک آدہ سبق بعد مغرب بھی ہو جاتا،

درس مین اتنا انہماک تھا کہ وطن کا آنا جانا شدید ضرورت ہی سے ہوتا وہ بھی جریدہ تاکہ زیادہ قیام نہ کرنا پڑے،

کانپور مین سات برس رہنے کے بعد مرکز اصلی کی جانب رجوع فرمایا، علی گڑھ کے مدرسۂ جامع مسجد مین اوّل مدرسی پر تقرر ہوا، پچاس ماہوار تنخواہ ٹھہری، صورت یہ ہوئی کہ مولوی صاحب کے شاگرد خواجہ محمد یوسف مرحوم وکیل نے مدرسۂ مذکور کو از سرِ نو جاری کیا، استاد کو کانپور سے بلا کر مدرس اوّل مقرر کیا، خواجہ صاحب تعلیم قدیم وجدید دونون کے دلدادہ تھے، ٹرسٹیز بل کے خرخشہ مین آنے تک سر سید مرحوم کے ساتھ اور محمڈن کالج کے سرگرم معاونین مین تھے مدرسہ کے مصارف کا بڑا جز چھتاری اور بھیکن پور کی ریاستون سے ادا ہوتا تھا، کیسی نیک کمائیان تھین جو ہند سے بخارا تک فیض پہنچانے کا ذریعہ بنین، مدرسہ کی رونق اور طلبا کا ہجوم قابل دید تھا، مولوی صاحب دوپہر کا کھانا مسجد ہی مین تناول فرماتے، صبح سے آکر عشا کے وقت دولتخانے جاتے،

آج پیریڈ (PERIOD) گننے والے ان باتون کو کیا سمجھین گے نہ سمجھین تو واقعہ تو واقعہ ہی رہے گا، ہندوستان اور بیرونِ ہندوستان کے بڑے بڑے علما اسی زمانے مین فیضیاب ہوے، پہلی فارغ ہونے والی جماعت مین (جو کانپور سے ساتھ آئی تھی) مولوی سید محمد علی صاحب، مولوی عبد الغنی خان صاحب، مولوی احمد حسن صاحب، مولوی عبد اللہ صاحب ٹونکی، مولوی عبد الحق صاحب دہلوی صاحب تفسیر حقانی اور مولوی سید محمد اسحٰق صاحب پیالوی شامل تھے، دیکھو انھین مین ہر ایک کس شان علمی مین جلوہ فرما ہوا، ثانی الذکر بعد فراغ استاد کی جگہ کانپور مین مدرسہ فیض عام کے مدرس اوّل مقرر ہوئے، ایک خط میرے پاس محفوظ ہے جس مین مولوی عبد الحی صاحب مرحوم فرنگی محل نے آخر الذکر موصوف کی قوت تدریس کی مدح وثنا لکھی ہے،

ذرا یہ بھی سن لو کہ یہ علما کس طرح پیدا ہوئے، میرے استاد نے مجھ سے بیان فرمایا کہ ایک بار میرزا دبیر مرحوم لکھنؤ سے کانپور آئے، ان کی آمد نے کانپور مین ایک غلغلہ ڈال دیا، مولوی صاحب نے شاگردون کو اجازت دی بلکہ شوق دلایا کہ مرزا صاحب کو دیکھین، ان کا پڑھنا سنین، پھر یہ موقع کہان ملیگا، فرماتے تھے مجھکو سبقون نے مہلت ہی نہ دی کہ جاتا، نہ دیکھنے کا اب تک افسوس ہے، یہ بھی فرماتے تھے کہ علیگڈھ مین طلبا کے رہنے کی جگہ جامع مسجد کے حجرے تھے، دو مجوب حجرے اور بھی تھے، جامع مسجد کے عالیشان مینارون

مین زینہ کی گھوم سے درمیان مین جو وسعت پیدا ہوگئی ہے وہ بھی حجرے کا کام دیتی، شائق طلبا ان کی فکر مین رہتے، خالی ہونے سے پہلے درخواستین گذر جاتین، فرماتے تھے کہ ایک بار اُن مین سے ایک حجرہ مجھکو بھی مل گیا تھا، نیچے کا دروازہ بند کرکے مطالعہ کو بیٹھ جاتا تو دنیا ومافیہا کی خبر نہ رہتی، مطالعہ کا جو لطف وہان آیا کہین نہ ملا، یہ بھی فرماتے تھے کہ درس سے فارغ ہوکر پہلی فکر یہی ہوتی کہ استاد کی تقریر دل مین ایسی نقش ہو کہ کبھی نہ بھولے، راستہ اسکی ذہنی تکرار مین صرف ہوتا، مکان پر پہنچکر فوراً قلمبند کیجاتی، اس عرصے مین دوسرے ہم سبق آجاتے اُن سے تکرار کیجاتی، ہر ایک اپنی اپنی یاد سے اعادہ کرتا، اتنی کاوش کے بعد جب تقریر ذہن نشین ہو لیتی تو چین سے بیٹھتے ضروریات کی جانب توجہ کرتے،

یہ بافیض درس ۱۲۸۵ھ سے نہایۃ ۱۳۱۲ھ، ۲۷ برس مسلسل حیدرآباد کے تعلق تک جاری رہا، استادون نے پڑھا، باپون نے پڑھا، شاگردون کے شاگرد اور بیٹے بھی فیضیاب ہوئے، عجب اتفاق ہے سب سے پہلے دور مین میرے مکرم استاد مولوی عبد الغنی خان صاحب نے پڑھا تھا، سب سے آخر کے باقاعدہ دور مین ننگ تلامذہ راقم شروانی شامل تھا، اس درس مین میرے ہم سبق مولوی امانت اللہ صاحب مرحوم، مولوی سید عبد اللطیف صاحب پروفیسر جامعۂ عثمانیہ، مولوی محمد ہاشم مرحوم سنبھلی، مولوی صدیق حسین حال مدرس مدرسہ جامع مسجد، مولوی اظہر حسین مرحوم بہاری تھے، سوائے عاجز کے سب کے سب عالم اور علم کے خادم بنے،

جامع مسجد کے دور درس مین یہ چشمہ اس سہ دری سے جوش زن تھا جو جنوبی منارے کے متصل ہے، مولوی عبد القدوس صاحب پنجابی مسجد کے اندر درس دیتے، حافظ رحیم بخش مرحوم قرآن شریف حفظ کراتے، ایک دوسرے مولوی عبد القدوس فارسی پڑھاتے، طلبا کی کثرت تھی، جامع مسجد مین نماز کی جماعتین بڑی شان سے ہوتی تھین، شہر کے دوسری مسجدین بھی طلبا سے آباد تھین،

یہ یادگار زمانہ درس اس شان سے جاری تھا کہ اس کو صدمہ پہنچا، اس عہد مین تقلید و عدم تقلید کے جو ہنگامے ملک مین برپا تھے ایک بار بیچارہ کول بھی ان کی زد مین آگیا، معرکے گرم ہوئے، مخالفت کے طوفان اٹھے

مولوی صاحب نے جامع مسجد مین درس موقوف فرما دیا، مکان کے قریب ایک چھوٹا کمرہ کرایہ پر لیکر اس مین پڑھاتے تھے مین وہین حاضر ہوا، ایک شکستہ بوریئے پر نشست ہوئی، دل مین اب تک اس عزت کی یاد ہے، کاش پھر نصیب ہوتی، طوفان بے تمیزی کا انجام یہ ہوا کہ مولوی صاحب کو زہر دیا گیا،

زہر خورانی ۲۳ محرم الحرام ۱۳۱۲ھ مطابق ۲۵ اگست ۱۸۹۴ء کو ایک خط مولوی صاحب کی خدمت مین آیا، لکھا تھا کہ مین آپ کا شاگرد ہون، تلاشِ معاش مین سرگردان تھا، مان نے منت مانی تھی کہ نوکری لگنے پر پہلی تنخواہ سے مولود شریف کی مجلس کرینگی، چنانچہ ملازمت ملجانے پر مجلس کیگئی، شیرینی آپکی خدمت مین بھی بھیجتا ہون، دوسرے روز ایک شاگرد اسٹیشن جاکر پارسل لے آئے، اندر بھیجدیا، کھولا تو نکتی کے بڑے بڑے لڈو نکلے، ان مین سپید سپید مصری کے دانے بکثرت چمک رہے تھے، تبرک کے خیال سے پارسل کے کھلتے ہی آدھا لڈو مولوی صاحب نے کھالیا، اتفاقاً کوئی اور عزیز اس وقت پاس نہ تھا، ورنہ حسب عادت اوّل اسکو کھلاتے،

تھوڑی دیر مین قلب پر گھبراہٹ محسوس ہوئی، استفراغ ہوا، بی بی صاحبہ کو بلا کر ماجرا کہا، انھون نے فوراً منجھلے صاحبزادہ مولوی عنایت اللہ صاحب کو طلب کیا، جو درس چھوڑ کر فوراً حاضر ہوئے، یہ طبیب بھی تھے، دیکھا کہ استفراغ جاری تھا، گھبرا کر سبب پوچھا تو پارسل کے آنے اور لڈو کھانے کا واقعہ معلوم ہوا، لڈو دیکھے تو معلوم ہوا کہ مصری نہ تھی، سنکھیا سے بھرے ہوئے تھے، بہرحال یونانی اور ڈاکٹری ممکنہ تدابیر کی گئین طبیب اور ڈاکٹر برابر حاضر رہے، شہر مین ایک تلاطم تھا، شب کو حالت زیادہ نازک ہوگئی جس سے معالج بھی گھبرا گئے،

قصہ مختصر فضل الٰہی شاملِ حال تھا کہ اس سخت جھلکے سے نجات ملی، ۲ ستمبر کو غسل صحت ہوا، اہل شہر نے اظہارِ مسرت و شکر اس طرح کیا کہ چندہ کرکے جامع مسجد مین شب کو مجلس میلاد مبارک منعقد کی، روشنی کی گئی، صبح کو شیرینی تقسیم ہوئی،

پولس نے مجرم کی تلاش کی، پتہ نہ چلا، مولوی صاحب نے کسی پر شبہ ظاہر نہین فرمایا،

اس پر ہمیشہ شکر فرماتے تھے کہ پارسل کھلنے کے وقت کوئی عزیز پاس نہ تھا، ورنہ وہ بھی شیرنی سے

مسموم ہوجاتا، مہربانِ نامہربان نے تو اپنے زعم باطل مین سارے گھر کے خاتمے کا سامان کر دیا تھا مگر ع

"دشمن اگر قوی ست، مہربان قوی تر است"

اس حادثے نے علمی مصیبت کی شکل یہ اختیار کی کہ مولوی صاحب کا دل علیگڑھ سے بیزار ہوگیا، درس کی جانب رغبت نہ رہی، طلبا کی خاطر سے بادلِ ناخواستہ پڑھاتے تھے اس پر بھی ناغہ بہت ہوتا،

دستِ قدرت نے جلد علیگڑھ کے ساکنین کو یہ دکھا دیا کہ اب وہ اس قابل نہ رہے تھے کہ علم وفضل کا ایسا سرمایہ دار اُن مین رہتا،

تعلق حیدرآباد | غفران منزل آصفجاہ سادس کی فرمانروائی اور سر وقار الامرا مرحوم کی مدار المہامی کا دور تھا، مدار المہام کو مسلمانون کی مذہبی تباہ حالی کا احساس ہوا، یہ ارادہ کیا کہ کوئی بلند پایہ عالم شمالی ہند سے طلب کر کے خدمت اصلاح سپرد کرین، اتفاق وقت مولوی صاحب کے ایک بنگالی طالب علم اس زمانے مین مزاج مین درخور تھے قدرۃً انھون نے اپنے استاد کے تقرر کی تجویز پیش کی، مدار المہام نے منظور کی، چنانچہ دسمبر ۱۸۹۴ء مین (یعنی زہرخورانی کے واقعے کے تین مہینے بعد ہی) حیدرآباد سے مراسلہ آیا کہ یہ تقرر منظور ہو تو سفر خرچ بھیجا جائے، یہان سے منظوری گئی، وہان سے زادِ راہ آگیا،

مشاہرہ سات سو روپیہ ماہوار، خدمت صدارت المدرسین،

۲۸ر فروری ۱۸۹۵ء کو بعد نماز جمعہ اہل شہر سے رخصت ہو کر حیدرآباد روانہ ہوئے، منجھلے فرزند مولوی عنایت اللہ صاحب کو اپنی جگہ جامع مسجد مین صدر مدرس مقرر کیا،

تین نامور شاگرد مولوی سید محمد علی صاحب، مولوی عبد الغنی خان صاحب اور مولوی عبد الجلیل صاحب افغانی اور چھوٹے صاحبزادہ میان عبد الحمید ہمراہ تھے، حیدرآباد پہنچنے پر شایستہ استقبال ہوا، مہمان خانہ ریاست مین قیام،

قضائے الٰہی اسی عرصے مین مفتی عدالت مفتی محمد سعید صاحب مرحوم نے رجوع مدراس کے علمی خاندان کے

سرمایۂ سعادت تھی) انتقال فرمایا، قدرت نے مولوی صاحب کو بجاے خدمت صدر المدرسین کے اس عہدے کیلئے نامزد کیا تھا، چنانچہ ایک ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ پر ۱۲ مارچ ۱۸۹۵ء کو عہدۂ مذکور پر تقرر ہو گیا،

ممالک محروسۂ سرکار عالی مین اب تک مطابق شرع قصاص کا طریقہ جاری ہے، پھانسی نہین ہے قصاص کے لیے حضور نظام کی منظوری بحیثیت فرمانروائے اسلام ضروری ہے، حضور اس وقت منظور فرماتے ہین کہ مفتیِ شرع فتویٰ دین، اس خدمت کے لیے عہدۂ افتا مجلس عدالت العالیہ (ہائی کورٹ) مین قائم ہے، ضرورت کے وقت مفتی اجلاس مین بیٹھکر ججون کے ساتھ بھی کام کرتے تھے،

نواب وقار الامراء بڑے سیر چشم عالی حوصلہ امیر تھے، عمارت کا ایسا سلیقہ تھا کہ انجینیرون کو بھی کم حاصل ہوا ہوگا، قصر فلک نما ان کے ذوقِ تعمیر کی نادر شہادت ہے،

مفتی صاحب کی (اب ہم مولوی صاحب کو مفتی صاحب کے لقب سے یاد کرتے ہین) تعظیم و بزرگداشت ہمیشہ ملحوظ رکھتے، اطلاع ہونے پر فوراً یاد فرماتے، تعظیم کو کھڑے ہو جاتے، بعض اوقات کرسی اپنی ہاتھ سے بچھاتے،

چند سال یہ خدمت انجام دی تھی کہ قویٰ کے ضعیف ہونے پر اثر سمیت نے پھر قوت دکھائی، ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۱ء مین دفعۃً درد سر شدید لاحق ہوا، صاحبزادہ مولوی امانت اللہ صاحب نے اپنے منجھلے بھائی مولوی عنایت اللہ صاحب کو بلایا، (جو طبیب بھی تھے) انھون نے سبب مرض سمیت تجویز کرکے معالجہ کیا، چنانچہ روغن کاہو اور روغن بادام سرکہ مین ممزوج کرکے بدفعات ڈھائی سیر سر پر ملا گیا، تب افاقہ ہوا، خارجی تدابیر اس وقت تو مؤثر ہو گئی، مگر پھر دوسرا فساد نمایان ہوا، تمام جسم پر آبلے نمودار ہو کر پھوٹے اور سارا جسم زخم بن گیا؎

دل ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

بالآخر رخصت علالت لیکر دلی تشریف لائے، معالجہ کارگر نہ ہوا، مزید رخصت حاصل کیگئی، افاقہ ہوا تو دکن کو مراجعت کی، زحمتِ امراض باقی تھی، درد سر شدید مزید بران تھا، بے تکلف علی حزین کا شعر صادق تھا ؎

چہ شد یارب کہ امشب درد سر تسکین نمی یابد | ز بے تابی سرم میگردد و بالین نمی یابد

مولوی عنایت اللہ صاحب بھوپال سے پھر طلب ہوئے، ان کی تدبیر سے درد سر رفع ہوگیا، باقی امراض کا علاج نوکا بابو ایک مدراسی وید نے بڑے معرکے سے کیا، دو مہینے سے زیادہ معالجہ جاری رہا، پوری صحت ہوگئی، اب تیسرا مرض ضعف پیری نمودار ہوا، آنکھون کی بینائی سرعت سے کم ہونے لگی، اس عالم مین ایک خط مولوی عنایت اللہ صاحب کو لکھا ہے اس مین تحریر فرماتے ہین:-

"ان آنکھون سے اگر بیت اللہ اور روضۂ اقدس کو نہ دیکھا تو وائے بر من و وائے بر ناکامیٔ من،

خیر، رضینا بما قضا اللہ علینا"

مراجعت وطن چھ سات مہینے مین روشنی بالکل جاتی رہی، روشنی کے ساتھ تعلق ریاست بھی گیا، علیگڑھ تشریف لائے، ڈاکٹرون نے پانی پختہ ہونے کے لیے ڈو ڈھائی سال کی مدت معین کی، چنانچہ یہ زمانہ صبر و رضا سے بسر فرمایا،

۱۴ مارچ ۱۹۰۶ء کو لکھنؤ کے مشہور معالج چشم ڈاکٹر اینڈرسن نے بڑی توجہ اور بزرگ داشت سے کامیاب قدح کیا، ڈاکٹر کی راے تھی کہ ایک آنکھ کا آپریشن ہو دوسری دوسرے وقت کے لیے محفوظ رہے، ادھر سے اصرار ہوا کہ دونون آنکھ کا آپریشن کردیا جائے، حسرت اس پر ہے کہ اپریشن کے بعد ضروری احتیاط نہ کی گئی، حرکت کرنا، آواز سے بات کرنا، پانی سے چہرہ کو دھونا وغیرہ ذالک امور ممنوع تھے، باوجود معالج کی تاکید و توجہ کے کسی کی پابندی نہ ہوسکی، نتیجہ یہ کہ دونون آنکھین خراب ہوگئین، ایک کا ڈھیلا بہہ گیا، دوسری خراب ہوکر رہگئی،

آنکھون کے جانے کا جو صدمہ ہوا ہوگا ظاہر ہے، معذوری نے چلنا پھرنا چھڑا دیا، اس کا اثر عام صحت پر خراب پڑا، مالی دقتین بھی پریشان کرتی رہین، مجھکو اس زمانے مین حاضری کا مسلسل موقع حاصل ہوتا رہا، باوجود معذوری و پریشانی کے رکھ رکھاؤ کا اہتمام پورا تھا، ہمیشہ صابر و راضی برضا دیکھا، لباس وغیرہ صاف مرتب، سننے کے لائق یہ بات ہے کہ مرض، عدم بصارت، مالی دقت ان مین سے ہر مصیبت سوہان روح تھی، ہمت و استقلال دیکھو، درس اس حالت مین بھی جاری تھا، مولوی بدرالدین اور مولوی کرم الٰہی اسی زمانے کے تلامذہ مین ہین، زیادہ توجہ درس حدیث و تفسیر پر تھی، غایت شوق، فرماتے تھے "میان مولوی

بدر الدین جب پڑھنے آجاتے ہین تو مین اپنی تکلیفین بھول جاتا ہون، اور جب تک ان کو پڑھاتا رہتا ہون ہائے ہائے سے نجات مل جاتی ہے ؛

اسی زمانے کا ایک واقعہ مولوی سید سلیمان اشرف صاحب نے بیان فرمایا، اپنے علیگڈھ آنے کے تیسرے ہی دن سلام کو حاضر ہوئے، ایک روز پہلے جامع مسجد مین بیان ہو چکا تھا، حاضری پر مخصوص خاندانی طریقے سے قدم لیے مولوی صاحب اس وقت آرام کرسی پر آرام فرما تھے، بغیر تعارف صاف الفاظ مین فرمایا "مولوی سلیمان اشرف" اور پھر شعر پڑھا،

گر تو تعظیم ہم خواہی از من زار بہرِ تعظیم خود مرا بردار،

دوسرا واقعہ صاحبزادہ مولوی امانت اللہ صاحب کی زبانی، شرح چغمینی کے پڑھانے مین ایک دائرہ کے متعلق اشکال پیش آیا، حاضرِ خدمت ہو کر مشکل پیش کی، فرمایا، امانت اللہ! اب دماغ کہان رہا، خیر ایک لوٹا مٹی کا لے لو، لوٹا لایا گیا، ایک ہاتھ پر الٹا کر کے کرہ بنا لیا، دوسرے ہاتھ کی انگلی کو کروی حرکت دی، صاحبزادہ کا بیان ہے کہ انگلی کا حرکت کرنا اور مسئلے کا سمجھ مین آجانا گویا ایک ہی بات تھی،

تیسرے واقعے کا مولوی معین الدین صاحب اجمیری نے ذکر کیا میر زاہد کی ایک تقریر باوجود مکرر غور کے سمجھ مین نہین آتی تھی، حاضری کے وقت اشکال پیش کیا، سنتے ہی فرمایا کہ اس مسئلے کے متعلق اوپر کے مقدمات کی تقریر مین فلان غلطی ہوئی ہے، اسکی تقریر اس طرح کرو حل ہو جائیگا، چنانچہ تقریر زاہدی کا مضمون صاف ہو گیا،

وفات ۱۳۳۴ھ مین عرفے کے دن مطابق ۸ر اکتوبر ۱۹۱۶ء تین اور چار بجے، سہ پہر کے درمیان بمقام کول (علیگڈھ) انتقال فرمایا، یہ وہ دن تھا کہ میدان عرفات اہل ایمان کی لبیک سے گونج رہا تھا، نوّے برس کی عمر ہوئی، حضرت شاہ جمال العارفینؒ کے جوار مین آسودہ ہین، چند قدم کے فاصلہ پر شاگرد رشید مولوی عبد الغنی خان صاحب مدفون ہین،

حلیہ بلند بالا، بدن دوہرا، رنگ سرخ سپید، سینہ چوڑا، پیشانی وسیع، آنکھین بڑی روشن، ناک دراز بھاری، ہونٹ باریک، دہانہ چھوٹا، گردن لانبی، داڑھی سپید نورانی، ہنس مکھ چہرہ، زہر کے اثر سے پہلے قوی اعلیٰ درجہ

کے تھے، صحت بہت اچھی تھی، سردی گرمی اور محنت کے اثر سے بالاتر،

لباس | انگرکھا، کرتا، عرض کا پائجامہ، سر پر اکثر دوپلی ٹوپی، خاص اوقات مین منشیانہ طرز کا عمامہ سر پر، اس پر سے سپید چادر، مردانہ مین ہمیشہ پورے لباس مین نمودار ہوتے، صرف کُرتے مین کبھی برآمد نہ ہوتے، کرتہ جسم سے گرمی مین یا تخلیہ مین بھی جدا نہ ہوتا، لباس کی درستی اور صفائی کا پورا اہتمام رہتا، مین نے مرض اور نابینائی کی حالت مین بھی لباس میلا یا فرسودہ نہین دیکھا،

عادات | نشست برخاست اور گفتگو مین تہذیب و وقار کی پوری شان تھی، نگاہ نیچی رہتی، کم سخن تھے، خاموشی مین بھی ایک عالم شگفتگی محسوس ہوتا، روش سادہ تھی، جفاکشی اور محنت داخلِ عادات تھی، چھتری کبھی نہ لگاتے شدتِ گرما مین سر پر چادر رکھکر دھوپ مین چلے جاتے، اس سلسلے مین ایک جان پرور واقعہ سن لو،

گرمی کے سخت موسم مین ایک بار مدرسۂ عالیہ کا امتحان لینے رامپور تشریف لے گئے، امتحان سے فارغ ہوتے ہوتے دوپہر کے بارہ بجگئے، حسب عادت سر پر چادر رکھکر پیادہ پا استاذ العلما مولوی محمد ہدایت اللہ خانصاحب صدر مدرس مدرسۂ جونپور کے مکان پر جا پہنچے، مولوی صاحب قیلولے کے لیے زنانہ مکان مین جا چکے تھے، اطلاع پر باہر تشریف لائے، اوّل ایک پلنگ پر صاف ستھرا بستر بچھوایا، اس کے بعد مہمان محترم کی پذیرائی فرمائی،

شانِ پذیرائی غور سے سنو، اب یہ واقعے کہان، دیکھنا درکنار سنو گے بھی نہین، اپنے بھتیجے حافظ اسعد اللہ خان کو بھیجکر کنوئین سے تازہ پانی منگوایا، مہمان گرامی کے پانون پر عزیز سے پانی ڈلوایا، اپنے ہاتھ سے دھوئے، سقاہ اللہ تعالیٰ کا شادہا، ابھی کریم النفسی کی داستان باقی ہے، رامپوری فاضل اجل نے راوی سے یہ واقعہ بیان فرمایا تو یون کہا کہ مولوی لطف اللہ صاحب نے بڑا کرم فرمایا ایسی دھوپ مین تکلیف فرمائی، اور وہ بھی پیادہ پا، اپنی خدمت کا تذکرہ درکنار اشارہ بھی نہ کیا، ایک موقع پر حسب راوی موصوف نے مفتی صاحب سے مولوی صاحب کی شکرگذاری کا ذکر کیا تو فرمایا کہ مین نے کیا کرم کیا مجھکو تو دوپہر کہین بسر کرنی تھی وہین چلا گیا، کرم تو مولوی صاحب نے فرمایا یہ کہکر پانی منگواتے اور پانون دھلانے کا واقعہ بیان فرمایا، دیکھو یہ تھے وہ پاک مشرب صاف سینے جنکے ملی نیض کے

چشمے نہیں دریا ہے، رحمہا اللہ تعالیٰ،

آمدم برسرِ مطلب، مزاج شگفتہ تھا، باذاق تھا، تکلف سے بری تھے، خاص صحبتوں مین مزاح بھی فرماتے، شعر کا ذوق پورا تھا، خاص صحبتون مین اشعار کا ذکر چھڑ جاتا تو گھڑیون جاری رہتا، اشعار لطیف پڑھتے، لطف وخوبی ظاہر فرماتے، ایک ہی قافیہ یا مضمون پر متعدد اساتذہ کا کلام سناتے، عربی، فارسی، اردو ادب سے یکسان ذوق تھا، مجھکو یاد ہے کہ ایک صحبت مین ہوشم اور دوشم کی طرح پر بہت سے مطلع استادون کے پڑھے تھے، تین مطلعے اب تک یاد ہین، صائب ؎

نمی دانم کرا دیدم کہ از خود می رود ہوشم | جنون آہستہ می گوید مبارکباد در گوشم

لا ادری ؎

بیک پیمانہ ساقی کرد مدہوش آنچنان دوشم | کہ از محفل حریفان چون سبو بردند بر دوشم

مولوی فیض الحسن سہارنپوری، ؎

صلا زدم کہ من آزادہ نمد پوشم | غلام حیدرم و جام حیدری نوشم

جام حیدری کی تعریف فرمائی،

گفتگو ہر شخص سے علی قدر مراتب شفقت و محبت سے فرماتے جسکا اثر سامع محسوس کر کے محظوظ ہوتا، تعلی یا ادعا کا شائبہ بھی کلام مین نہ پایا جاتا، تقدس آبی اور جلوہ نمائی پاس نہ تھی، تلاوت کلام مجید بھی تخلیے مین فرماتے، سخت کلامی اور فحش الفاظ غصے مین بھی زبان سے نہ نکلتے، ملازمون کے لیے انتہائی غصے کے الفاظ یہ تھے، "تم بچھیا کے باوا ہو"، "بالائق ہو" (گویا نالائق کا نعم البدل ہے)

سیر چشم اور فیاض تھے، اسی لیے اکثر قرض کا بار رہتا، حیدرآباد کے تعلق کے زمانے مین ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ بدقت کفایت کرتی، شادیون مین دعوتین بڑے حوصلے سے ہوتین، جنکو روسا بھی مان جاتے، شادی کی تقریبون مین تلامذہ کا اجتماع قابل دید ہوتا، جنہین بڑے بڑے علما ہوتے، سب کے سب مہمانون کی خدمت بے تکلف

کرتے، مولوی ہی پلنگ بچھاتے دوسرا سامان آسایش مہیا کرتے، ایک تقریب مین میرے قیامگاہ مین مولوی ظہور الاسلام صاحب فتحپوری مرحوم سامان لائے تو مین نے معذرت کی اور کہا کہ آپ تکلیف نہ کرین، ہنسکر فرمایا یہان مولویون کے سواے کون جو تمھارا کام کریگا،

ایک تقریب مین شام کے وقت مین نے دیکھا کہ متعدد چار پائیون پر تلامذہ بیٹھے ہوئے تھے، ان مین مولوی سید محمد علی صاحب، مولوی عبد الغنی خان صاحب، مولوی احمد حسن صاحب، مولوی عبد الجمیل صاحب افغانی (صدر مدرس ویلور مدراس) مولوی سید ظہور الاسلام صاحب وغیرہم تھے آج ان کی نظیر سارے ہندوستان مین مشکل سے ملیگی، ایک کا لستھہ شاگرد بھی تھے جنسے برادرانہ برتاؤ ہو رہا تھا،

ضروری واقعات سے باخبر رہنا اور حسب موقع ان مین حصہ لینا داخل اخلاق تھا، جو خلاصے جنتریون کے میرے سامنے ہین وہ اس کے شاہد ہین، ایک اندراج میرا سرمایہ نازش ہے، "۴ رمارچ ۱۸۹۱ء حبیب الرحمن خان نے پڑھنا شروع کیا"

علماے معاصرین کے علم و فضل کا اعتراف شامل وضع تھا، سب کے ساتھ محبت تھی، انکی وفات سے سخت متاثر و متاسف ہوتے، جنتریون کے اندراجون مین مولوی عبد الحی صاحب فرنگی محلی، مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری، مولوی ارشاد حسین صاحب رامپوری وغیرہم کی وفات کا صدمہ صاف عیان ہے، رحمہم اللہ تعالیٰ مولوی اسمٰعیل صاحب اسرائیلی سے حالانکہ بے لطفی رہتی تھی، مگر دلی سے جب ان کے وفات کی خبر آئی تو بے اختیار آنکھون سے آنسو جاری تھے اور فرماتے تھے "مولوی اسمٰعیل اپنی ذات سے بہت اچھے آدمی تھے"

بازار کے چٹ پٹے کباب بہت مرغوب تھے، فرمایش ہوتی کہ دلی کی جامع مسجد کی سیڑھیون کے کباب گرما گرم آئین، عزیز شاگرد اہتمام کرکے لاتے اور دعائین لیتے، حالت علالت مین یہ شوق معالج اور تیمار داردون کے لیے مصیبت ہو جاتا، باورچی خانہ مین عمدہ سیخ کے کباب تیار کرائے جاتے، پسند نہ ہوتے،

درس مفتی صاحب کا مخصوص کمال درس تھا، اللہ تعالیٰ نے عمر دراز بخشی، صحت و قوت وافر عطا فرمائی، علم کی

دولت سے مالامال فرمایا، یہ سارا سرمایہ تدریس وتعلیم مین صرف فرما دیا، معتبر شہادت اسکی موجود ہے کہ شباب تدریس کے وقت
مین بیس بیس سبق روزانہ پڑھائے، مولوی فضل حق صاحب مرحوم خیرآبادی کا ایک خط میرے پاس ہے، اس مین
تحریر فرماتے ہین کہ آجکل درس قوت سے جاری ہے، سولہ سبق روزانہ پڑھائے جاتے ہین، یہ قیام الور کا واقعہ تھا
علی گڈھ مین درس کا سلسلہ ۱۲۸۵ھ سے ۱۳۱۲ھ تک ستائیس سال جاری رہا، اس سے پہلے سات برس فیض عام
کانپور مین درس دیا جا چکا تھا، اس طرح چونتیس برس پوری قوت کے ساتھ مجلس تدریس گرم رہی، برسون یہ معمول
رہا کہ صبح کی نماز سے فارغ ہوکر جامع مسجد مین تدریس شروع فرما دیتے، دوپہر کا کھانا وہین آجاتا، عشا پڑھکر
مسجد سے مکان تشریف لیجاتے ،

طلبار کو مطالعے کی تاکید رہتی، اگر کسی طالب علم کی خامی ثابت ہوتی اس کا سبق ناغہ کر دیا جاتا، فرماتے کل
مطالعہ دیکھکر پڑھنا، یہ فرمایش تلخی یا سختی سے نہ ہوتی بلکہ نرمی سے یون فرماتے آج شاید مطالعہ نہین کیا جو مطلب
سمجھنے مین دشواری ہوتی ہے کل مطالعہ دیکھکر پڑھنا، یہ روک ٹوک کا سلسلہ خوبی سے ہمیشہ جاری رہتا، منجھلے فرزند
مولوی عنایت اللہ صاحب درس دے کر بھوپال مین مفتی مقرر ہو چکے ہین، اس زمانے مین ایک خط مین مصئون
(بروزن مسئول) قلم سے نکلا، مفتی صاحب نے لکھا کہ مصئون بروزن مفعول ہے ہمزہ کیون لکھا،

ایک اور والا نامے مین فرماتے ہین، (خلاصۃً) عنایت اللہ اپنی تعظیم مین نہین چاہتا تمھاری تحریر کی شائستگی
کے خیال سے لکھتا ہون کہ بڑون کے خط مین آخر والسلام کے ساتھ کوئی لفظ تعظیمی لکھدیا کرو مثلاً بالاکرام، برابر
والون کو مثلاً "ختم الکلام"

قاضی حسام الدین کشمیری سات برس حاضر درس رہے، اپنی یادداشت مین لکھتے ہین کہ اس عرصۂ دراز مین
صرف دو یا تین بار طلبا کی کج بحثی پر مولوی صاحب کو غصہ آتے مین نے دیکھا، اسی کے ساتھ دوسرے وقت شفقت
سے اسکو مطلب سمجھا دیا،

تدریس کے وقت وقار و تمکین کے ساتھ نشست فرماتے، گھٹنون یا ایک پہلو سے بیٹھے رہتے، کتاب

ہمیشہ ہاتھ مین کھلی رہتی، جماعت مین باری باری سے ایک طالب علم قاری ہوتا، باقی سامع، الحمد للہ مجھکو بھی بارہا قاری ہونے کا شرف حاصل ہوا، قاری عبارت پڑھکر ترجمہ کرتا، اس کے خاموش ہونے پر تقریر فرماتے تقریر صاف سلیس اور بسیط ہوتی، طویل نہین، لہجے سے شفقت اور فیض رسانی کا لطف محسوس ہوتا، مستعد طلبا کے لیے پہلی تقریر کافی ہوتی، جو سمجھتے ان کے لیے دوبارہ سہ بارہ تقریر فرماتے بشاشت مین فرق نہ آتا، اعتراضون کا جواب نرمی اور تحمل سے دیا جاتا، تمام مراحل طے ہونے پر طلبہ سے دریافت فرماتے سب نے مطلب سمجھ لیا جواب اثبات مین ملکر آگے پڑھنے کا حکم ہوتا، خوبی تقریر کا یہ اثر درس مین بیٹھ کر دیکھی کہ قاضی مبارک، حمد اللہ، میر زاہد رسالہ اور غلام یحییٰ کے دقیق مطالب پانی ہوکر روان ہوتے تھے، حالت درس مین کوئی خاص ملنے والے آجاتے تو درس بند کرکے انکی جانب متوجہ ہو جاتے،

ایک بار مولوی عبد الحق صاحب خیرآبادی تشریف لے آئے، حسب عادت درس بند کرکے سروقد ہوکر پذیرائی فرمائی، مزاج پرسی وغیرہ رسمی مراتب گفتگو کے بعد فاضل خیرآبادی نے فرمایا کہ طلبا کا وقت بہت عزیز ہے، ہرج نہ فرمائیے، قاضی مبارک کا درس ہونے لگا، خیرآبادی مولوی صاحب سنتے رہے، ختم ہونے پر طلبا سے کہا کہ تمھارے استاد کی تقریر ایسی ہے کہ اعتراض خود بخود دفع ہوتے جاتے ہین، جب کوئی معرکے کا مسئلہ آنے والا ہوتا تو طلبا سے فرما دیتے کہ مطالعہ اہتمام سے کرنا، کل فلان مشکل مسئلے پر گفتگو ہوگی، دوسرے روز تقریر ہوتی تو خود اشکال مشکل مین پڑ جاتا، مسئلے کی صاف واضح صورت ذہن مین آجاتی، ایسے موقعے پر دوسرے اساتذہ کی تقریرین بھی بیان فرماتے مگر ان پر جرح قدح نہ فرماتے، طلبا کو خود اندازہ ہو جاتا کہ کون سی تقریر کس پایے کی ہے، قاضی سعد الدین مرحوم نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ ان کے درس کے زمانے مین صحیح بخاری کا نسخہ کھلا ہوا سیدھے ہاتھ مین پڑھانے کے پورے وقت تک رہتا، یہ وقت گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے سے کم نہ ہوتا، حالت درس مین بھی شکستگی اور تواضع کا جلوہ نظر آتا،

درس کی خصوصیت یہ تھی کہ تمام علوم یکسان قوت سے پڑھاتے تھے، ریاضی کے درس کا تفوق مسلم تھا، مطالعے سے ہیئت جدید کے مسائل پر بھی پورا عبور حاصل فرما لیا تھا، متعدد نقشے سیارون کی تقویم کے (جدید نظام

کے مطابق) یاد داشتون مین موجود ہین ، فرماتے تھے قدرت کی وسعت جدید علم ہیئت مین پائی جاتی ہے، اقدیم ہیئت نے تو تمام کائنات کو نو دس کرون مین بند کر دیا ہے ،

بڑی اور چھوٹی کتابین ایک ہی توجہ سے پڑھائی جاتین ، ایک بار لڑکپن مین اپنے عم محترم مولوی عبدالشکور خانصاحب مرحوم کے ساتھ مین ایک بار چند روز علی گڈہ رہا تھا ، ہرج سبق کے لحاظ سے ممدوح نے فرمایش کی کہ کوئی طالب علم سبق پڑھانے پر مقرر کر دیئے جائین ، زہے قسمت کہ حضرت نے خود تکلیف فرمائی ، بعد مغرب تشریف لاکر سبق پڑھا دیتے ، اس وقت مین بدیع المیزان پڑھتا تھا ، پہلے روز دیباچہ پڑھوا کر سنا ، مین نے موٴلف کی نسبت تلمبی ، تلمبی بروزن زینبی پڑھی ، فرمایا " تلنب بروزن سرنگ ، نسبت اسکی طرف تَلَنبی " ، اس واقعہ کو نصف صدی سے زیادہ زمانہ گذر چکا ، اس لفظ کے ادا فرمانے کی آواز آج گویا کانون مین گونج رہی ہے اور لفظ تلنبی کو دونون لب ملا کر ادا فرمانا گویا اس وقت آنکھین دیکھتی ہین ، یہ تھا سمجھانے کا دل نشین انداز ، رحمہ اللہ تعالیٰ ،

درس کی ہر فنی قوت کا اندازہ ذیل کے دو واقعون سے کرو ، یہ دونون واقعے مولوی سید عبداللطیف صاحب میرے ہمدرس نے بیان کئے ہین ،

ایک مولوی سید محمد علی صاحب مرحوم کانپوری کی زبانی ، مولوی صاحب صحاح ستہ کا دور علی گڈہ مین ختم کر کے سہارنپور مولوی احمد علی صاحب مرحوم سے حدیث پڑھنے گئے تھے ، چنانچہ دورہ ختم کر کے سند حاصل کی ، فرماتے تھے کہ سہارنپور مین رجال ، و اسانید کی تحقیق علیگڈہ سے زائد تھی ، مگر کتاب اور حدیث کا مطلب اتنا ہی تھا جتنا علی گڑہ مین تھا ،

دوسرا واقعہ خود ان کے والد کی زبانی ، موصوف نے علی گڑہ مین ادب عربی دوسرے فنون کے ساتھ پڑھا تھا ، یہان سے جا کر لاہور مین مولوی فیض الحسن صاحب مرحوم ادیب نامور سے پڑھا ، بعد فراغ کہا کرتے تھے کہ لاہور مین ایام عرب وغیرہ کا بیان بیشک بیش تھا ، لیکن اشعار کا مطلب علیگڈہ کے درس سے زیادہ نہ تھا ، انتہی ، مولوی صاحب کو ملا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمہ اللہ کی کتابدانی اور حل مطالب کا اعتراف تھا ،

تکفیر سے احتراز | مولوی صاحب کا مشرب بہت وسیع تھا، کبھی کسی کی تکفیر سے قلم آلودہ نہین فرمایا، نہ کبھی مسائل اختلافی کے مباحث مین حصہ لیا، حیدرآباد سے ایک خط مین فرزند دلبند کو لکھتے ہین کہ علت زاغ کے مسئلے مین مخالف اور موافق دونون فریق مجھکو لکھ رہے ہین اور میری راے کے جویا ہین، مگر مین اس اختلافی مسئلے پر کچھ نہ لکھونگا، اسی وسعت مشرب کا ظہور ندوۃ العلما کے قیام و ترقی مین ہوا،

تصنیف | کبھی کوئی تصنیف نہین کی، تمام وقت اور قوت علمی پڑھانے مین صرف فرما دی،

فارسی شعر کہتے تھے، زیادہ تر تاریخین بعض منظوم خط شاگردون کے نام محفوظ ہین، کلام صاف حشو و زوائد سے پاک ہے، ایک نعتیہ شعر سن لو ؎

مرا بسوے خود اے فخر انبیا برکش | کہ برتری ز سلیمان و کمترم از مور

جملۂ معترضہ، انگریزی اس قدر جانتے تھے کہ بوقت ضرورت تار وغیرہ پڑھ لیتے تھے، مولوی عبد القادر صاحب مرحوم جس زمانے مین کانپور مین مدرس تھے ایک سال وبائی ہیضہ وہان پھیلا، موصوف نے ایک تار اسی اثنا مین اپنے والد بزرگوار کے نام کسی ضرورت سے بھیجا، مولوی صاحب تار پا کر قدرۃً گھبرا گئے، مضطربانہ آیک بابو کے پاس جا کر پڑھوایا، اسی روز ارادہ کیا کہ انگریزی اتنی حاصل کر لینی چاہئے کہ ایسی ضرورتون مین محتاجی نہ رہے، چنانچہ بطور خود مطالعہ کر کے استعداد حاصل فرمالی،

ندوۃ العلماء کی صدارت | ندوۃ العلما جیسی ہمہ گیر مجلس کی صدارت کے لیے ایسا ہی مقبول عام صدر نشین زیبا تھا جیسے کہ مفتی صاحب تھے، اس مجلس کی بنیاد مدرسہ فیض عام کانپور کی دستار بندی کے جلسون مین پڑی تھی، اوپر پڑھ چکے ہو کہ یہ مدرسہ سات برس مفتی صاحب کے درس سے فیضیاب رہا تھا،

شوال ۱۳۱۱ھ مین پہلا اجلاس ہوا، یہ اجلاس اپنی شان اور اجتماع مین خود اپنی نظیر تھا، ایک شان یہ بھی تھی کہ ہر فرقے کے صنادید علما شریک جلسہ تھے، علماے حنفی کے علاوہ اہل حدیث مین سے مولوی ابراہیم آروی مولوی محمد حسین صاحب بٹیالوی، شیعہ مجتہدین مین مولوی غلام الحسنین صاحب کنتوری شریک جلسہ تھے،

یہ مشاہدہ تھا کہ تمام علما بلا تخصیص فرقہ صدر نشین کی تعظیم و توقیر مین یکسان سرگرم تھے، کرسیِ صدارت حضرت کے جمال وکمال دونون پر نازان تھی، تحریک صدارت مولوی عبد اللہ صاحب ناظم دینیات محمڈن کالج علی گڈھ نے کی، تائید ثانی شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی نے کی، تقریر تائیدی مین یہ الفاظ بھی تھے "... مولنا محمد لطف اللہ صاحب کو چونکہ خداوند تعالی نے بسبب عمر و علم کے بزرگی بخشی ہے اور ان کے نام سے خود لطف اللہ مترشح ہے، لہذا ہمارے واسطے ایسے بزرگ کا میر مجلس ہونا باعث خیر و برکات اور لطف اللہ ہوگا" مولوی شبلی صاحب بھی موئدین مین تھے، اس موقع پر جو رسالہ مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی نے پیش کیا تھا اس مین مفتی عنایت احمد صاحب مولوی لطف اللہ صاحب اور مولوی احمد حسن صاحب کی بڑی شاندار الفاظ مین مدح وثنا کی تھی،

اس جلسے مین ایک واقعہ قابل بیان پیش آیا، سہ پہر کے اجلاس مین جب مفتی صاحب داخل ہوئے تو دیکھا کہ عام شرکا کی صف مین دو یورپین بھی بیٹھے ہین، دریافت سے معلوم ہوا کہ پادری ہین، مولوی صاحب نے علما کی نشستگاہ پر پہنچکر فرمایا کہ چونکہ یہ دونون بھی اپنے مذہب کے عالم ہین لہذا اس نشستگاہ پر بیٹھنے کی اجازت دیجائے، چنانچہ سب نے منظور فرمایا اور دونون صاحب اوپر آکر بیٹھ گئے،

دوسرے سال اجلاس لکھنؤ مین شرکت سے معذوری رہی، تیسرے برس بریلی کے اجلاس کی صدارت فرمائی، یہ اجلاس بھی اپنی شان مین یادگار رہا، مخالفت کا دور یہین سے شروع ہوا، ان اجلاسون مین خطبۂ صدارت کا فقدان برابر محسوس کیا گیا،

اولاد مفتی صاحب کی شادی جلیسر مین سید رونق علی صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی تھی، اس طرح صاحبزادون کی والدہ اور دادی دونون سیدہ تھین،

اولاد مین چھ لڑکے تھے، لڑکیان علاوہ، لڑکون مین محمد کرامت اللہ کا اوائل عمر مین انتقال ہوگیا تھا، سب مین بڑے مولوی عبد القادر مرحوم تھے، اٹھارہ برس کی عمر مین درس نظامی سے فارغ ہوئے، مولوی عبد الغنی خانصاحب اور اپنے والد ماجد کے شاگرد تھے، حضرت مولنا فضل رحمن مجددی قدس سرہ سے

بیعت تھی، مولوی عبدالحی صاحب مرحوم فرنگی محلی سے مباحث علمی پر مراسلت رہتی، مدرسۂ فیض عام کانپور مین صدر مدرس رہے، علم رمل سے خوب واقف تھے، ۴۰ برس کی عمر مین دق کے مرض سے ۱۳۰۳ھ مین وفات پائی فارسی شعر کہتے تھے، ایک شعر سن لو ے

دلِ من شاد گردیدن نداند مگر این غنچہ خندیدن نداند

منجھلے مولوی عنایت اللہ صاحب، حکیم و حافظ تھے، اپنے بڑے بھائی اور والد ماجد کے شاگرد، طب سے خداداد مناسبت تھی، علاج خوب کرتے تھے، جامع مسجد مین اپنے والد کی جگہ تقرر، حیدر آباد کے زمانے مین کئی سال صدر مدرس رہے، وہان سے بھوپال جاکر اول [illegible] مجلس علما، اس کے بعد مفتی مقرر ہوئے، وہین ۱۹۳۰ء مین انتقال کیا، سرکار عالیہ سلطان جہان بیگم صاحبہ کے ہمراہ [illegible] زیارت سے مشرف ہوئے تھے، وہان کے علما سے کلام اللہ، حدیث، قصیدہ بردہ دلائل الخیرات وغیرہ کی سندین لائے تھے،

تیسرے مولوی امانت اللہ صاحب، فارغ التحصیل ہوئے، والد اور منجھلے بھائی کے شاگرد تھے ہین انکا ہم سبق رہا، حیدر آباد مفتی صاحب کے ساتھ گئے اور فارغ التحصیل ہو کر لوٹے، منجھلے بھائی کے بھوپال جانے پر جامع مسجد مین صدر مدرس مقرر ہوئے، برسون پورے انہماک اور اہتمام کے ساتھ جملہ علوم کا درس دیا، خاندانی فن ریاضی مین امتیاز تھا، بہت خاموش اور با وضع تھے، پورے مدرس تھے، سوائے پڑھانے کے کوئی مشغلہ محبوب نہ تھا، باسٹھ برس کی عمر کا سرمایہ دو نقطہ مین، پڑھا اور پڑھایا، اپریل ۱۹۳۱ء مین انتقال کیا، غفرلہم،

چوتھے مولوی سلامت اللہ، عربی کے ساتھ انگریزی بھی پڑھی، درسی کتابین ختم نہ کرسکے، حج سے مشرف ہوئے، عدم فراغ کی تلافی یہ ہے کہ نور نظر مولوی حفیظ اللہ جامع مسجد مین مسند تدریس پر بعد فراغ متمکن ہین، ریاضی مین ترقی کر رہے ہین،

سب سے چھوٹے عبدالحمید، انگریزی فارسی پڑھی، آخرالذکر دونون صاحبزادے بقید حیات ہین سلمہما اللہ تعالیٰ

مفتی صاحب کی دستارِ کمال مین ایک طرۂ امتیاز یہ بھی ہے کہ پانچ صاحبزادون مین سے تین صاحب

تدریس ہوئے، ایک پوتے،

اولاد سے مفتی صاحب کو معمول سے زیادہ محبت تھی، اُن کی تھوڑی سی تکلیف بھی نہ دیکھ سکتے تھے قضائے الٰہی کئی لخت جگر آنکھون کے سامنے پیوند خاک ہوگئے، سب سے زیادہ صدمہ مولوی عبد القادر صاحب کی وفات کا تھا، اور بجا تھا،

تلامذہ جو درس چونتیس برس مسلسل اور متفرق طور پر ستر برس جاری رہا اس کے فیضیاب تلامذہ کا استقرار کون کر سکتا ہے، خصوصاً جبکہ شمار اور ضبط کی کبھی پروا بھی نہ کی گئی ہو، دریا مصروف تموّج رہا، امواج کی شمار کون کرتا،

حضرت کے شاگرد مولوی احمد الدین مدرس مدرسۂ دانپور (باشندۂ سرحد) نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ ایک موقع پر ان کے وطن مین اہل علم کا مجمع تھا، مفتی صاحب کے فضل و کمال کا ذکر ہونے لگا، اسی ضمن مین شاگردون کی کثرت کا مذکور ہوا، سلسلۂ کلام مین سرحد کے ایک خاص وسیع قطعے کے شاگرد شمار کئے گئے، معلوم ہوا کہ شاگرد اور شاگردون کے شاگرد ڈھائی سو (۲۵۰) کی تعداد مین مصروف تدریس تھے، مین اس بیان کو کذب پر محمول نہین کرتا، تم کو اختیار ہے کہ مبالغہ مان کر اپنی ہمت کے مطابق تعداد کم کردو، کتنا ہی گھٹاؤ جو تعداد رہیگی کثیر ہی رہیگی،

خود مفتی صاحب اور صاحبزادون کی تحریر سے تلامذہ کے جو نام معلوم ہوسکے درج ذیل ہین، بعض نام مین نے اپنی یاد سے بھی بڑھائے ہین،

دیکھوگے کہ شاگردون مین بہت سے علما ایسے ہین کہ ان کے تذکرے لکھے جائین تو علم مین اضافہ ہو،

صاحبزادگانِ گرامی قدر، مولوی عبد القادر صاحب[۱]، مولوی عنایت اللہ صاحب[۲]، مولوی امانت اللہ صاحب[۳]، مولوی سید محمد علی صاحب کانپوری[۴]، مولوی عبد الغنی خانصاحب مئو رشید آبادی[۵]، مولوی احمد حسن صاحب کانپوری[۶]، مفتی عبد اللہ صاحب ٹونکی[۷]، مولوی سید محمد اسحاق صاحب پٹیالوی[۸]، مولوی عبد الحق صاحب حقانی دہلوی[۹]، مولوی[۱۰] عبد الحق صاحب فتحپوری[۱۱]، مولوی وحید الزمان خان وقار نواز جنگ[۱۲]، مولوی محمد اسحاق صاحب اسرائیلی[۱۳]، مولوی محمد یعقوب صاحب اسرائیلی[۱۴]، حکیم محمد یوسف اسرائیلی[۱۵]، مولوی سید ظہور الاسلام فتحپوری[۱۶]، مولوی الٰہی بخش پنجابی،

مولوی[17] عبدالقدوس پنجابی، مولوی[18] فضل احمد افغانی، (ریاضی مین ماہر وقت) مولوی[19] آل حسن مرادآبادی، مولوی[20] بشیر احمد صاحب علی گڑھی، اب بھی استاد مکرم کے مدرسے مین سرگرم تدریس ہین، سلمہ اللہ تعالیٰ، مولوی[21] فضل حق صاحب رامپوری صدر مدرس مدرسہ عالیہ رامپور، حکیم[22] عبدالقادر خان شاہجہانپوری افسر الاطبار ریاست بھوپال، مولوی[23] قمرالدین اجمیری مدیر رسالہ مآل التہذیب، مولوی[24] نادرالدین، مولوی[25] شمس الدین پنجابی، مولوی[26] راغب اللہ پانی پتی، مولوی[27] محمد اسحاق صاحب سنبھلی، مولوی[28] ہدایت اللہ جلیسری، مولوی[29] عنایت اللہ پنجابی، مولوی[30] دوست محمد خان ساکن سکندرہ راؤ، مولوی[31] محمد ہاشم سنبھلی (میرے ہمدرس) مولوی سید[32] عبداللطیف صاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ (میرے ہمدرس) مولوی[33] نور محمد پنجابی مدرس مدرسہ فتحپور ہنسوہ، عجب صاحبدل ہستی تھی، مولوی[34] الہ داد خان بنگالی، مولوی[35] احسان علی بنگالی، مولوی[36] حافظ گوہرالدین، مولوی[37] عبدالفتاح، مولوی[38] حافظ محمد فائق، مولوی[39] ماجد علی مدرس مشہور، مولوی[40] عبدالرزاق بنگالی، مولوی[41] ملا مرید پنجابی، مولوی[42] محمد عثمان وزیری، مدرس بھوپال، مولوی[43] محب اللہ صاحب ولایتی خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ، مولوی[44] پیر مہر علی شاہ صاحب سجادہ نشین گولڑہ ضلع راولپنڈی، ایک عالم خود ان سے فیض یاب ہے، مولوی[45] امان اللہ کشمیری، قاضی[46] سعدالدین کشمیری، مولوی[47] ابوسعید، مولوی[48] عبداللہ پنجابی، مولوی[49] شرف الدین، مولوی[50] نور محمد سندھی، مولوی[51] عبداللہ قائم گجراتی، مولوی[52] عبدالعزیز مدراسی، مولوی[53] عبدالصمد بنگالی استاد کے شیدائیون مین تھے، قاضی[54] سراج احمد گجراتی، مولوی[55] محمد علی انبیٹھوی، مولوی[56] سبز علی ولایتی، مولوی[57] سیف الرحمن ولایتی صدر مدرس مدرسۂ فتحپوری وغیرہ، مولوی[58] پردل خان ولایتی، مولوی[59] اخلاق احمد سہسوانی، مولوی[60] حافظ محمد صدیق پوربی، مولوی[61] لطف الرحمن، بردوانی، ریاست بھوپال مین تعلیم کے ڈائرکٹر ہے، مولوی[62] پیر محمد ولایتی، مدرسہ جامع مسجد کول مین مدرس رہے، مولوی[63] گل محمد ولایتی مدرس الغ، مولوی[64] حافظ کعب ظہیر، مولوی[65] عبداللہ کاشغری، مولوی[66] شیر محمد ولایتی، مولوی[67] احمدالدین ولایتی، مولوی[68] میر عبداللہ ولایتی، مولوی[69] خداداد بنگالی، مولوی[70] خواجہ محمد یوسف وکیل مشہور، مولوی[71] خواجہ محمد اسمٰعیل وکیل، مولوی[72] رفیع اللہ وکیل، حکیم[73] رفیع الدین، حکیم[74] شیخ محمد یوسف علی، مولوی[75] قاری کرم الٰہی، فارسی و تجوید کے استاد تھے، مولوی[76] یداللہ

مدرس مسلم یونیورسٹی، مولوی یونس خان رئیس دہنانوی، مولوی صدیق حسین مدرس مدرسۂ جامع مسجد (میرے ہمدرس) مولوی اظہر حسین بہاری حیدرآبادی (میرے ہمدرس اور مولوی شرف الدین استاد حضور نظام مرحوم کے فرزند) ننگ تلامذہ راقم شروانی،

اس درس کی ایک سعادت یہ بھی تھی، کہ اکثر تلامذہ درس نظامی سے فارغ ہو کر گنج مرادآباد میں حضرت مولٰنا فضل رحمٰن مجددی قدس سرہ سے شرف بیعت حاصل کرتے، مثلاً سابقون اولون میں مولوی سید محمد علی صاحب کانپوری، مولوی عبد الغنی خانصاحب، مولوی عبد الحق صاحب حقانی، مولوی احمد حسن صاحب (مرید حضرت حاجی صاحب کے تھے، مگر پیر کی اجازت سے حاضر باش آستانۂ مبارک ہے) متوسطین میں مولوی سید ظہور الاسلام صاحب، مولوی نور محمد صاحب پنجابی، متاخرین میں مولوی سید عبد اللطیف صاحب، خاکسار راقم،

حضرت پیر مرشد کو بھی مفتی صاحب کے حال پر توجہ تھی، ایک بار کی حاضری میں مجھ سے فرمایا کہ مولوی لطف اللہ کو جانتے ہو، عرض کیا، جانتا ہوں، فرمایا خدمت کرتے ہو، عرض کی بزرگ خدمت کرتے ہیں، دیکھو اس استفسار کی برکت، مفتی صاحب کی آخری حیات میں خاکسار کو بھی خدمت کا شرف حاصل ہوتا رہا، والحمد للہ علیٰ ذلک،

صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ فہرست اپنی کوتاہ دامنی پر شرمسار ہے،

خاتمہ و حاصل کلام | ایک مدرس اعظم کا مرقع سامنے ہے، جس سے تم بہت سے سبق حاصل کر سکتے ہو،

فلسفۂ قرار

از

جناب ڈاکٹر نواب سر امین جنگ بہادر کے سی آئی ای سی ایس آئی، ایم اے ال ال ڈی حیدرآباد دکن

(۳)

۸- حادثات جسم و جان،

اسیطرح زمان و مکان کا اتحاد اوپر بتایا گیا ہے، اوسی طرح اہل تصوف جسم و جان کا اتحاد بتاتے ہین کہ جسم کا اندازہ یا اوسکی پیمایش جان سے ہوتی ہے، مثلاً اگر کسی جانور کو کوئی چوٹ لگے، تو اوس کے دردینی اوسکی جان کو صدمہ کسقدر پہنچا، اوس کا اندازہ جسم پر جو زخم ہوا اوس کے طول و عرض اور گہرائی سے کیا جاتا ہی کہ زخم جب اتنا ہے، تو درد کسقدر ہوگا،

پس زمان و مکان کے مانند جسم و جان بھی توام ہین، ایک دوسرے سے جدا نہین ہین اور نہین ہو سکتے، جہان جسم ہو، وہان جان ہے جہان جان ہو، وہان جسم ہو، بلکہ یون سمجھا جائے کہ ہر ظاہر یا شئی کے دو پہلو جیسے زمان و مکان ہین، ویسے ہی اوس کے دوسرے دو پہلو جسم و جان ہین حتیٰ کہ بعض ویدانتیون کا خیال ہے کہ مکان جسم کی نشانی ہے اور زمان جان کی، اونھون نے ایک طرف مکان و جسم کو مترادف سمجھ کر دوسرے طرف زمان و جان کو بھی مترادف سمجھا ہی،

۲- بجلی کیا چیز ہے معلوم نہین جو گرمی یا روشنی یا قوت کے طور پر ظاہر ہوتی ہی، ایسا ہی جان کیا چیز ہے معلوم نہین لیکن اوس کا ظہور تین چار بلکہ متعدد مدارج یا حالتون[۱] مین ہوتا ہے، جیو، جان، روح، نفس وغیرہ نوعاً ایک ہین اگرچہ درجہ یا حالت ہر ایک کی جداگانہ ہو، اور یہ فرض کر لینے کیلئے کوئی امر مانع نہین ہے جیو، جان، روح اور نفس مین باہمی فرق اسی قدر ہے، جسقدر کہ جثہ، جسم، جسد، بدن مین کیا جا سکتا ہے، مثلاً فرض کر لیا جا سکتا ہی، کہ درخت مین جیو ہے، کیڑے مین جان ہے، اور گھوڑے مین روح ہی، اور آدمی مین نفس ہے، (یہان معمولی الفاظ فرضی معنون مین استعمال کئے گئے ہین)

---

[۱] الفاظ "درجہ" و "حالت" دراصل مترادف ہین، انسان کے جسم کی ایک حالت بخار ہی، اوس کا درجہ (۱۰۱) کہا جاتا ہو، جبکہ تھرمامیٹر سے ناپا جاتا ہی، درجہ سے مراد "بیہودہ حالت" ہی،

کیڑے کے جسم و جان مین جو مغایرت یا مماثلت، غیریت یا یکتائی، پائی جاسکتی ہے، ویسی ہی گھوڑے کے جسد و روح مین اور آدمی کے بدن و نفس مین ہے، اس مفروضہ کے اکثر صوفی اس وجہ سے قائل ہین کہ (صوفیانہ تحقیقات مین جس کا بیان متعاقب ہوگا (جان کے اقسام نہین پائے جاتے، فقط مدارج یا مختلف حالات ہین لیکن جسم کے (مکان و زمان کے احساس کی وجہ سے) اقسام بھی ہین، اور مدارج بھی ہین، یہ مفروضہ اس تاویل کے واسطے ہو کہ قالب بلا روح کوئی شئی نہین ہوا کرتی نہین ہو سکتا اور علیٰ ہذا القیاس روح بلا قالب کوئی ظاہرہ نہین ہے، اشخاص جو کہتے ہین، کہ ہم نے زید کی روح دیکھی یا ہندہ کی روح سے بات کی، وہ (اگر سچ کہتے ہین تو) زید یا ہندہ کا نام لے کر اعتراف کرتے ہین، کہ اوس کی روح کسی نہ کسی قالب مین اون کو محسوس ہوئی،

۴- اکثر صوفیون کی رائے مین کوئی جسم بے جان نہین ہے نہ کوئی جان بے جسم ہے، ہر جسم جاندار ہی اور ہر جان جسم دار ہے، پتھر یا لوہا پودہ یا درخت پرندہ یا چوپایہ حیوان یا انسان جن یا ملک، سب کے سب ذی روح بھی ہین، اور ذی جسم بھی، جان یا روح سب مین ایک ہی قسم کی ہے، فقط حالت یا درجہ کا فرق ہے، جیسے گرمی ایک ہی قسم کی تمام اجسام مین ہی لیکن درجہ کا فرق رہتا ہی جس طرح گرمی کے درجہ کا اندازہ تھرمامیٹر سے ہوتا ہی، ویسا ہی جان یا روح کے درجہ کا اندازہ اوس کے متعلقہ جسم سے ہوتا ہے، جو ہم کو محسوس ہوتا ہے، پس جان جس درجہ کی پتھر مین پائی جاتی ہی، اوس سے بڑھ کر درخت مین ہے جس کا نام (محض امتیاز کے واسطے) ہم نے جیو رکھا ہی، اوس سے بڑھ کر درجہ کی جان پرندہ و حیوان مین ہے جسکو ہم نے روح سے موسوم کیا ہی، اوس سے بڑے درجہ کی جان جسکو ہم نفس کہتے ہین انسان مین ہی، یقیناً کہا نہین جاسکتا کہ جن و ملک کی روح یا نفس کا درجہ انسان کی روح یا نفس کے درجہ سے بڑھ کر ہے یا کم، کیونکہ اکثر انسانون کو اس کا احساس یا ادراک نہین ہے، کہ جن یا ملک کا کوئی جسم ہے یا کیا، جیسا ہم پتھر درخت پرندہ وغیرہ کے جسم کو دیکھ کر اوس کی جان کے درجہ کا اندازہ سرسری طور سے کر لیتے ہین، ویسا سرسری طور سے بھی اکثر بلکہ بہت سے انسانون کو جن یا ملائکہ کے جسم کو دیکھکر اندازہ کرنے کا موقع نہین ملتا ہی، مگر اس کے یہ معنی نہین ہو سکتے کہ (الف) جن و ملک موجود نہین، یا (ب) اگر موجود بھی ہین، تو وہ روح خالص ہین جسم نہین رکھتے ہین یا (ج) اگر اون کا کوئی جسم ہے

تو انسان کو نظر نہین آتا، اکثر صوفیون کا ادعا یہ ہے، کہ جن و ملک موجود ہین، انسان کے احساسات وادراکات کے باہر ہین ہین، معدودے چند انسانون کو وہ نظر آتے ہین، اور اون سے وہ راہ ورسم بھی رکھتے ہین،

۴- جن و ملک[5] کا اکثر انسانون کو نظر نہ آنا، اون کی عدم موجودگی کی یا اون کا کوئی جسم یا قالب نہ ہونیکی کوئی دلیل نہین ہے، ڈینوسارس ایک عجیب و غریب شکل کا مہیب جانور ہزار ہا من وزن دار پانی مین رہنے والا زمین پر انڈے دینے والا اب کہین بھی نہین پایا جاتا ہی، لیکن اس وجہ سے یہ نہین کہا جا سکتا کہ وہ لاکھون سال قبل روئے زمین پر کہین بھی نہین تھا، کیونکہ اوس کا کالبد اور اوس کے انڈے آثار قدیمہ ڈھونڈنے والون کو ملے ہین جن سے بلا شبہہ ظاہر ہوتا ہی کہ ڈینوسارس کی بود و باش ہماری اسی زمین پر قدیم القدیم زمانہ مین تھی، ایسا ہی جن و ملک کو ڈھونڈنے والے انسان جو اس زمانہ مین بھی ہین (اگرچہ نسبتہً تعداد بہت کم ہین) اونکو جن و ملک کے کچھ ایسے آثار ملے ہین اور ملسکتے ہین جن سے ظاہر ہوتا ہی کہ جن و ملک موجود ہین اور ایسے قالب رکھتے ہین جسے پایا جاتا ہی کہ اونکی روح کا درجہ انسان کی روح یا نفس کے درجہ سے اعلیٰ وارفع ہے، کثیر التعداد انسان ہین جنکو کسی جن یا کسی ملک کے جسم و جان کا کوئی احساس وادراک[6] ہی نہین ہو سکتا، اس کے یہ معنی نہین ہو سکتے کہ جن و ملک اس وقت موجود نہین اور نہ کسی وقت موجود تھے، بلکہ یہ معنی ہین کہ بہت سے انسانون کے حواس کا ارتقا اس قدر کامل نہین ہوا ہے ورنہ ان مین ایک خاص ادراک ایسا پیدا ہوا ہے، جس سے وہ اُن ہستیون کی موجودگی سے ویسے ہی واقف اور باخبر ہو سکتے ہین، جیسے وہ حواس خمسہ اور دیگر حواس سے ذرہ سے لیکر انسان تک کی ہستیون کے وجود سے واقف اور باخبر ہوتے ہین،

۵- چند ماہ قبل حیدر آباد مین ایک نمائش ہوئی تھی، جہان مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ اور دوسرے امرا و عمائدین کے سامنے ایک شخص معمر سنی سال نے اپنی آنکھون کو آٹے کی ٹکیون سے بند کرکے اون پر سیاہ پٹی مضبوط بندھوا کر اپنے سامنے کے ایک سیاہ تختہ پر چاک (CHALK) سے لکھی ہوئی عبارت کو اس طرح صحیح طور سے پڑھا

---

[5] یہان "شیطان" کا نام تک نہین لیا گیا، کیونکہ وہ بد باطن جانور بھی ہو سکتا ہے انسان بھی اور جن بھی، تمام مخلوق مین شیطان رجیم ہے۔

[6] "حس" و "ادراک" مین فرق یہ ہے کہ حس کوئی چیز کا ہوتا ہے، اور ادراک ہر چیز کے ایک جزو (یا پہلو) سے دوسرے جزو (یا پہلو) مین فرق پانے کا ہوتا ہے،

گویا اپنی کھلی آنکھون سے دیکھ کر پڑھتا تھا، اگر کسی زبان مین جسکو وہ نہین جانتا تھا کوئی عبارت لکھی جاتی تو اُسکو اگرچہ وہ پڑھ نہین سکتا تھا لیکن اوس عبارت کے نیچے بالکل ویسی ہی عبارت اپنے ہاتھ مین چاک لیکر لکھ دیتا تھا، گویا آنکھ سے دیکھ کر اوس نے عبارت نقل کی، چنانچہ اس نے چینی زبان مین لکھی ہوئی عبارت آنکھین بند رہتے پر بھی صحیح طور سے نیچے لکھ دی، اس کے کیا معنی؟ یہی کہ اوس کے دوسرے حواس یا اون مین سے کوئی دو ایک حواس اوسکو آنکھون کی بصارت کا کام دیتے تھے، غالبًا اوس کے کان تختہ پر لکھنے کی آواز کے ایسے مانوس ہوگئے تھے، کہ وہ آنکھون سے دیکھ کر پڑھنے کے عوض فقط کان سے سنکر پڑھتا تھا، اکثر گونگے بہرے اشخاص اپنی آنکھون سے دوسرون کی باتین ایسی سمجھ لیتے ہین گویا اونھون نے خود اپنے کانون سے سنکر سمجھا، بہت سے نابینا اشخاص کپڑون کو چھو کر اونکا رنگ صحیح طور سے بتا دیتے ہین امریکہ والی گونگی وبہری لڑکی مس ہلین کیلر جو بچپن مین اندھی بھی ہوگئی، اوسکو ٹیلیفون کے موجد پروفیسر بل نے ایسی تعلیم دی، کہ اب وہ چند قابل قدر کتب کی مصنفہ ہے اور اوسکو گلاسگو یونیورسٹی نے اعزازی ڈگری دی ہے، یہ عورت اپنے دوستون کے منہ کے نزدیک اپنے ہاتھ لیجا کر یا اون کے حلق پر ہاتھ رکھکر اون کی باتین سمجھ لیتی ہے، حالانکہ وہ اون کو نہ دیکھ سکتی ہے، نہ اون کی باتین سُن سکتی ہے لیکن جرمن فرنچ و انگریزی مین بات کرنا سیکھ گئی ہے، سب کچھ لکھ دیتی ہے، دہلی مین ایک معزز و معمر حکیم ہین جن کی بصارت ایام طفلی مین ہی ضائع ہوگئی، اونھون نے نابینائی کی حالت مین علوم متداولہ کی تحصیل کی (حافظ و محدث ہین) اور طبابت ایسی سیکھی کہ ان دنون ہند مین اون کے جیسے طبیب بہت کم ہین وہ اپنے مریضون کے نام اون کی نبض پر ہاتھ رکھکر بتا دے سکتے ہین، اور محض نبض سے ایسی تشخیص کرتے ہین کہ صد بینا دران حیران بمانند،

ان تمام تجربون سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ یہی کہ ایک حاسہ کا کام دوسرے حاسہ دینا، یا ایک سے زیادہ حاسون کا کام دوسرے حواس سے لینا ممکن ہے، مثلًا بینائی کا کام شنوائی کرتی ہے، اور شنوائی کا کام بینائی، ہمارے حواس مین دو ایک یا دو ایسی ترقی کر سکتے ہین، کہ دوسرے حواس کا کام خود وہ کر سکتے ہین، ارتقا کے نظریہ کے ثبوتون مین ایک ثبوت یہ بھی ہے، کہ ہمارے چار حواس ذائقہ، شامہ، سامعہ و باصرہ فقط ایک حاسۂ لامسہ سے ارتقا پائے ہین یعنی چکھنا، سونگھنا، سننا، اور نیز دیکھنا یہی ہے، کہ چند خاص اشیاء سے جسم کا ایک خاص حصہ (عضو) چھوے جاتا ہے اور کچھ نہین ذائقہ مین تو کھانے کی چیز

ہماری جیب کو چھوتی ہے، سونگھنے کے لئے اشیاء کی عطریت ناک کے اندر کی جھلی کو چھوتی ہے، سننے کے لئے ہمارے کان کے اندر کی ایک دف پر ہوا کی چوٹ لگتی ہے، دیکھنے کے لئے روشنی کی شعاعین آنکھ کے اندر کی ایک لطیف جھلی کو چھوتی ہین اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ چھوتے کا اثر مختلف اشیاء سے جسم کے خاص اعضاء پر جدا گانہ ہوتا ہے، جسکے باعث سماعت وبصارت کے سوا اور کوئی حاسہ بھی انسان مین پیدا ہوسکتا ہے جس سے انسان کو اور بھی ایسی ہستیون کا احساس ہوسکتا ہے، جیسے کہ جن وملک ہین،

۶- دیکھنے سننے سونگھنے چکھنے چھونے کے سوا (تولنے) یعنی کس چیز کا کیا وزن ہے، کونسی چیز نرم ہے کونسی سخت اوسکو انسان کے جسم کے وہ عصبہ پا لیتے ہین جو عام طور سے گوشت کہے جاتے ہین، یہ حواس خمسہ کے سوا ایک چھٹا حاسہ ہے، جو عصبی حاسہ کہلاتا ہے، اس کے علاوہ آنکھین جو دیکھنے کی عضو ہین، نہ صرف روشنی ورنگ کی تمیز کرتی ہین، بلکہ شکل و حرکت کا امتیاز بھی کان نہ صرف آواز سننے کا آلہ ہے، بلکہ آواز کس طرف سے آتی ہے، اوسکی شناخت کا بھی ذریعہ ہے، ہماری جلد، چمڑے مین نہ صرف چھونے کا حاسہ ہے بلکہ گرمی سردی پانے کی بھی سکت ہے، راقم کو ایک انگریز دوست کے ساتھ جنگلون مین دو ایک ماہ دورہ کرنے کا اتفاق ہوا تھا، اس سے جب پوچھا گیا، کہ اب "وقت کیا ہے" فوراً ہوا سونگھ کر صحیح وقت گھنٹے، و منٹ کہدیتا تھا، گویا گھڑی دیکھ کر کہتا ہے، شاذونادر ایک دو منٹ کی غلطی ہوجاتی تھی، شب مین جب گہری نیند مین رہتے وقت بھی اوس کو بیدار کرکے وقت دریافت کیا جائے تو بچھونے پر پڑے پڑے آنکھین بند کئے ہوئے بغیر فقط ہوا زور سے ناک مین کھینچ کر صحیح وقت (کبھی کبھی دو ایک منٹ کے فرق سے) بتا دیتا تھا، جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اوس مین وقت پہچاننے کی غیر معمولی طاقت پیدا ہوگئی تھی، غرض ایسی بہت سی باتین بیان کیجا سکتی ہین، جو بخوف طوالت یہان ترک کیجاتی ہین، لیکن جس قدر کہ بیان ہوئی ہین، اون سے کیا یہ قیاس صحیح نہ ہوگا، کہ انسان مین ایسے حواس ہین، یا اوسکے موجودہ حواس ایسی ترقی کرسکتے ہین، یا اوس مین ایسے جدید حواس پیدا ہوسکتے ہین، کہ وہ جن وملک کے جسم وجان کو (جن کو بعض اصحاب محض روح یا ارواح کہتے ہین،) دیکھ سکتے ہین، سن سکتے ہین، سونگھ سکتے ہین، بلکہ چھو بھی سکتے ہین،؟

۷- ہم نے حادثات یا حوادث جسم وجان کی بحث کے ضمن مین حواس مرتقی (ارتقا پائے ہوئے حواس) اور

حواسِ جدید کا تذکرہ سرسری طور سے اس لئے کر دیا تاکہ چلتے چلتے اشارۃً بتا دیا جائے، کہ اہلِ تصوف کی اصطلاح مین الہام القا، کشف وغیرہ کے دراصل کیا معنی ہو سکتے ہین، ؟ کیا ہم یہ نہین کہہ سکتے کہ انسان بریاضت جسمانی و روحانی جد و جہد سے اپنے مین ایسے حواس پیدا کر سکتا ہی، یا اپنے حواس کو ایسی ترقی دے سکتا ہے کہ جن سے وہ اون حوادثِ جسم و جان کو جو "جن" "ملک" کہے جاتے ہین، دیکھ سکے، اور اون سے باتین کر سکے، مغربی صوفیا جنکو ناسٹکس Gnostics کہتے ہین، وہ دعویٰ کرتے ہین کہ جن و ملک کے سوا دوسری ہستیان بھی کسی نہ کسی طور پر اون کے فہم و ادراک مین آسکتی ہین،

۹۔ تناسبہ،

۱۔ حکمائے سلف کے چار پانچ عناصر کے عوض اہلِ سائنس کے پاس بیانوے[۹۲] عناصر محقق ہوئے ہین، حال تک خیال تھا، کہ اون کی تعداد زیادہ ہے یا ہو سکتی ہے مگر اس سال انگلستان مین ایک تنہد کے متعلم نے ثابت کر دیا، کہ عناصر کی تعداد بیانوے سے زیادہ ہونا ممکن نہین، اون کے (خواص) کے باہمی (تعلق) کا ایک حیرت خیز ضابطہ (Periodic Laws) مرتب ہوا ہے جسمین ہر ایک عنصر کا نمبر یا شمارہ ہی اوس کے خواص کا اور دیگر عناصر سے تعلق کا پتہ دیتا ہے، ہر عنصر کے ایسے چھوٹے ٹکڑے کو جس سے چھوٹا ٹکڑا ہونا ممکن نہین، جزو لایتجزی کو آٹم[ل] کہتے ہین، اندنون اس آٹم کی تشریح خاص خاص آلات و ترکیبون سے جو ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ ہر آٹم بجائے خود ایک نظام ہے، جیسا کہ نظام شمسی Solar System ہے، یعنی جس طرح سورج کے اطراف اوس کے سیارے مشتری زہرہ زحل وغیرہ چکر لگاتے پھرتے ہین، اوسی طرح ہر آٹم مین ایک (اکہرا دوہرا یا تہرا) پروٹن ہے جو بجائے خود ایک آفتاب ہی، اوس کے اطراف سیارون کے مانند الیکٹرون چکر لگاتے پھرتے ہین پروٹن مثبتہ الیکٹریسٹی بجلی کا جوہر ہے، اور الیکٹرون منفیہ الیکٹریسٹی بجلی کے جوہر ہین، ہر آٹم مین پروٹن اکہرا دوہرا تہرا رہتا ہے لیکن اوس کے اطراف پھرنے والے الیکٹرون ایک سے زیادہ ہو سکتے ہین، اون کے پھرنے کے مدار بھی مختلف ہوتے ہین، چنانچہ ہر آٹم کی قیاسی شکل ایسی ہوتی ہی:-

---

ل عبارت کو سلیس بنانے کے واسطے یہان انگریزی الفاظ الیکٹریسٹی آٹم، پروٹن ترجمہ کئے بغیر یون ہی یکسان واحد و جمع استعمال کیے جاتے ہین،

۱- پروٹن
۲- الیکٹرن (اندر کے)
۳- الیکٹرن (باہر کے)
الیکٹرن
۴- فضار
فضاء
پروٹن
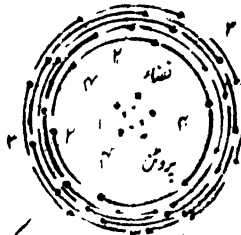
الیکٹرونون کی تعداد اور اون کے مدارون کا فرق ہی ہے، جس سے ایک عنصر کے آٹم مین اور دوسرے عنصر کے آٹم مین امتیاز اور فرق ہو سکتا ہے، مثلاً سونا چاندی دونون عنصر ہین، اون کے جزو لایتجزی آٹم کے پروٹن مین کوئی فرق (منفیہ الیکٹریسٹی کے اعتبار سے) نہین ہے، شاید بڑا چھوٹا پروٹن ہو تو ہو البتہ سونے کے آٹم مین الیکٹرن کی تعداد چاندی کے آٹم کی تعداد سے زیادہ ہے، اسی لئے سونا الگ چاندی الگ ہے، آجکل یہ خیال بھی سائنس دانون کا ہے (جیسا کہ سابق کیمیاگرونکا تھا) اگر کسی نہ کسی طور سے چاندی کے آٹم مین الیکٹرن کی تعداد بڑھا کر سونے کے آٹم کی تعداد کے موافق کر دیجا سکتی ہے، تو چاندی سونا بن جا سکتی ہے، مگر ابتک ایسا نہ ہو سکا[۱]

۲- سائنس کی ترقی کے لئے دنیا کے بڑے بڑے مستند علما و فضلا کی ایک انجمن موسوم بہ برٹش اسوسی ایشن سنوات سال سے قائم ہے، جسکے سالانہ اجلاسون مین سائنس کے ایسے اصول کا اعلان ہوتا رہا ہے، جو بعد مین بہت سے ایجادات واختراعات کے باعث ہوئے ہین، سال گذشتہ اوس کے ایک جلسہ مین یہ بحث تھی کہ آیا ہماری دنیا کبھی نیست و نابود ہونیوالی ہے یا کیا ایک مشہور منجم نے ہندسی طور سے ثابت کیا کہ ہماری دنیا (نظام شمسی وغیرہ) ہنوز وسیع ہو رہی ہے، چنانچہ ہر لمحہ اور ہر سکنڈ مین اوس کی توسیع (۲۲۸) میل ہو رہی ہے، یعنی ہر روز دو کروڑ تر اسی لاکھ میل ہماری دنیا بڑھتی ہے، چوڑی ہوتی جاتی ہے، دوسرون نے بیان کیا کہ اگرچہ ہماری دنیا نیست و نابود ہونے والی ہے، مگر کب ہو گی اوس کے سالون کے شمار کے لئے ایک لکھ کر اوس کے سیدھے طرف اتنے صفر لگانا ہوگا جو دائرۃ المعارف برطانیہ (Encyclopaedia Britannica) کی (۲۲) ضخیم جلدون کے تمام صفحات بھر دین گے یعنی دنیا نابود ہونے کے لئے کروڑہا کروڑ ارب در ارب سال گذرنا ہوگا، ایک تیسرے گروہ نے اس کا اعلان کیا کہ اگرچہ تمام اجسام واجرام چھوٹے بڑے سب کے سب نیست و نابود

[۱] نظام کالج کے سابق پروفیسر طبعیات ڈاکٹر گھورناتھ جواڈنبرا کے D. S. C. تھے، اونھون نے راقم کو ایک دھات بتا کر کہا تھا کہ وہ سونا ہے جسکو اونھون نے چاندی سے بنایا،

ہو سکتے ہین لیکن ہر جسم و ہر جرم کے درمیان جو فضا رہے ، اوس مین خلو نہین ہے ، بلکہ وہ جان سے بھری ہوئی ہے ، اور یہ جان نابود نہین ہو سکتی ، لہذا ان دونون سائنس کا رجحان اس طرف ہے ، کہ کہین خلو نہین اور جہان خلو سمجھا جاتا ہے ، وہ حصہ جان سے بھرا ہوا ہے اور جان کی معدومیت خارج از قیاس ہے ، اسی لحاظ سے یعنی ویدانتیون کا قول ہے ، کہ جو کچھ ہے وہ جان ہی جنکو ہم اجسام واجرام کہتے ہین ؛ وہ سب جان کی شکلین ہین ، جو اکثر اوقات بدلتی رہتی ہین ، ایسا ہی بعض صوفیون کا اعتقاد ہے ، کہ جان لاموت ہے ، چنانچہ روزمرہ گفتگو مین "فلان مرگیا" کہنے کے عوض "فلان کا انتقال ہوا" جو کہا جاتا ہے ، یہ علامت اوس اعتقاد کی پائی جاتی ہے کہ جان مرتی نہین ، بلکہ اوسکی ایک حالت سے دوسری حالت مین منتقلی ہوتی ہے ، برٹش اسوسی ایشن کے اوراایک اجلاس مین اس قیاس کا اعلان ہوا کہ ہر آٹم کے پروٹن اور اون کے اطراف پھرنے والے الیکٹرن کے مابین جو فضا ہے ، وہ ایک گونہ جان سے بھری ہوئی ہے ، یا فضا مین ایک قسم کی کشش جو ہے ، وہ روح سمجھی جاسکتی ہے ،

۳ - ویدانتی عناصر اربعہ کے علاوہ ایک پانچوان عنصر آکاس گنتے ہین ، جو ایتھر جس کا بیان اوپر گذرا ہے اوس کے مشابہ ہے ، وہ اور صوفی جو فقط چار عنصر کے قائل ہین دونون ان عناصر کے ذرون کو اجزا ، لایتجزی تصور کرکے جو نظریہ جسم و جان کے تناسب کا قائم کرتے ہین ، وہ قریب قریب ایسا ہی ہے ، جیسا کہ آٹم کے پروٹم اور الیکٹرن کا تناسب فقرۂ بالا سے ظاہر ہوتا ہے ، اس بارہ مین اہل تصوف اور اہل سائنس کے قیاسات کا مقابلہ یون کیا جاسکتا ہے ؛-

(الف) اہل سائنس کی تشریح آٹم	(ب) اہل تصوف کی تشریح ذرہ
(۱) عناصر کی تعداد = ۹۲	(۱) عناصر کی تعداد = ۴ یا ۵
(۲) عنصر کا جزو لایتجزی = آٹم	(۲) عنصر کا جزو لایتجزی = ذرہ یا رتی
(۳) تشریح آٹم :-	(۳) تشریح ذرہ یا رتی :-
یک جوہر = پروٹن مثبتہ الیکٹریسٹی } دیگر جوہر = الیکٹرن منفیہ الیکٹریسٹی } توام بوجہ کشش باہمی	یک جوہر = جسم } دیگر جوہر = جان } توام بوجہ نسبت یا تعلق باہمی ،
(۴) فضا مابین پروٹن و الیکٹرن = باعث	(۴) فضا مابین جسم و جان ، = باعث

کشش باہمی	نسبت یا تعلق باہمی
وہ کیا ہے؟ روح	وہ کیا ہے؟ حقیقت[۱]
(۵) مختلف ایٹم کیون ہین؟	(۵) مختلف ذرات کیون ہین؟
الکٹرن کی تعداد کی کمی یا زیادتی سے،	نسبت جسکو ذات کہہ سکتے ہین اوس کے اثر کی کمی یا زیادتی سے،

(۴) (الف) اہل سائنس کے قیاسات اور (ب) اہل تصوف کے قیاسات کا تقابل محض سرسری طور پر کرنے سے پایا جاتا ہے کہ دونون مین فی الحقیقت چندان فرق نہین ہے البتہ اصطلاحات والفاظ کا فرق ہے اور طرز یا طریقۂ ثبوت مین بھی بہت فرق ہے، اسکی بحث طول وطویل ہو سکتی ہے، اوس کو ترک کرکے ہم فقط صوفیون کے نظریۂ تناسبہ کا ذکر کرتے ہین جس کا پتہ تقابل مندرجۂ ذیل سے ملتا ہے:- وہو ہذا:-

(الف) ذرہ سے پہاڑ سورج سے تارون تک سب مین جسم وجان توام ہین، ان دونون مین سے ہر ایک کا کام جو اصطلاحاً وظیفہ[۲] کہا جاتا ہے، جداگانہ ہے، جان کا وظیفہ (Function) یا کام جسم کی حفاظت ہے، اوسکو بھلا چنگا رکھنا اوسکو خطرون سے بچانا، جسم کا وظیفہ یا کام، جان کا آلہ بنے رہنا، چنانچہ جسم کے افعال سے ہمکو نہ صرف جان کی موجودگی کا احساس[۳] وادراک وعلم ہوتا ہے، بلکہ اون سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ جان اپنے جسم سے جلب منفعت ودفع مضرت کے افعال کراتی ہے،

[۱] عالمگیر کے زمانہ مین رائچور کے پاس قریہ گوگی مین ایک صوفی سید محمود بحری رہتے تھے، اوہنون نے اپنی مثنوی (من لگن) مین ذات یعنی اللہ کی تعریف یون کی ہے:-

اے روپ ترا ارتی رتی ہے، ‏ پربت پربت پتی پتی ہے،
(پہاڑ)
پربت مین اوگ نہ کم پتی مین ‏ یکسار ہے راس اور رتی مین،
(زیادہ) (یکسان) (بہت) (کم)

[۲] دیکھو تعلیق فصل سوم فقرہ (۵) [۳] احساس وادراک وعلم مین فرق نفسیات کی بات ہے جسکی توضیح کی یہان ضرورت نہین،

(ب) ہر چیز مرکب ہی عناصر سے اور ہر عنصر کا جز ولایتجزی جسکو صوفی ذرہ ویدانتی دَرتی اور سائنس آٹم کہتا ہے اسمین بھی دو توام جوہر ہین جنکو صوفی جوہر جسم اور جوہر جان کہتے رہے لیکن ان کو سائنس پروٹن اور الکٹرن کہتا ہے ان دونون جوہرون مین باہمی تعلق (باہمی مناسبت) خواہ وہ مقدار کی ہو خواہ وہ انجذاب یا کشش کی خواہ اور کسی قسم کی ہو اوسکا نام صوفیون نے حقیقت رکھا ہے اور سائنس اوسکو مظہر روح کہنے پر آمادہ پایا جاتا ہے،

ذرہ = جسم ⟵ تعلق یا نسبت باہمی / حقیقت ⟶ جان

آٹم = پروٹن ⟵ تجاذب یا کشش ثقل / روح؟ ⟶ الکٹرن
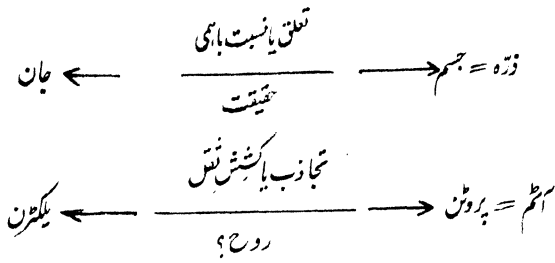
(ج) حقیقت کیا ہے؟ یعنی جسم وجان کے مابین کیا کوئی فضاء ہے اگر ہے تو کیا ہے؟ اس بارہ مین اور حقیقت کی تعبیر واطلاق مین اہل تصوف مین بہت کچھ اختلافات ہین، مثلاً ہو الکل کہنے والے صوفی حقیقت کو ذات کہتے ہین، اور ہمہ از اوست کہنے والے صوفی اوس کو مظہر ذات کہتے ہین، ان کے بڑے مباحث ہین جن کا سرسری ذکر بھی یہان صحیح طور سے نہین ہوسکتا کیونکہ یہ الہام القاء یا کشف کے محسوسات اور ادراکات سمجھے جاتے ہین جنکی تعبیر واطلاق مین اختلاف ہی،

۴۔ جس طرح آئین اسٹین نے اپنے نظریۂ تناسب سے بہت سے نتائج جسم وزن تجاذب وغیرہ کی نسبت طبعیات سے متعلق اخذ کئے ہین ویسے ہی بہت سے نتائج صوفیون نے اخلاق والٓہیات سے متعلق اخذ کئے ہین، مثلاً اچھا برا کیا ہو؟ نیکی بدی کسکو کہتے ہین؟ تدبیر وتقدیر کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ، ان کا سرسری تذکرہ بھی اس رسالہ کو ایک ضخیم کتاب بنادیگا، یہان صرف مثال پر اکتفا کیجاتی ہے،

۵۔ بعض ویدانتی وصوفی اپنے کو تعبیر رویا یعنی خواب کی تعبیر کے ماہر سمجھتے ہین، اپنے مریدین ومعتقدین کے خواب کی کیفیت وغیرہ سن کر ان کی نسبت پیشین گوئی کرتے ہین، مگر ادہر نون یورپ مین علی الخصوص جرمنی مین چند علماء وفضلا نے خواب کی تعبیر سے نفس کی باطنی حالت کی تشخیص کرکے نفس کی بیماریان ہسٹریا، مالیخولیا، خبط، جنون وغیرہ کا علاج کرتے ہین،

اونھون نے سائنس کے موافق اور صوفیون نے قرآن شریف کے موافق نفس کے جو طبقات Strata قرار دیئے ہین اونکا مقابلہ حسب ذیل ہوسکتا ہے:۔

"ایغو" سے مراد نفس انسانی یعنے وہ جو اپنے کو "مین" کے نام سے موسوم کرلیتا ہے،

سائنس حسب خیال ڈاکٹر فرائیڈ وغیرہ		طبقات النفس	حسب عقیدۂ صوفیہ
۱۔ ایکون ایغو	ایغو کے جزو عند الموقع ہوجانیوالے عزیزات مثلاً بھوک پیاس شہوۃ خوف غصہ وغیرہ۔		نفس ملہمہ:۔ جو کشف و کرامات کا باعث ہوتا ہے" (قرآن ۹۱:۸)
۲۔ مافوق ایغو Censor	برے کامون سے روکنے والا، لعنت ملامت کرنے والا،		نفس لوامہ۔ (قرآن ۷۵:۲) جو لعنت و ملامت کرنے والا ہے
۳۔ ایغو Ego یعنی وہ جو اپنے کو "مین" کہتا اور سمجھتا ہے	(۱) وقوف Focal Consciousness (۲) ماحول وقوف Marginal Consciousness (۳) ماتحت وقوف (حافظہ وغیرہ) Recoverable Consciousness		نفس مطمئنہ۔ جو اپنے سے خوش و راضی رہتا ہے (قرآن ۸۹:۲۷)
۴۔ ماکان ایغو	لاوقوف۔ The Unconscious خواہشات ناجائز یعنی وہ جو کسی وقت ایغو کے جزو بنے تھے۔ مگر دبا دئے گئے،		نفس امارہ۔ (قرآن ۱۲:۵۳) جو برے کامون کی طرف رغبت دلاتا ہے

لفظ "طبقات" استعارہ ہے اس سے مراد اسی قدر ہے کہ جیسا زمین کے طبقات (مثلاً پتھریلی زمین، ریتیلی زمین، مورم وغیرہ) ہین، ویسے جداگانہ حصص انسان کے نفس کے بھی ہونا فرض کرلئے جاتے ہین اسی طرح سے جیسے زید کی جوانمردی بیان کرنیکیلئے کہا جاتا ہے

کہ زید شیر ہے، حالانکہ زید شیر سا جانور نہین ہے، فقط شجاعت شیر کی جیسی رکھتا ہے، ایسا ہی اگرچہ نفس کے طبقے واقعی نہین ہین، فقط اوسکی حالت کذائی کے بیان کے واسطے اوسکے حصص یا طبقے ہونا قیاس کرلیا جاتا ہے،

نقشۂ بالا کی مزید توضیح وتاویل کی یہان گنجایش نہین، اس سے ظاہر ہوگا کہ صوفیون کی باتون مین اور آج کل کے سائنس کی باتون مین کس قدر معنًا موافقت ہے اگرچہ الفاظ مین فرق ہے ؎

سرِ خدا کہ عارفِ کامل بہ کس نہ گفت در حیرتم کہ بادہ فروش (صاحب سائنس) از کجا شنید (حافظ)

طبقات النفس کا سرسری ذکر اس لئے کیا گیا تاکہ ڈاکٹر فرائیڈ اور اون کے شاگردون کے فقط ایک نظریہ کی صراحت کی جائے،

۶۔ ہر نفس کے (مجازاً) مختلف طبقات ہین، جو اوس نفس والے آدمی کے کردار سے، اوسکے جسم کے حرکات و سکنات سے پائے جاتے ہین، مذکور الصدر چار طبقات مین ایک اسفل طبقہ ہی (جس کا نام صوفیون کے پاس نفس امارہ ہے) اور جو نقشہ کے داہنے طرف (ماکان الیغو) سے موسوم ہے، یہ طبقہ اون خواہشات کا ہے، جن کا حصول ناممکن پائے جانے سے طبقۂ اعلیٰ، ما فوق الیغو یعنی نفس لوامہ نے اون کو ایسا دبا دیا (اور وہ اس طرح دب گئے ہین) کہ وہ دوسرے طبقات نفس کے بہت نیچے چلے گئے، اس دباؤ کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیداری کے وقت اون کی یاد مطلق نہین آتی، مگر خواب مین وہ اپنے آپ کو کسی نہ کسی شکل مین ظاہر کرتے ہین، مثلاً ایک نوجوان کہین راستہ چلتے چلتے ایک خوبصورت بازاری عورت کو دیکھتا ہے، تو اوس کے دل مین یعنی نفس مین جو خواہشین اوس عورت کی نسبت فطرةً پیدا ہوتی ہین، اونکا حصول مختلف و متعدد ممانعات و دشواریون کی وجہ سے مثلاً بدنمائی یا بدنامی کے لحاظ سے (غیر ممکن پاتا ہے، لہذا وہ اون خواہشات کو دبا دیتا ہے یعنی بالکل بھول جاتا ہے، لیکن وہ خواہشات اوس کے نفس سے بالکل محو نہین ہوتے، بلکہ نفس کے ایک طبقہ مین (جس کا نام لاوتوفی ہے، اس مین) دبے رہ کر کبھی نہ کبھی وہ خواب مین کامیاب یا پورے ہوتے ہین جسکو عام طور پر احتلام کہتے ہین، غرض فی زماننا یورپ مین علما کا ایک گروہ ہے، جن کے صدر ڈاکٹر فرائیڈ (DR. FREUD) ہین، جنھون نے تعبیر رؤیا کے بارہ مین اپنے ذاتی تجربون کی بنا پر ایک مستند کتاب لکھی ہے، جو یورپ کی علمی دنیا مین دلچسپ اور قابل لحاظ سمجھی جاتی ہے، اور اون کے

شاگردون مین سر برآوردہ ڈاکٹر یونگ : DR. JUNG ہین جنھون نے اپنے تصانیف مین اپنے تجربون کی بنا پر اوستاد کی چند باتون مین اضافہ کیا ہے، چنانچہ اونھون نے انسانون کی اون خواہشات کو (ANIMA) حیوانی تصور کیا ہے، جیسے کہ اوس نوجوان کے خواہشات تھے، جو اوس بازاری عورت کو دیکھنے سے پیدا ہوئے، اور اون لحاظات کو (PERSONA) انسانی سمجھا ہے، جیسے اوس نوجوان کے لحاظات (تشلّا بد نامی وغیرہ) نے اوسکی خواہشات کو دبا دیا، یا بھلا دیا (یعنی اوس کے نفس کے طبقۂ وقوفی سے طبقۂ لاوقوفی مین پہنچا دیا) لیکن بعد مین سوتے وقت لحاظاتِ نفسی کا دباؤ کم ہونے سے خواہشاتِ حیوانی اوس نوجوان کے خواب اور احتلام کے باعث ہوئے جسے ڈاکٹر یونگ نے نیک چلن کا معیار لحاظاتِ انسانی کا غلبہ، اور بدچلن کا معیار خواہشاتِ حیوانی کا غلبہ یون قرار دیا ہے کہ

"جبتک اور جہان تک لحاظاتِ انسانی خواہشاتِ حیوانی پر غالب رہتے ہین یعنی اون کو دبا رکھتے ہین، یا بھلا رکھتے ہین، انسان کے کردار نیک رہتے ہین، اور جب کبھی خواہشاتِ حیوانی لحاظاتِ انسانی پر غالب آجاتے ہین، تو افعال بد اور ستیدر یج چال بھی بد ہو جاتی ہے"

یہی بات اہل تصوّف نے صدہا سال قبل تناسبۂ جسم وجان کے نظریہ سے بطور نتیجہ اخذ کی تھی، اونھون نے خواہشات حیوانی کو فسق وفجور کا باعث سمجھا، اور لحاظاتِ انسانی کو زہد وتقوی کا موجب تصور کیا، اور آیۂ کریمہ (سورۂ والشمس ۹:۸) جو اس رسالہ کا زیب عنوان ہے، اور جس کا مضمون اس رسالہ کا لب لباب ہے، اوس کو اوس نتیجہ کی دلیل قرار دی، فجور کی طرف رغبت دلانے والے خواہشاتِ حیوانی کا نام قوای بہیمیہ رکھا، اور تقوی کی طرف مائل کرانے والے لحاظات انسانی کا نام قوای ملکوتی رکھا، اور ڈاکٹر یونگ کے کلیہ کو سالہا سال قبل اس طرح بیان کر دیا،

آدمی زادہ طرفہ معجون ست | از فرشتہ سرشتہ وز حیوان،
گر کند میل این، شود کم ازین | ور کند قصد آن، شود بہ ازان،

۱۰ - خاتمہ

۱- خواب کی مختصر تشریح جو اوپر گیارھوین فصل بالا ۲ کی دفعہ (۹) کے بیان سے متعلق ہے، اگر رویا سے مراد یہی ہو کہ بیداری مین جو خواہشین

سہ جان سے جسم

فراموش ہوجاتی ہین، وہ بعد مین سوتے وقت کسی نہ کسی پیرایہ مین پوری ہوتی ہین جن سے انسان کو ایک قسم کی آفت یا راحت محسوس ہوتی ہے تو اوسی قبیل کی مگر اوس سے زیادہ آفت و راحت تصوف کی اس امنگ مین محسوس ہوتی ہے جسکی صراحت ابتدا ہی مین کردیگئی، چنانچہ تصوف کی امنگ مین نیند کی سی ایک بیہوشی طاری ہوتی ہے، اسمین صوفی کی وہ خواہشین کسی نہ کسی پیرایہ مین پوری ہوتی ہین، جو اوس کے دل مین "مین کیا ہون کون ہون" وغیرہ سوالون کے اطمینان بخش جوابون سے پیدا ہوچکی تھین، اور جنکا پورا ہونا ظاہری ہوش و حواس کی حالت مین ممکن نہ تھا،

رازنہان کسی پہ عیان ہو نہین سکتا ہوجائے عیان بھی تو بیان ہو نہین سکتا (؟)

۵ فصل ۹ کی دفعہ (۳) مین بیان کیا گیا ہے، کہ تمام فلسفہ کا دار و مدار تین سوالون کے جوابون پر ہے، جو نفس اوس کے ماحول اور اوسکے ماورا سے متعلق ہین، گویا یہ مصادر ہین جن سے دیگر مسائل مشتق ہین، غرض ان اصولی سوالات کا ایک ہی جواب ھُوَ صوفیون کے پاس ہے، مگر اوسکی توضیح و تفہیم کے لئے اہلِ تصوف کو بھی میدانِ فلسفہ مین قدم رکھنا پڑا، اون کے فلسفہ کا بیان جسقدر ہوسکا اوس سے اندازہ ہوسکتا ہے، کہ اونھون نے کس حد تک طبعیات، حیاتیات و نفسیات کے فلسفہ کی باتون کو حل کیا ہے، فقرا کا فلسفۂ روحانیات جو ہے اوس کے سرسری ذکر کے سوا طوالت کے لحاظ سے کوئی مفصل بحث نہین کیگئی، اور غلط فہمی کو دور رکھنے کیلئے فقرا کے الٰہیات کے تذکرہ سے بالکل پرہیز کیا گیا، بہرحال امید کیجاتی ہے، کہ اس رسالہ مین جو کچھ بطور مشتے نمونہ خروارے لکھا گیا ہے، وہ عام فہم و مفید ہوگا،

۲- مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ بصورت امیر و بسیرت فقیر، ویدانتی ہین اور مولوی سید احمد حسین صاحب امجد جو صوفی منش نازک خیال شاعر ہین، اون کا اور چند دوسرے احباب کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے، کہ اونھون نے براہ کرم اس رسالہ کی نسبت مشورہ دیا، اور اوسکی عبارت کو صحیح و سہل بنانے مین مدد دی، ان مین ایک صوفی منش خاتون بھی ہین، جو اپنا نام پردۂ خفا مین رہنا پسند فرماتی ہین، احباب اول الذکر کا مین خاص طور سے ممنون ہون کہ ان دونون نے اپنے اشعار متن مین یا حواشی مین لکھنے کی اجازت دی، تاکہ سوکھا ساکھا مضمون بالکل بے نمک نہ رہے، اگرچہ احباب نے ہر قسم کی تائید فرمائی، لیکن اس رسالہ کی ہر بات کی صحت یا غلطی کا ذمہ دار ہے احمد حسین امین جنگ،

مشاعرہ

از

مولینا عبد السلام صاحب ندوی

مشرقی ممالک مین شاعری کی ترقی اور شعراء کے مسابقہ و مقابلہ کا ایک بڑا ذریعہ مشاعرہ ہے، زمانہ جاہلیت مین شعرائے عرب بازار عکاظ مین جمع ہوکر اپنے اپنے قصائد سناتے تھے، اور تمام عرب سے داد و تحسین حاصل کرتے تھے، یہ گویا عرب کا سالانہ مشاعرہ تھا، اسکے بعد جب فارسی شاعری نے بہت زیادہ ترقی کی اور متوسطین و متاخرین کا دور شروع ہوا تو مشاعرون کا اور بھی زیادہ رواج ہوا، لیکن ان کی صورت بازار عکاظ کے مشاعرون سے مختلف تھی، شعرائے عرب مختلف بحر و قافیہ مین اپنے قصائد سناتے تھے، اور کسی خاص زمین و طرح کے پابند نہ تھے، لیکن فارسی شعراء ایک خاص بحر اور ایک خاص ردیف و قافیہ کے پابند ہوتے تھے اور اگرچہ اس طریقہ سے خیالات و مضامین محدود ہو جاتے تھے، تاہم شعراء کی طباعی کا امتحان اس سے نہایت خوبی کے ساتھ ہو سکتا تھا، کیونکہ اس طریقہ سے یہ اندازہ ہو جاتا تھا، کہ ایک ہی قافیہ و ردیف کی پابندی کے ساتھ کس شاعر نے عمدہ مضامین پیدا کئے ہین،

اردو شاعری بھی اس معاملے مین بالکل فارسی شاعری کی مقلد ہے، اور ابتداء سے لیکر آج تک ہندوستان مین اسی طریقے پر مشاعرے ہوتے رہے ہین، اور ہو رہے ہین، بلکہ اب تو یونیورسٹیون کالجون اور اسکولون کی سنجیدہ علمی مجالس کے پہلو بہ پہلو اسکو جگہ مل رہی ہے،

عربی مین اسی قدر تھا کہ شعراء کسی ایک موقع پر جمع ہوکر اپنے قصائد سناتے تھے، فارس مین یہ ہوا کہ شعراء کسی باکمال شاعر کے کسی بلند پایہ قصیدہ یا مثنوی کے وزن و قافیہ مین قصیدے اور مثنویان تصنیف کرتے تھے، مثلاً عثمان مختاری

کے اس قصیدہ مکے ع

مسلمانان دلے دارم کہ ضائع می شود جانش

خاقانی امیر خسرو، مولینا جامی وغیرہ بڑے بڑے اساتذہ نے جوابات لکھے ہین، خاقانی نے اس کتاب کے جواب مین یہ قصیدہ لکھا ہے،

دل من پیر تعلیم است و من طفل زبان دانش

اسی طرح کمال اسمٰعیل اصفہانی کے اس قصیدہ کا ع :-

ایکہ از بر سر موی تو دلے اندر واست

خواجہ سلمان وغیرہ فضلا نے جواب لکھا ہو،

اسی طرح نظامی کے خمسہ کے جواب مین بیسون مثنویان تصنیف ہوئین، اس کے بعد کمال اصفہانی اور سعدی کے زمانہ سے جب غزل گوئی کو ترقی ہوئی، تو شعرا غزلون کے جواب مین غزلین لکھنے لگے، اس قسم کی جوابیہ غزلون مین عموماً اونکے مقطع مین جواب کی تصریح کردیجاتی تھی، لیکن اس قسم کے واقعات کو مشاعرہ کے بجائے مطارحہ سمجھنا چاہئے،

مشاعرہ اور مطارحہ دو مختلف المعنی لفظ ہین، مشاعرہ کے معنی باہم شعر خوانی کرنیکے ہین، اس کے لئے کسی مخصوص زمین اور ردیف و قافیہ کے اتحاد کی ضرورت نہین، بلکہ شعرا اگر کسی مجلس مین الگ الگ زمینون مین غزل یا قصیدہ پڑھین تو اوس کو مشاعرہ کہہ سکتے ہین، لیکن مطارحہ کے معنی طرح افگندن یعنی بنیاد و عمارت قائم کرنے کے ہین، اور عمارت کی بنیاد قائم کرنے کیلئے پہلے سے ایک مجوزہ نقشہ کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے اگر یہ نقشہ کسی مخصوص طرح کی صورت مین ضروری قرار دے لیا جائے، تو اوس کو مطارحہ کہین گے، لیکن اب عام طور پر مشاعرہ جس کا نام رکھ دیا گیا ہو، وہ مشاعرہ اور مطارحہ دونون کا مجموعہ ہے، یعنی کسی ایک طرح یا زمین پر شعرا کا باہم مل کر شعر پڑھنا اس سے اب ہر مشاعرہ کے لئے ایک خاص طرح کی پابندی ضروری ہوگئی ہے، لیکن اس معنی مین مشاعرہ کا رواج فغانی کے زمانہ سے ہوا،[۱]

[۱] شعر العجم جلد سوم صہ ۱۹،

اور شعرائے متاخرین فارسی کے زمانہ مین اوسکو بہت زیادہ ترقی ہوئی، چنانچہ اس زمانے مین اکثر فغانی کی غزلین طرح کی جاتی تھین، اوران مین محتشم کاشی اور عرفی وغیرہ غزلین لکھتے تھے، اور عام مشاعرون مین پڑھتے تھے، شیراز مین ایک دکان گویا شعرا کا دنگل بن گئی تھی، جہان متعدد شعرا جمع ہوکر مشاعرے کرتے تھے، اوران مین عرفی اور غیرتی وغیرہ شریک ہوتے تھے[1]

شیراز ہی کی تخصیص نہین بلکہ تمام ایران مین اس کا عام رواج ہوگیا تھا، اور شعرا کی مسابقت و مقابلہ کا بڑا ذریعہ بن گیا تھا، چنانچہ نظیری نیشاپوری جب خراسان سے کاشان مین آیا، تو یہان کے اساتذہ یعنی حاتم فہمی مقصود خردہ، شجاع اور رضائی وغیرہ کے مشاعرون مین جو طرحین دیجاتی تھین، اون مین نظیری بھی شریک ہوتا تھا، چنانچہ انھین غزلون مین سے ایک غزل کا شعر یہ ہے،

زخود ہرگز نیازارم دلے را ٭ کہ می ترسم درو جائے تو باشد[2]

ہندوستان مین بھی فارسی شعرا کے آخری دور مین شاعری کی مجلسین قائم تھین اور امرا بعض غزلون کو شعرا کے سامنے پیش کرتے تھے، اور وہ اُن کے جواب لکھتے تھے، چنانچہ ملا عبد القادر بدایونی ثنائی مشہدی کے تذکرے مین لکھتے ہین:۔

پیش ازانکہ بہندوستان بیاید بزرگان این دیار بہ بنیے ازو،

غائبانہ بزم می آراستند و در ہر مجلس شعرا اورا بتبرک بخوانند،

ایک اور امیر کا یہ شعر نقل کیا ہے،

باریک چو مو نیست میانے کہ تو داری، گویا سر آن موست دہانے کہ تو داری،

اور اوس کے بعد لکھا ہے:۔

چون این غزل درمیان انداخت، خیلے از شعرائے آن صوبہ جواب گفتند از ان جملہ این است:۔

گفتم کہ گمانیست دہانے کہ تو داری ٭ گفتا کہ یقین است گمانے کہ تو داری

پھر اپنا شعر بھی نقل کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ زمانہ جاہلیت کی شاعری ہے، جس سے توبہ بہتر ہے[3]، بعض اُمرا

---

[1] شعر العجم ج سوم ص ۳۲، ۴۴، [2] مآثر رحیمی جلد سوم ص ۱۱۵ تذکرہ نظیری [3] بدایونی جلد سوم صفحہ ۲۳۸ - ۲۳۹،

خود مشہور اساتذہ کی غزلون پر غزلین لکھتے تھے اور اپنے دربار کے شعراء سے اونکا جواب لکھواتے تھے، مثلاً ایک امیر نے شیخ سعدی کی یہ غزل شعراء کے سامنے پیش کی،

دلے کہ عاشق و صابر بود مگر سنگ است ، زعشق تا بصبوری ہزار فرسنگ است ،

اور خود اوس کا جواب لکھا اور دوسرے شعراء نے بھی اوس کے جواب لکھے[۱]

شعراء خود بھی مشہور اساتذہ کی غزلون پر غزلین لکھتے تھے، اور مقطع مین اون غزلون کے مصرعے نقل کردیتے تھے، چنانچہ صائب کا یہ خاص انداز ہے، مثلاً

این جواب آن غزل صائب کہ میگوید ملک چشم بینش باز کن تا ہر چہ خواہی بنگری

این جواب مصرع نوعی کہ تماکش سبز باد سایۂ ابر بہاری کشت را سیراب کرد،

اس طریقہ سے خاص خاص زمینون اور خاص خاص طرحون کی پابندی لازمی ہوگئی، چنانچہ ایک امیر نے امیر خسرو کی ایک غزل کا یہ مصرع

از دل بدست رفت وز ناخن بتار ریخت،

طرح کیا اور شعراء کو اس پر غزل لکھنے کیلئے ایک دن کی مہلت دی اور دوسرے دن محمد انوری لاہوری ملا عبد الغنی فخر الزمانی نے غزل لکھکر پیش کی[۲]

اسی طریقہ کی باضابطہ شکل کا دوسرا نام مشاعرہ تھا، اور رفتہ رفتہ یہ باضابطہ شکل بھی قائم ہوگئی، چنانچہ مآثر الامراء مین ایک امیر کے حال مین لکھا ہے:-

"در ہر ہفتہ یکبار مشاعرہ مقرر کردہ بود، جمیع شعرائے کشمیر حاضر میشدند، در آخر مجلس شیلانے می کشید"[۳]

لیکن با این ہمہ قدمائے شعرائے اردو مینی ولی وغیرہ کے زمانے تک کسی مشاعرے کا پتہ نہین چلتا، البتہ جب دلی مین اردو شاعری کا عام رواج ہوا تو ساتھ ساتھ مشاعرون کی بھی گرم بازاری ہوئی، اور ان مین سب سے زیادہ اہم مشاعرہ خواجہ میر درد کے مکان پر ہوتا تھا، لیکن جب یہ بزم مشاعرہ حوادث زمانہ سے قائم نہ رہ سکی، تو خواجہ صاحب کے ایماء سے میر تقی کے یہان ہر مہینے کی پندرھوین تاریخ کو ہونے لگی[۴] اس کے علاوہ اور بھی متعدد

---

[۱] بدایونی جلد سوم صفحہ ۲۰۸ [۲] میخانہ صفحہ ۵۰۰ [۳] مآثر الامراء حصہ سوم صفحہ ۱۷۰ [۴] نکات الشعراء صفحہ ۷۵،

مشاعرے ہوتے تھے جن کا حال میر نے اپنے تذکرے مین جابجا لکھا ہے چنانچہ میر سجاد کے تذکرے مین لکھتے ہین :۔

قبل ازین بخانہ او مجلس یاران ریختہ می شد بندہ نیز میرفتم[1]"

میان کمترین کے تذکرے مین فرماتے ہین :۔

"گاہ گاہ در مجلس مراختہ کہ این لفظ بوزن مشاعرہ تراشیدہ اند ملاقات می شود[2]"

اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین مشاعرہ کو مراختہ کہتے تھے، جو ریختہ سے ماخوذ ہے،

دلی کے تباہ ہونے کے بعد جب لکھنؤ اردو شاعری کا مرکز قرار پایا تو یہان مشاعرون نے اور بھی رونق حاصل کی، بالخصوص شہزادگان دلی نے جو لکھنؤ مین آرہے تھے، ان کی رونق کو اور بھی دوبالا کیا، چنانچہ تذکرہ گلشن ہند مین مرزا جوان بخت کے حال مین لکھا ہو کہ

"غرض اس شہزادہ عالی تبار کی طبیعت شعر کی طرف اس قدر آئی تھی کہ مہینے مین دو مرتبہ بنا مشاعرے کی اپنے دولت خانہ مین ٹھہرائی تھی، شعرائے باوقار کو اپنے چوبدار بھیج کر مشاعرے کے دن بلواتے! اور ہر ایک شخص سے نہایت الطاف اور عنایت کے ساتھ گرمجوشی سے فرماتے[3]"

مرزا سلیمان شکوہ کی نسبت مصحفی اپنے تذکرہ مین لکھتے ہین :۔

"در ایامے کہ بحکم بہ ترتیب مجلس مشاعرہ شدہ بود، اکثرے از کاروانان فن در حضور آمدہ حاضر می شدند، تیر سوز کہ کسوت درویشی بر قامت حال خود داشت در اوائل مشاعرہ بانعام یک دوشالہ و یک تھان سرفرازی یافتہ راہ خود پیش گرفت"

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے، کہ یہ مشاعرے امراء کے درباروں مین شعراء کی قدر دانی اور ان کے اجتماع بلکہ ملازمت کا بڑا ذریعہ تھے، چنانچہ مصحفی اسی عبارت کے سلسلہ مین اپنے متعلق لکھتے ہین :۔

این فقیر حقیر چونکہ، نسبت دیگران باوصف گوشہ نشینی درین کار زیادہ رسوائی داشت، بگفتہ انشاء اللہ خان

---

[1] نکات الشعراء صد ۲، [2] ،، ،، صد ۱۵۶، [3] تذکرہ گلشن ہند مد ۸،

حسب الطلب حضور باوصف کم شغلی و شکستہ حالی شریک مجلس یاران شدہ بود چنانچہ از ہمان تاریخ درحلقۂ ملازمانِ حضور درآمد،،

اس لئے یہ شاعری کی ترقی کا بڑا ذریعہ بن گئے تھے،

یہ شاعری دارالمناظرہ کا کام بھی دیتے تھے اگرچہ اس حیثیت سے انکے اخلاقی نتائج اچھے نہین ہوتے تھے اسلئے جو لوگ مناظرہ کے کانٹون سے اپنے دامن کا الجھنا پسند نہین کرتے تھے' وہان مین جانا پسند نہین کرتے تھے، چنانچہ علی ابراہیم خان مصنف تذکرۂ گلزار ابراہیم کو جب مرزا جوان بخت جہاندار شاہ نے اپنے مشاعرے مین طلب کیا تو اونھون نے یہ معذرت کی،،

"کمترین نے مشاعرے کا جانا مدت سے موقوف کیا ہے، ازبسکہ ان صحبتون مین مناظرہ ہی کو یاران عالی حوصلہ نے رواج دیا ہے"[1]

تاہم اون کے ذریعہ سے فن تنقید کو جو شاعری کا ایک لازمی جزو ہے، نہایت ترقی ہوتی تھی، چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب آزاد نے آبحیات مین اس قسم کے بہت سے تنقیدی نکتے لکھے ہین، جو انھین مشاعرون کی پیداوار ہین، مثلاً خان آرزو کے مکان پر مشاعرہ تھا، سودا نے یہ مطلع پڑھا

آلودہ قطرات عرق دیکھ جبین کو،	اختر پڑے جھانکے ہین فلک پر سے زمین کو

خان آرزو نے فوراً قدسی کا یہ مطلع پڑھا:-

آسودہ قطرات عرق دیدہ جبین را	اختر ز فلک مے نگرد روے زمین را،

جس سے یہ اشارہ تھا کہ سودا کا مطلع اسی کا ترجمہ یا سرقہ ہے[2]

شاہ نصیر نے دکن مین کسی کی فرمایش سے ۹ شعر کی ایک غزل کہی تھی، آتش و آب و خاک و باد اپنے مشاعرے مین وہ غزل سنائی اور کہا کہ اس طرح مین جو غزل لکھے مین اوسے اوستاد مانتا ہون، دوسرے مشاعرے مین ذوق نے اس پر غزل پڑھی اور شاہ صاحب کی طرف سے اوس پر کچھ اعتراضات ہوئے جنکا قریب تھا، ذوق نے اسی

[1] تذکرہ گلشن ہند ص۲، [2] آبحیات ص۱۹۵،

زمین میں بادشاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھا اس پر بھی اعتراضات ہوئے، ذوق نے قصیدہ کو مشاعرہ میں سنایا کہ وہیں برسرِ معرکہ فیصلہ ہو جائے قصیدہ کا مطلع یہ تھا،

کوہ اور آندھی میں ہوں گر آتش و آب و خاک و باد   آج نہ چل سکیں گے پر آتش و آب و خاک و باد

اور اسپر اعتراضات حسب ذیل تھے،

(۱) سنگ میں آتش کے چلنے کا ثبوت چاہئے،

(۲) سنگ میں آتش کا ثبوت چاہئے،[۱]

مولینا محمد حسین آزاد نے ان سوالات وجوابات کی جو تقریر کی ہے اگر وہ صحیح ہے تو شاعری کی حد سے گذر کر وہ منطق و فلسفہ کے حدود میں داخل ہو گئی ہے،

دلی کے ایک مشاعرے میں مرزا غالب نے اپنی فارسی غزل سنائی جب یہ مصرع پڑھا:-

بوادیٔ کہ دران خضر را عصا خفت است

تو اوس پر یہ اعتراض ہوا" کہ عصا خفت است" میں کلام ہے، مرزا نے کہا میں ہندی نژاد ہوں میرا عصا پکڑ لیا، اوس شیرازی کا عصا نہ پکڑا گیا ع وے بجملہ اول عصائے شیخ بخفت،

اونھوں نے کہا کہ اصل محاورہ میں کلام نہیں، کلام اس میں ہے کہ مناسب مقام ہے یا نہیں؟[۲]

یہ مشاعرے شعرا کی مسابقت و مقابلہ کا بھی بڑا ذریعہ تھے، اگرچہ اس مسابقت و مقابلہ سے صحیح طور پر کام نہیں لیا گیا، تاہم اسمیں شبہہ نہیں کہ اردو شعرا نے اوسکی بدولت بڑے بڑے دشوار گذار مرحلے طے کئے، تذکرۂ گلستان سخن میں شاہ نصیر کے حال میں لکھا ہے:-

"بارہا ہنگامہ مشاعرہ میں حریف ہنوز انشاد اشعار سے فارغ نہیں ہوا کہ اوس نے اوس کوتاہ مدت میں شمع مقابل رکھ کر اشعار سوزان تراز شعلہ شمع بقدر دو تین غزل کے لکھ کر مشتاقان سخن کے گوش گذار کر دیئے،"

---

[۱] آبحیات صفحہ ۴۴۴، [۲] ر صفحہ ۴۹،

اس مسابقت کا ایک واقعہ اسی تذکرے مین شاہ صاحب کے حال مین لکھا ہی، کہ وہ ایک بار لکھنؤ مین آئے اسوقت مصحفی جرأت اور انشا سب زندہ تھے، بقول صاحب تذکرہ ہر ایک کے دل مین "ہوس مطارحہ" پیدا ہوئی اور باہمی مشورے سے آٹھ مصرعے مشکل زمینون مین طرح کرکے شاہ صاحب کے پاس پہنچے، شاہ صاحب انکے ساتھ ہی درد گردہ مین مبتلا ہو گئے تھے، مشاعرے کو صرف تین دن باقی رہ گئے تھے، تاہم غیرت کے تقاضے سے نہ صرف ان زمینون مین غزلین لکھین بلکہ خود ایک اور غزل لکھی، جسکی ردیف و قافیہ چین کی کھی اور کفن کی کھی تھی اور مشاعرے مین داد تحسین حاصل کی[1]

ایک بار شاہ صاحب سفر لکھنؤ سے واپس آئے اور دو غزلین جو شعرائے لکھنؤ کی فرمایش سے کہی تھین ایک مشاعرہ مین پڑھین، ان مین ایک کا مطلع اور ایک کا ایک شعر یہ ہے،

ہم پھڑک کر توڑتے سارے قفس کی تیلیان   پر نہین اے ہمصفیر و اپنے بس کی تیلیان

برہمن اپنے بتون کو سجدہ نہ کر   آدم مردہ ہین بے گور و کفن پتھر کے،

ان کی بڑی تعریفین ہوئین تو بعض اساتذہ کے دل مین رشک پیدا ہوا اور اپنے شاگردون سے ان دونون زمینون مین غزلین کہلائین، یہ بات شاہ صاحب کو ناگوار ہوئی، اور پہلی زمین مین تقریباً پچاس غزلین کہلاکر اپنے شاگردون کے نام سے آیندہ مشاعرے مین پڑھوائین، اس سے رشک و حسد کا بازار گرم ہو گیا، اور اوس کے بعد شعرا نے یہ التزام کر لیا کہ ہر مشاعرہ مین اسی زمین مین غزل طرح ہو، اور لوگ تو صرف آٹھ نو شعر مشاعرے مین پڑھتے تھے لیکن شاہ صاحب ہر بار ساٹھ ستر اشعار کا دو غزلہ پڑھتے تھے، اور اون کے شاگردون کی غزلین بھی جو بیس بیس شعر سے کم نہ ہوتی تھین اوہین کی طبعزاد ہوتی تھین[2]

ان وجوہ کے علاوہ ایک عام مجمع مین شعرا و اساتذہ کی داد تحسین بھی نومشق شعرا کی ترقی و شہرت کا بہت بڑا ذریعہ تھی، مولوی محمد حسین آزاد نے ذوق کے حال مین لکھا ہی، کہ انھون نے ایک مشاعرے مین ایک غزل پڑھی، تعریف زیادہ ہوئی تو حوصلہ بڑھا، اور بے اصلاح مشاعرے مین غزل پڑھنے لگے اب کلام کا چرچا زیادہ ہوا،

---

[1] گلستان سخن صفحہ ۴۵۹، [2] ۵۲ ، ر ۱۹۳

اور بزرگان پاک طینت جو اساتذہ سلف کی یادگار باقی تھے مشاعرون مین تعریفین کرکے دل بڑھانے لگے[۱]

لیکن ان تمام باتون کے ساتھ مشاعرون کے اخلاقی نتائج نہایت ناگوار بلکہ خطرناک ہوئے چنانچہ ایک نواب صاحب کے یہان مشاعرہ تھا، وہ شیخ ناسخ کے معتقد تھے، اس لئے ارادہ کیا کہ شیخ صاحب جب غزل پڑھ چکین تو اونھین سر مشاعرہ خلعت دین لیکن یارون نے خواجہ آتش کے پاس مصرع طرح نہ بھیجا، اونھین مصرع اوس وقت پہنچا جب مشاعرے کو صرف ایک دن باقی تھا، وہ نہایت برہم ہوئے اور شہر کے باہر جا کر ایک مسجد مین جا بیٹھے، اور وہان سے غزل لکھکر لائے اور مشاعرے مین گئے تو قرابین بھر کر ساتھ لیتے گئے، اول تو اونکا انداز ہی بانکے سپاہیون کا تھا، اس پر قرابین سامنے بھری ہوئی رکھی تھی، اور معلوم ہوتا تھا کہ خود بھی بھرے بیٹھے ہین، بار بار قرابین اوٹھاتے تھے، اور رکھ دیتے تھے جب شمع سامنے آئی تو سنبھل کر ہو بیٹھے، اور شیخ صاحب کی طرف اشارہ کرکے پڑھا،

سُن تو سہی جہان مین ہے تیرا فسانہ کیا، کہتی ہے تجھکو خلقِ خدا غائبانہ کیا

اس ساری غزل مین کہین اون کے پالک ہونے پر، کہین ذخیرۂ دولت پر، کہین ان کے سامان امارت پر غرض کچھ نہ کچھ چوٹ ضرور ہے، شیخ صاحب بیچارے دم بخود بیٹھے رہے، نواب صاحب ڈرے کہ خدا جانے یہ اون پر قرابین خالی کرین، یا میرے پیٹ مین آگ بھر دین، اوسی وقت داروغہ کو اشارہ کیا کہ دوسرا خلعت خواجہ صاحب کے لئے تیار کرو، غرض دونون صاحبون کو برابر خلعت دیکر رخصت کیا،[۲]

اسی رشک و منافست کا یہ نتیجہ تھا کہ دونون بزرگ کبھی ایک مشاعرے مین شریک نہین ہوتے تھے، اور لکھنؤ کے مشاعرون مین اب بھی اس رشک و منافست کے ناگوار مناظر نظر آتے ہین،

دورِ جدید مین اگرچہ مشاعرے کی قدیم شکل بھی قائم رہی، تاہم اس دور مین اردو شاعری کی اصلاح کے ساتھ مشاعرون کی بھی اصلاح ہوئی، اور سب سے پہلے کرنل ہالرائڈ ڈائرکٹر سرشتۂ تعلیم نے جب اردو شاعری کی اصلاح کی طرف توجہ کی تو اس سلسلے مین اونھون نے ایک بزم مشاعرہ بھی قائم کی جس مین مصرع طرح کے بجائے کوئی خاص مضمون

---

[۱] تذکرۂ آبحیات صفحہ ۱۴۱، [۲] ۵۲ ،، صفحہ ۳۴۳

دیاجاتا تھا تاکہ عاشقانہ مضامین کی جگہ مناظر قدرت اور جذبات انسانی پر شعراء طبع آزمائی کرسکین، مولانا حالی اور مولوی محمد حسین آزاد نے جو اس وقت سررشتہ تعلیم سے متعلق تھے، اس مشاعرے مین خصوصیت کے ساتھ حصہ لیا، اور حب الوطنی اور مناظر قدرت پر چھوٹی چھوٹی مثنویان لکھین، اور اسی مشاعرے کے ذریعہ سے جدید شاعری کا آغاز ہوا، اگرچہ عام طور پر اس قسم کے مشاعرون کا رواج نہ ہوسکا، تاہم اب بھی کبھی کبھی اس قسم کے مشاعرے ہوتے رہتے ہین جن مین غزل کے بجائے مختلف موضوع پر نظمین پڑھی جاتی ہین، اس لئے ان کے ذریعہ سے ایک نوع کی شاعری کے بجائے مختلف نوع کی شاعری کو ترقی ہوتی ہے،

جب سے ملک مین نئی نئی یونیورسٹیان قائم ہوئی ہین، اور نصاب تعلیم مین اردو زبان داخل ہوئی ہے، جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو بھی مشاعرون کی طرف توجہ ہوگئی ہے، بالخصوص طلبہ اس مین زیادہ دلچسپی لینے لگے ہین، چنانچہ تقریباً تمام یونیورسٹیون اور کالجون مین سالانہ مشاعرے ہوتے ہین، اور دور دور سے مشہور شعراء مدعو کئے جاتے ہین، اس لئے اون سے بڑا فائدہ یہ مرتب ہوتا ہے، کہ جدید نسل کو اردو زبان سے بیگانگی نہین پیدا ہونے پاتی، تاہم اس مین شک نہین کہ ان مشاعرون مین بہت سی ایسی باتین پیدا ہوگئی ہین جن پر ہمارے شعراء کو سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا ہے، ذیل مین صرف چند امور کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، اور اون کی تفصیل کسی اور موقع کے لئے اوٹھا رکھی جاتی ہے،

۱- اس طریقہ سے "غزل گوئی" کی طرف شدت انہماک پیدا ہوا، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ دوسرے اصناف سخن مرگئے،

۲- "غزل گوئی" درحقیقت سچے جذبات کے اظہار کی طالب ہے، مگر اس کی اس ہردلعزیزی نے یہ کیا کہ ہر بوالہوس کو شاعر بن جانے پر مجبور کردیا، جس سے شاعری کے وقار کو بہت صدمہ پہنچا،

۳- مشاعرون سے داد وتحسین کے حصول کے ایسے طریقے ایجاد ہوئے جن کا اخلاقی اثر شعراء کے پورے گروہ پر نہایت برا پڑا، اور اوس کے لئے نہ صرف غیر منصفانہ بلکہ ناروا طریقون سے بھی احتراز نہین برتا جاتا،

(۴) پہلے زمانہ مین مشاعرون کا یہ وقار اور رعب تھا کہ باکمال شعراء یا اون کے منجھے ہوئے شاگردون کے سوا کوئی دوسرا شخص ان مجلسون مین اپنا کلام سنانے کی ہمت نہین کرسکتا تھا، مشاعرون مین استادون کے چشم و ابرو کے اشارے دیکھے جاتے تھے، اور اون سے کلام کی صحت و سقم پر استدلال کیا جاتا تھا، مگر آجکل کی خربازاری اور فن کی عدم واقفیت نے ہر طفل سوادخوان کو اس کا اہل بنا دیا ہو کہ دوچار فقرے موزون کرکے اہل بزم سے داد حاصل کرے اور اگر نہ ملے تو سخن ناشناسی کا الزام اون پر قائم کرکے دنیائے ادب کی سونی ہوجانے پر ماتم کرے،

یہ تمام امور اہل ادب اور اصحاب شعر و سخن کی توجہ کے مستحق ہین،

گلِ رعنا

اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اوس کی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو مین شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے، جسمین آب حیات کی غلطیون کا ازالہ کیا گیا ہی، ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۴۸ صفحے قیمت صر

کلیاتِ شبلی اردو

مولینا کی تمام اردو نظمون کا مجموعہ جسمین مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسون مین پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی، اور تاریخی نظمین جو کانپور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہین یکجا ہین، یہ نظمین درحقیقت مسلمانون کے چہل سالہ جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ ضخامت ۱۲۰ صفحے، قیمت عمہ

"منیجر"

حاشیہ بیضاوی شاہ وجیہ الدین صاحب

معارف کے دو پچھلے پرچون مین حضرت شاہ وجیہ الدین رحمۃ اللہ علیہ کے جو حالات مولینا سید ابو ظفر صاحب ندوی کے قلم سے شائع ہوئے ہین، اونھون نے اہل علم مین اس محترم ہستی کے متعلق بڑی دلچسپی پیدا کردی ہے،

معارف اس پر بجا فخر کر سکتا ہے، کہ اوس کے ناظرین مین ایسے ارباب علم ہین، جو اس مین شائع ہونے والے ہر مضمون کو میزان علم مین تولتے، اور محک نظر سے پرکھتے ہین،

صاحب مضمون کو شاہ صاحب کے مزار کی تعمیر کے تاریخی مصرع :-

عرش اسلام و قبلۂ مقبل

مین جو غلط فہمی ہوئی تھی، اوسکی تصحیح، نواب صدر یار جنگ مولینا شروانی کے علاوہ مرزا عزیز دارا پوری نے لاہور سے کرکے بھیجی ہے، جو بعینہ وہی ہے جو مارچ کے معارف مین مضمون مذکور کے آغاز مین چھپ چکی ہے،

مضمون نگار نے اپنے علم کے مطابق شاہ صاحب کی تصنیفات کے متعلق یہ لکھا تھا، کہ "شاید ہی کوئی ان مین سے طبع ہوئی ہو" مولینا عبد العزیز صاحب میمن پروفیسر عربی مسلم یونیورسٹی اطلاع دیتے ہین کہ کم از کم انکی ایک کتاب مختصر کافیہ ایسی ہے، جو کسی زمانہ مین بمبئی مین چھپی تھی، اور وہان کے کتبخانون مین اب بھی ملیگی،

صاحب مضمون کو شاہ صاحب کے حاشیہ بیضاوی کے نہ ملنے کا افسوس رہا اور اون کو اتنا ہی معلوم ہو سکا کہ مدراس کے کسی بزرگ کے پاس یہ انمول موتی ہے، مگر معارف کو اب تک اس کے دو نسخون کا پتہ چل چکا ہے،

پروفیسر عبد العزیز صاحب میمن فرماتے ہین کہ اون کے پاس اسی حاشیہ کا وہ نسخہ تھا، جو خاص مصنف کے نسخہ سے منقول تھا، اور اب یہ نسخہ کتبخانہ آصفیہ حیدر آباد دکن مین ہے،

نواب صدریار جنگ رقم فرماتے ہیں :-

حاشیۂ موصوف کا پورا نسخہ میرے کتبخانے (واقع حبیب گنج علی گڈہ) میں ہے، خوشخط اور جہان تک دیکھا صحیح ہے تعداد صفحات (۴۲۷) ہے، فی صفحہ سطر (۲۴) خفی قلم، پہلے چند ورق ایک قلم کے ہیں، باقی دوسرے قلم کے جو زیادہ خوشخط نسخ ہے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کاتب نے چند ورق لکھ کر چھوڑ دیئے، دوسرے نے پوری کی، دوسرے کاتب کی تحریر وسط صفحہ سے شروع ہوتی ہے،

ابتدا یون ہے، الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی سید العالمین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

شرح تفسیر تو لکر کے شروع کرتے ہیں، حواشی مختصر مگر واضح اور موضح ہیں،

کاتب نے آخر میں لکھا ہے کہ تمام شد حاشیۂ میان وجیہ الدین بر تفسیر بیضاوی، بتاریخ ۲۲ شہر ذی حجہ روز دوشنبہ ۱۰۳۴ھ در احمد آباد "

تابشِ سہیل

از

ازجناب اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے، ال ال بی علیگ اعظم گڈہ،

زبانون پر نہین اب طور کا افسانہ برسون سے
تجلی گاہ ایمن ہے دلِ ویرانہ برسون سے

کچھ ایسا ہے فریبِ نرگسِ مستانہ برسون سے
کہ سب بھولے ہوئے ہین کعبہ و بتخانہ برسون سے

وہ چشمِ فتنہ گر ہے، ساقیِ مے خانہ برسون سے
کہ باہم لڑرہے ہین شیشہ و پیمانہ برسون سے

نہ اب منصور باقی ہے نہ وہ دار و رسن لیکن
فضا مین گونجتا ہے نعرۂ مستانہ برسون سے

چمن کے نونہال اس خاک مین بوئین پھلین کیونکر
یہان چھایا ہوا ہے سبزۂ بیگانہ برسون سے

وداع اے پاسِ تمکین، رخصت اے آئینِ خودداری
جنون بھولا ہوا ہے لغزشِ مستانہ برسون سے

یہ آنکھین مدتون سے خوگرِ برقِ تجلی ہین
نشیمن بجلیون کا ہے مرا کاشانہ برسون سے

ستم کو اہتمامِ دلفریبی اب نہین باقی
وہ زلفین ہو رہی ہین بے نیازِ شانہ برسون سے

نہین اب وہ نگاہِ شرمگین کے وار چھپ چھپ کے
کہ اب ناوک زنی ہوتی ہے بیباکانہ برسون سے

حرم والون مین شایانِ کرم شاید نہین کوئی
کہ برقِ امتحان لرزان ہے بیتابانہ برسون سے

کوئی شوریدہ سر باقی نہین کیا اہلِ تقویٰ مین
کہ ہے پیاسا طلب سنگِ درِ جانانہ برسون سے

ترے قربان ادھر بھی ایک جھونکا ابرِ رحمت کا
جبینون مین گرہ ہے سجدۂ شکرانہ برسون سے

دکھادے ایک جلوہ پھر اسی شانِ جمالی کا
نگاہین منتظر ہین جس کی مشتاقانہ برسون سے،

سہیل اب کس کو سجدہ کیجئے حیرت کا عالم ہے،
جبین خود بن گئی سنگِ درِ جانانہ برسون سے،

"رنگِ حسرت"

از جناب جمیل قدوائی بی اے

اُون کو مجھ سے جواب حجاب نہیں، دل کو بھی اب وہ اضطراب نہیں،

ہے اُنھیں مجھ پہ اعتماد و وفا اب وہ اگلا سا اجتناب نہیں،

بخش کر لطفِ وصل کہتے ہیں، پھر کہو گے کہ کامیاب نہیں؟"

اس قدر ہیں وہ مہربان مجھ پر، اُن کے الطاف کا حساب نہیں،

کامیابِ وصالِ جانان ہون، پھر بھی کہتے ہیں "کامیاب نہیں،

مین تو سیرابِ عیشِ وصل کرون کیا کرون تجھ مین اس کی تاب نہیں!"

مین یہ کیون کر کہون کہ حسبِ مراد دل پر شوق کامیاب نہیں،

آپ سے چھٹ کے رہ نہیں سکتا بخدا اتنی دل کو تاب نہیں،

اب بھی ہون بیقرارِ لطف و کرم ہان وہ اگلا سا اضطراب نہیں،

آپ کے رحم کی ضرورت ہو، حالِ دل اس قدر خراب نہیں،

وہ نظر لاکھ بے حجاب سہی، شوقِ گستاخ کا جواب نہیں،

آج دنیائے دلبری مین کہین آپ کے حسن کا جواب نہیں،

رُخِ جانان مین اب بھی ہے اک بات گو وہ پہلی سی آب و تاب نہیں،

آپ کے چشمِ مست کے آگے، اثرِ ہستیِ شراب نہیں،

آپ کے حسن کے مقابل مین کوئی شے سرخیِ گلاب نہیں،

سچ تو یہ ہے جمالِ جانان کا ایک پرتو ہے آفتاب نہیں،

آج تیرے سوا جمیل کوئی، رنگِ حسرت مین کامیاب نہیں،

باب التقریظ والانتقاد

تاریخ مبارک شاہی

مصححہ شمس العلما مولوی ہدایت حسین صاحب شائع کردہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی نمبر۱ پارک اسٹریٹ کلکتہ ضخامت ۲۷۰ صفحے،

بنگال ایشیاٹک سوسائٹی نے ہندوستان کی اسلامی تاریخون کے چھاپنے اور شائع کرنے کی جو قیمتی کوششین کی ہین وہ پورے ملک کے شکریہ کی مستحق ہین، اسی طرح سوسائٹی کے موجودہ عہد مین شمس العلما مولوی ہدایت حسین صاحب نے اس قسم کی مفید کتابون کی تصحیح و تحشیہ مین جو مفید خدمات انجام دئے ہین وہ بھی ہم سب کے اعتراف کے لائق ہین، چنانچہ اس سلسلہ کی اخیر کڑی تاریخ مبارک شاہی ہمارے سامنے ہے،

اسمین کوئی شک نہین کہ ہندوستان کی سیاسی اسلامی تاریخ مین سید بادشاہون کی حکومت کا دور جو ۸۱۷ھ سے شروع ہوکر ۸۵۵ھ پر تمام ہوتا ہے، بیحد تاریکی مین ہے اور اب تک اس دور کے متعلق کوئی اطلاع اولین ہمارے پاس موجود نہ تھی اس لئے اس تاریخ مبارک شاہی کی اشاعت جس کا تعلق اسی دور سے ہے، ہمارے لئے بہت کچھ سودمند ہے،

مصنف کا نام یحییٰ بن احمد بن عبداللہ ہے، سہرند کا رہنے والا ہے، اس لئے وہ اپنے کو سہرندی کہتا ہے، مبارکشاہ کی تخت نشینی کے بعد جو ۸۲۴ھ مین ہوئی تھی، یہ کتاب تالیف کی، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مبارکشاہ ہی کے زمانہ مین ۸۳۸ھ مین اوس نے ختم کی، چنانچہ اس ۸۳۸ھ کے تحت مین (ص ۲۴۱) بادشاہ عصر کی دعاے حیات و قیام کے بعد لکھتا ہے:-

"این دعاگوی می خواست کہ بر ہمہ اصحاب انشا، و ارباب املا سخنی چند در اختتام این کتاب گوید و ختم ہم در دعای شاہ عالم پناہ کند، فاما چون ہنوز از بستان سلطانی و گلستان جوانی او یک گل از ہزار شگفتہ است..... بیغرورت نا تمام

گذاشت و بر خود التزام نمود کہ فتوحات شوکت آیندہ و قصۂ ارادت دولت پایندہ اگر داعی راحیات و فاکند ہر سال بایفاے رسانہ

بدورین صحیفہ ثبت گرداند انشاءاللہ تعالیٰ وہو الموفق للاتمام والمیسر للاختتام"

مصنف نے اس کے بعد حسب وعدہ باقی شعبان ۸۳۱ھ سے ربیع الآخر ۸۳۸ھ تک مبارکشاہ کی وفات (۸۳۷ھ) اور پھر محمد شاہ بن فرید شاہ کی تخت نشینی اور بعدازین ایک سال تک کے واقعات ربیع الآخر ۸۳۸ھ تک اسمین موجود ہے، اور اخیر مین خاتمہ کی کوئی تمہید نہین ہے، جس سے گمان ہوتا ہے، کہ مصنف کی وفات پر یہ کتاب یون ہی ختم ہوگئی ہے، اور اوس سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہی (ربیع الآخر ۸۳۸ھ) مصنف کی تاریخ وفات ہو، کتاب کا آغاز محمد بن سام غوری کے حالات سے ۵۶۹ھ سے کیا ہے، اور اوسکے بعد سلاطین تغلق تک اختصار کے ساتھ سب بادشاہون کے سوانح لکھے ہین، بعدازین سید خاندان کے بانی خضر خان بن سلیمان خان کے واقعات ۸۱۷ھ سے کسی قدر مفصل لکھنے شروع کئے ہین، خضر خان کے بعد مبارکشاہ اور پھر محمد شاہ کے ایک سال کے حالات پر کتاب کا خاتمہ ہوگیا ہے، خیال تھا کہ اس کتاب سے اس خاندان کے انتساب سیادت کی تحقیق مین مدد ملے گی، مگر اس معاصر تاریخ مین بھی سید جلال بخاری کے مشہور قول "این سیدزادہ را" کے سوا، اور اس شہادت کے سوا کوئی اور مذکور نہین ہے، کہ بادشاہ مین حلم و عفو و نرمی و درگذر کے جو اوصاف ہین، وہ اوسکی سیادت کی دلیل نہین،

اس کتاب کا نسخہ سب سے پہلے سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے سابق رفیق دارالمصنفین و حال پروفیسر اسمٰعیل کالج (بمبئی) کے ذریعہ مصحح کو ملا، جو کسیقدر ناقص تھا، پھر بعد کو برٹش میوزیم اور بوڈلین لائبریری سے دو اور نسخے ملے جنکے مقابلہ سے یہ نسخہ تیار ہوا ہے، اس کتاب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ سے کائستھون نے سلطنت کے کاروبار اور سیاسیات مین دخل دینا شروع کردیا تھا، اور تعجب ہوتا ہے کہ قلم کیساتھ تلوارین بھی اون کے ہاتھون مین نظر آتی ہین، مصحح نے کتاب کے مختلف نسخون کی تصحیح و مقابلہ کے علاوہ کتاب مین جابجا حواشی بھی لکھے ہین، اور آخر مین مضامین کی فہرست کے بعد اشخاص کی اور پھر مقامات کی دو اور فہرستین بناکر شامل کتاب کی ہین، کتاب گو واقعات کے لحاظ سے کوئی خاص اہمیت نہین رکھتی، مگر اپنے دور کی تنہا ماخذ ہونیکے سبب سے قابل قدر ہے، چنانچہ پچھلے مورخین مین فرشتہ اور ملا بدایونی اور نظام الدین وغیرہ نے اسکے حوالے دئے ہین، اور اس سے واقعات نقل کئے ہین، بہرحال اس کتاب کی اشاعت سے اس دور کی تاریخ کے اصل ماخذ تک ہماری رسائی ہوگئی، اور اس کیلئے ناشر و مصحح کے خدمات کا دوبارہ شکریہ ادا کرتے ہین، "س"

ریاست، از افلاطون مترجمہ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب ایم اے، پی ایچ، ڈی، حجم ۷۴۴ صفحے شائع کردہ انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن، قیمت،

افلاطون کی کتاب ریاست جو ابتک اردو مین جمہوریت افلاطون کے نام سے موسوم تھی، علم سیاست کی کلاسیکل کتابون مین ہے، اس کے مختصر خلاصے اور اس سے مستفاد مضامین ابتک اردو رسالون مین چھپتے رہتے تھے، مسرت ہے کہ اب اس کا مکمل و مستند ترجمہ شائع کیا گیا، اور ترجمہ کے لئے ایسے شخص کو منتخب کیا گیا، جو فلسفہ و سیاست دونون مین صاحب نظر ہے، ترجمہ ذاتی دلچسپی اور طبعی ذوق سے کیا گیا ہی، اس لئے ترجمہ کی روانی، سلاست، اور انداز بیان کی شگفتگی سے پڑھنے مین افسانہ کا لطف آتا ہی خصوصاً اس لئے کہ کتاب علمی سوال و جواب کے رنگ مین ہونے کے بجائے، ہنستے بولتے مجمع اور مجلسی اشخاص کے مکالمہ کے طرز مین ہے، مترجم نے ابتدا مین ایک مقدمہ لکھا ہی جسمین افلاطون کے سرسری حالات زندگی، اور اس کے فلسفہ اور اس کتاب کے مباحث کو روشناس کیا ہی، اور افلاطون کے بعض نظریون کے متعلق دور حاضر مین جن غلط فہمیون کے پیدا ہونے کا امکان ہی، اون کو دور کیا ہی،

ریڈیو، از جناب منہاج الدین، ایم ایس سی پروفیسر علوم طبعیات اسلامیہ کالج پشاور، کاغذ چکنا ولایتی حجم ۱۸۰ صفحے قیمت خوبصورت سنہری جلد ؎ مصنف سے مل سکتی ہی،

پروفیسر منہاج الدین اون لوگون مین ہین، جو سائنٹفک مباحث و معلومات کو اردو مین منتقل کرنے کی خدمت مستقل طور پر انجام دے رہے ہین، اون کی آخری زیر نظر تالیف "ریڈیو" یعنی بے تار پیام رسانی ہی جس مین علم برق کے ابتدائی معلومات

دیگران کا تعلق لاسلکی سے دکھایا ہے، پھر لاسلکی کی ایجاد اور اسکی تدریجی ترقی بیان کی ہے، ریڈیو کے امواج کی ترکیب اور ان کے اثرات و نتائج پیش کئے ہیں، لاسلکی کی نشرگاہیں اب ہندوستان میں بھی بہ کثرت رواج پا رہی ہیں، اس لئے اس کا مطالعہ دلچسپی سے کیا جائیگا، لیکن کتاب کی فنی حیثیت نمایاں ہے، اسلئے اصطلاحات زیادہ ہیں،

سیرت محمد علی:- مرتبہ مولوی رئیس احمد صاحب جعفری ندوی، شائع کردہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، حجم ۴۴۲ صفحے، قیمت ۱۔ ے ر

مولینا محمد علی مرحوم کے سانحہ وفات پر اون کی یادگار کے قیام کا مسئلہ ملک میں اوسی زور و شور سے اٹھا تھا جیسے دوسرے اکابر کی وفات پر یہ تحریک اٹھتی رہی تھی، بالآخر مولانا کے مرحوم کی ایک ایسی مفصل سیرت کی ترتیب کا خیال پیدا ہوا، جو نہ صرف سیرت محمد علی ہو، بلکہ دور حاضر کے پچیس برسوں کے ہندوستان کے اسلامیات و قومیات کی مفصل سرگذشت ہو، لیکن جب اس میں بھی تعویق ہوئی تو مولینا عبد الماجد صاحب دریاآبادی کی تحریک سے مکتبہ جامعہ ملیہ نے زیر نظر کتاب شائع کی جس میں کم و بیش اون ابواب کو روشناس کرنے کی کوشش کیگئی ہے، جن پر مفصل سیرت کی ترتیب کا خیال ہے، شروع میں مولینا عبد الماجد صاحب دریاآبادی کا ایک پر اثر دیباچہ بھی ہے، اسکے مؤلف کی بڑی خوبی یہی ہے کہ کم سے کم فرصت میں زیادہ سے زیادہ معلومات جمع کرکے اون کو دلچسپ اسلوب میں مرتب کر دیا ہے، ضرورت ہے کہ اہل ذوق اوسکی خریداری و اشاعت میں پوری کوشش کریں تاکہ اپنے ایک ہر دلعزیز قائد کی سیرت کے پڑھنے کے علاوہ ایک قومی درسگاہ کی اعانت کا فائدہ بھی پہنچے،

علم کلام مرزا، مولفہ مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب، امرتسری، حجم بہ ترتیب ۸۰ و ۴۴ صفحے قیمت بہ ترتیب

عجائبات مرزا، ۸ ر و ۲ ر، پتہ دفتر اہلحدیث امرتسر،

مولینا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب مذہبی مناظرہ میں مرزا صاحب کی زندگی میں اون کے حریف و مقابل تھے اور اب تک وہ مناظرانہ مذہبی رنگ کے بکثرت رسالے احمدیت پر لکھ چکے ہیں، لیکن زیر تبصرہ رسالے مذہبی مناظرہ کے بجائے علمی بحث و تمحیص کے نقطۂ نظر سے لکھے ہیں، جنمیں بقول مصنف یہ دکھانا مقصود ہے کہ "مرزا صاحب کی تصانیف کس صنعت سے ہیں"، اور اسی لحاظ سے تصنیفات پر نظر ڈالی ہے، مصنف رسالہ اگر برا نہ مانیں تو جیسا کہ خود انھیں اقرار ہے اون کی یہ کتاب کامل اور استقصای تام

پر مبنی نہین، اس پر تو اچھی خاصی بڑی کتاب تیار ہو سکتی ہو، شاید مصنف کو قلت فرصت کا عذر ہو،

مرزا صاحب کی تصنیفات پر اگر بامعان نظر ڈالی جائے تو مثلاً ذیل کے امور کا بخوبی اندازہ ہو کہ وہ بسیار نویس تھے اور اپنی تحریرون مین بڑے بڑے اصول بنانے کے خوگر تھے، اون کے وہ اصول محض وقتی و ہنگامی ہوتے جب کسی دوسرے مدعا کے اثبات کا وقت آتا وہ فراموش ہوجاتے، نئے اصول مدون ہوتے جو ممکن تھا پہلے اصولون کے برعکس ہون، اس نے مرزا صاحب کی تصنیفات کا بڑا حصہ محض شاعرانہ، بلکہ ذاتی مفروضات' فرضی دلائل، اور کہین لفظی ضلع جگت پر مبنی ہے، اس کا بہترین نمونہ براہین احمدیہ ہے، اسی طرح نظر آتا ہو کہ وہ غیر محتاط حوالون کے دینے مین جری تھے، اگر محض اسی موضوع پر کوئی مستقل کتاب لکھی جائے تو بیحد دلچسپ ہو، ہان ایک طریقہ استدلال ایسا ہے جسکو مرزا صاحب نے استعمال کیا کہ اسلام اس لئے بہتر مذہب ہے کہ اون جیسا شخص اس مین پیدا ہوا، وہ فلان پیشنگوئی کرتے ہین جو صدق و کذب کی نشانی ہوگی، پھر یہ کہ وہ پیشنگوئی صحیح ہوئی یا غلط اس پر مباحث اور سوال و جواب کا ایک سلسلہ چلتا،

مرزا صاحب کے دعاوی اور تاویلات اون کی مہدویت اور ذاتی مسیحیت کو چھوڑ کر اون کے دو معاصرین سرسید احمد اور مولوی محمد احسن صاحب امروہوی مصنف تفسیر شاہی سے حرف حرف ماخوذ ہین، اور شاہ ولی اللہ صاحب کی حجۃ اللہ البالغہ کے مضامین بھی کہین کہین بے اظہار نام لے لئے گئے ہین لیکن اگرچہ مرزا صاحب نے سرسید کے خیالات کو اپنے نام سے پیش کیا، تاہم دونون مین کچھ فرق رہ جاتا ہو، سرسید اپنے جانتے اپنے خیالات پر دلائل عقلی سے مہرین لگاتے ہین، اور مرزا صاحب اونھی باتون کو لفظی صناعیون اور خود ساختہ اصولون سے پیش کرنا چاہتے ہین، کہ وہ عقلی دلائل اون کے نفس مدعا کے خلاف پڑتے ہین، ایک اور فرق ان دونون مین یہ ہے کہ سرسید مہدی کے منکر تھے، اور احادیث مہدی کو جعلی مانتے تھے، اور مرزا صاحب اون کو حرف حرف صحیح مان کر اپنے کو ان سب کا مورد بتاتے تھے،

عیسائیون کے رد مین ہمارے علمائے اسلام نے ہنگامۂ ۱۸۵۷ء کے پس و پیش جو کارنامے انجام دئے، افسوس ہے کہ پروپگنڈے کے ذریعہ وہ فراموش ہوتے جارہے ہین، اور اون کی ناشکری ہورہی ہے، ڈاکٹر وزیرالدین صاحب مولانا رحمت اللہ صاحب، سرسید، مولوی چراغ علی اور مولینا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہم نے اسوقت جو کارنامے انجام دئے، وہ

مرزا صاحب سے بدرجہا بہتر ہین، اسی طرح آریون کے مقابلہ مین خاص بانی آریہ سماج دیانند سوامی کے رد مین مولانا قاسم صاحب بانی مدرسۂ دیوبند نے جو کام کیا، اس کا اعتراف نہ کرنا کفرانِ محسن ہی،

ہان مرزا صاحب نے ان بزرگون سے جس بات مین سبقت کی، وہ مخالفین کے طرز اسلوب اور ہیا کی زبان کا کلمہ بلکہ جواب دینا ہے، مثلاً عیسائی نعوذ باللہ آنحضرت صلعم کو سخت سُست الفاظ مین یاد کرتے تھے، مسلمان مجیب اوس کے جواب مین حضرت عیسیٰؑ پر حرف نہین رکھتے، مرزا صاحب نے اس بزرگی کی احتیاط نہین کی، اور اسی قسم کے الفاظ مین "یسوع" کو یاد کیا، اور اسمین تحریف پر بھی بازی لے گئے، اسی طرح مثلاً سنی مناظر شیعون کے جواب مین حضرت علی مرتضیٰ یا حسنین رضی اللہ عنہم کی توہین نہ کر سکتے تھے، مرزا صاحب نے اس مین بھی ترکی بترکی اصول ملحوظ رکھا، یہ وہ چند اشارات ہین، جو غیر فرقہ آرایانہ طور پر محض علمی حیثیت سے پیش ہوئے اور جن کے مباحث اسی نقطۂ نظر سے اس موضوع کی کتاب مین تفصیل سے دکھائے جا سکتے ہین،

دیوانِ گرامی (فارسی) یعنی مجموعۂ کلام ملک الشعرا شیخ غلام قادر گرامی ناشر شیخ مبارک علی صاحب تاجر کتب اندرون لاہوری دروازہ، لاہور، حجم ۲۱۶ صفحے، قیمت:- عہ/

فارسی ادب کے اربابِ ذوق کو حضرت گرامی کے دیوان کی اشاعت کا انتظار تھا، مسرت ہے کہ شیخ مبارک علی صاحب تاجر کتب لاہور نے یہ خدمت انجام دی، یہ مجموعۂ غزلیات، مثنویون اور مناقب وقصائد وقطعات سب پر مشتمل ہی، مثنویون اور قطعون پر تعلیقات وحواشی بعض فارسی اور بعض اردو مین درج ہین، جنمین بعض خود گرامی کے قلم کے معلوم ہوتے ہین، کوئی دیباچہ یا مقدمہ منسلک نہین، اگر گرامی کا مختصر تعارف کرا دیا ہوتا تو مناسب ہوتا، ورنہ کم از کم ڈاکٹر سر اقبال کی وہ تحریر شامل کر دیجاتی جو انھون نے گرامی کی وفات پر اخبار انقلاب مین شائع کرائی تھی،

یازدہ سورۂ شریف، ناشر جناب ماسٹر محمد احسان بیکوارٹ پریس لاہور، ہیبی تقطیع کے ۱۲۸ صفحے، قیمت:- ۸ عہ/

یہ ایک خوشنما پاکیزہ خط، رنگین ومنقش سرورق، طلاکار جلد اور نفیس کاغذ پر رنگین اور منقش حواشی سے چھپا ہوا مختصر مجلد مجموعہ ہے، جس مین قرآن مجید کی گیارہ سورتین اور چند اوراد ووظائف جمع کئے گئے ہین، ہر صفحہ کے سامنے دوسرے صفحہ پر آیات واوراد کا اردو ترجمہ بھی درج ہی، اس خوبی وخوبصورتی اور حسنِ اہتمام سے شاید قرآنِ پاک کا کوئی حصہ کبھی ہندوستان مین طبع ہوا ہو،

کی تعبیر ہے، جو قوم اپنے قومی و مذہبی اخلاق اور کیرکٹر سے محروم رہیگی، وہ باعزت زندگی سے بھی محروم رہیگی، پھر یہ ثابت کیا گیا کہ یونیورسٹیون کی جس اعلیٰ تعلیم کی طرف ہم جارہے ہین، وہ ہماری شکم سیری کے سامان سے اب تمامتر عاجز ہے، اعلیٰ تعلیم کی طلب صرف علم کی خاطر ہونی چاہئے، بقیہ عام تعلیم صرف شکم سیری کی تدبیرون کے لیے چاہیئے، درمیان مین یہ بتایا گیا تھا کہ موجودہ سرکاری تعلیم، صرف حکومت کے نقطۂ نظر سے دی جارہی ہے، قومی نقطۂ نظر سے یہ نظام تعلیم سراسر خالی ہے اور دین وملت کی پُر حرارت روح سے تمامتر تہی مایہ ہے، یہ بھی کہا گیا کہ میونسپلٹیون اور ڈسٹرکٹ بورڈون کے ذریعہ جو ابتدائی دیہی اور شہری تعلیم دیجارہی ہے اس مین مسلمانون کی ابتدائی تعلیم غیر مشترک اور علحدہ نظام کے ماتحت ہونی چاہئے، اور مقرر کی نگاہ مین اسلام اور مسلمانون کے مصالح کی خاطر غیر مخلوط انتخاب سے زیادہ غیر مخلوط ابتدائی تعلیم کے مطالبہ کی ضرورت ہے، آخر مین ہندوستان کی زبان کے ذریعہ تعلیم بنانے پر زور دیا گیا تھا"

لاہور کے شاہدرہ اسٹیشن سے چند اسٹیشنون کے بعد ایک قصبہ "بدوملہی" ہے، ہم نے حیرت کیساتھ سنا کہ یہ چھوٹا سا قصبہ ہندوستان بھر کے مذاہب کا اکھاڑہ ہے، قادیانی اور احمدی لاہوری جماعتون کے علاوہ عیسائیون اور آریون کا بھی بڑا مرکز ہے، اور کس قدر افسوس کے ساتھ سنا کہ ایک مسلمان زمیندار خاندان یہان عیسائی ہوگیا ہے، یہان کے غریب مسلمان جو زیادہ تر کاشتکار اور مزدور پیشہ ہین، وہ ان مختلف تحریکات اور ترغیبات کے شکار ہو رہے ہین چند سال سے یہان کے بعض مسلمانون نے ایک اسلامی انجمن کے ذریعہ اپنی تنظیم کا کام شروع کیا ہے، ۱۳ - اپریل کی دوپہر کو یہان کے مسلمانون کے شدید اصرار پر لاہور اسٹیشن سے وہان جانا پڑا، وہان مسلمانون کی اصلاحات پر دو دن دو تقریرین کین، امید ہے کہ وہان مسلمانون کی کوششون سے اب ایک ابتدائی اسلامی تعلیم گاہ کا انتظام ہوجائے، اور مسلمانون کی حفاظت کا کام سرانجام پائے،
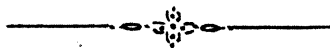
گذشتہ اطلاع کے مطابق ۱۵ - اپریل کو راقم اور اس کے دو رفقائے دارالمصنفین مولوی سعید صاحب انصاری

اور مولوی ریاست علی صاحب ندوی نے لاہور میں دائرۂ معارف اسلامیہ کے اجلاس میں شرکت کی، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سبب سے یو پی کے بھی بعض اہل علم شریک اجلاس تھے، پہلا جلسہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کی صدارت میں شروع ہوا، لاہور کے تمام سربرآوردہ اہل علم اور پنجاب اور دہلی کے کالجوں کے مشرقی علوم کے بعض استاد اور پروفیسر بھی شریک تھے، پہلے اجلاس میں صدارتی خطبوں کے بعد سب سے پہلا مقالہ راقم الحروف کا پیش ہوا جسکا عنوان تھا "لاہور کا ایک مہندس خاندان جسنے تاج اور لال قلعہ بنایا" اس مقالہ میں اس خاندان کے تقریباً ڈیڑھ سو برس کے علمی کارناموں کی سرگذشت نامعلوم گوشوں سے نہایت تلاش اور تفحص کیساتھ مرتب کیگئی تھی، اور تاریخ میں سب سے پہلی دفعہ اس خاندان کے مورث اول نادر العصر استاد احمد معمار شاہجہانی لاہوری کے حالات بتائے گئے، اور اسکے بیٹے ملا لطف اللہ مہندس کی (جو شاہجہان کے زمانہ میں موجود تھا، اور داراشکوہ کا درباری تھا) معاصرانہ شہادت سے یہ ثابت کیا گیا کہ تاج کا معمار درحقیقت یہی استاد احمد معمار شاہجہانی لاہوری ہے، یہ ہندسہ، ہیئت اور ریاضیات کا بہت بڑا عالم تھا، اس دریافت سے وہ تمام افواہیں جو تاج کے کارگروں اور معماروں کی نسبت مشہور تھیں، بے سروپا ہو کر رہ گئیں،

ہمارے دو رفیقوں میں سے مولوی سعید صاحب انصاری نے عربی علم لغت کی تاریخ بڑی جامعیت کے ساتھ لکھ کر پیش کی، اور مولوی ریاست علی صاحب ندوی نے سسلی کے اسلامی تمدن پر اردو میں بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ مشرقی زبان میں سب سے پہلی دفعہ مقالہ پیش کیا جسمیں اس جزیرہ نما کے اسلامی تمدن کے ہر شعبہ پر پوری تفصیل کیساتھ گفتگو کی تھی، دوسرے مقرروں میں سے جہانتک یاد ہے سب سے زیادہ قابل ذکر مضمون دہلی یونیورسٹی کے استاذ علوم مشرقیہ مولنا عبدالرحمن صاحب کا تھا جسمیں تیموری بادشاہوں کے نظام منصبداری کے اصول پر فاضلانہ تبصرہ تھا، علاوہ ازیں پروفیسر شفیع نے تاریخ آل میکال پر، سورتی کے ڈاکٹر ہمدانی نے رسائل اخوان الصفا پر، پروفیسر شیرانی نے اردو کی قدیم نصابی کتابوں پر، ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ نے عربی کے موسیقی خصائص اور اثرات پر، مولنا عبداللہ صاحب چغتائی نے اسلامی مصوری اور نقاشی پر، اور دوسرے فضلاء نے مختلف عنوانوں پر اپنے اپنے دلچسپ مضامین دائرہ کے مختلف جلسوں میں پڑھے اور پیش کئے، اور اسطرح اسلامی مشرقی علوم و فنون کی مجلس کا پہلا اجلاس ۱۶- اپریل کی شب کو بخیر و خوبی ختم ہوا،

مقالات

"انکارِ حدیث"

از مولوی شاہ معین الدین صاحب ندوی، رفیق دار المصنفین

کچھ دنون سے جب سے "حریت فکر" اور "آزادیِ خیال" کی ہوا چلی ہے، ایک جماعت مین جو مذہب کے قیود سے آزاد ہونا چاہتی ہے، حدیث وسنت کے انکار کی عجب وبا پھیل گئی ہے، مذہب کی گرفت زیادہ تر حدیث وسنت کی وجہ سے ہے، کیونکہ کلام اللہ ایک اصولی کتاب ہے جسمین مذہب کے متعلق صرف اصولی اور کلی قوانین ہین تمام جزئیات کا اس مین استقصار نہین ہے اور نہ ہو سکتا تھا، ان اصول اور کلیات کی تشریحات کا دارمدار تمامتر حدیث وسنت پر ہے، اس لیے آزاد پسند طبائع سرے سے حدیث وسنت کی صحت ہی اور اسکے واجب العمل اور قابل صحت ہونے کا انکار کرتے ہین کہ جب حدیث وسنت ہی کوئی شے نہ رہجائیگی تو مذہب کی گرفت خود بخود ڈھیلی پڑجائیگی اور مذہب صرف چند عقائد اور چند عبادات کا نام رہ جائیگا، وہ بھی جدید مجتہدین کی تفسیر کے مطابق کوئی مفسر صرف دو تین وقت کی نماز کافی سمجھ لینگے، کوئی مجتہد اس سے بھی بڑھکر نماز کو صرف دعا اور توجہ قلب کے معنون مین لے کر راہ چلتے، سیر و تفریح کرتے سر راہ گردن جھکا لینا کافی تصور فرمائین گے،

اگر یہ حریتِ فکر انھین کی ذات تک محدود رہتی تو ہم کو اس سے کوئی بحث نہین تھی کہ ہر شخص اپنے خیالات کا مختار ہے، اگر کوئی شخص قرآن سے انکار کر دے تو اسے کون روک سکتا ہے، لیکن قیامت یہ ہے کہ تمسک بالکتاب والسنۃ کی آڑ مین تمام مسلمانون کو ان مزعومات پر ایمان لانے کی دعوت دیجاتی ہے، اور طرفہ تر یہ ہے کہ حدیث و

سنت کی مخالفت، اس کے انکار اور اسکے ناواجب العمل اور ناقابل حجت ہونے کے ثبوت مین حدیث وسنت ہی سے بلکہ اس سے بھی اتر کر طبقات و رجال کی کتابون سے دلیل قائم کیجاتی ہے،

لیکن حدیث، تفسیر، طبقات، رجال اور تاریخ پر ان مجتہدین کی نظر نہین ہوتی بلکہ بسا اوقات عربی زبان سے بھی ناواقف ہوتے ہین، اسلئے اس کوشش مین اپنی ناواقفیت کے عجیب وغریب اور نہایت مضحکہ انگیز نمونے پیش کرتے ہین، کہین ترجمہ غلط، کہین مفہوم غلط، کہین نتیجہ غلط، کہین کسی عبارت کے ناقص ٹکڑے سے استدلال کہین تاریخ سے بیخبری، کہین ان پر مفروضات سے استدلال، کہین طبع زاد شہادتین غرض جہالت، تدلیس، خیانت، کم نظری اور ناواقفیت کا کوئی نمونہ ایسا نہین ہوتا جو انکی تحریرون مین نظر نہ آتا ہو اور یہ تحریرین ہر شخص کی نظر سے گذرتی ہین اور مذہبی علوم سے ناواقف اشخاص پر اس کا برا اثر پڑتا ہے، اس لئے ضرورت تھی کہ ان مجدِ دین کی خیانتون کو اچھی طرح فاش کیا جائے اور حدیث وسنت کے خلاف جس قدر شکوک و شبہات پیش کئے جاتے ہین ان پر تفصیلی بحث کرکے اصل حقیقت واضح کیجائے، آیندہ سطورمین ان شکوک پر تحقیقی نظر ڈالی گئی ہے۔

حدیث وسنت کے واجب العمل اور حجت شرعی ہونے کی مخالفت مین حسب ذیل دلیلین پیش کیجاتی ہین،

(۱) رسول اللہ صلعم نے کتابتِ حدیث سے منع فرمایا ہے (۲) خلفاء حدیثون کو قابل حجت نہین سمجھتے تھے، حضرت ابوبکرؓ حدیثون کی روایت سے روکتے تھے، اپنا مرتب کیا ہوا حدیثون کا مجموعہ جلا ڈالا، حضرت عمرؓ صحابہ کو روایت سے منع کرتے تھے اور روایت کرنے والون کو سزا دیتے تھے، حضرت عثمانؓ حدیثین نہین قبول کرتے تھے (۳) ایسے صحابہ سے روایتین مروی ہین جنھین قرآن نے مردود الشہادہ قرار دیا ہے، (۴) صحابہ اور ائمہ نے حدیثون کے متعلق بری رائے ظاہر کی ہے (۵) احادیث کی تدوین آنحضرت صلعم کے کئی صدی بعد کی گئی ہے اور ان مین ہر طرح کی رطب ویابس روایتین ہین،

یہ وہ اصولی دلائل ہین جو حدیث وسنت کے لائق احتجاج ہونے کی مخالفت مین دیئے جاتے ہین،

اس کے ضمن میں جو واقعات پیش کیے جاتے ہیں وہ اپنے اپنے موقعہ پر آئیں گے،

لیکن یہ تمام اعتراضات معترضین کی کوتاہ نظری، قرآن و حدیث، رجال اور تاریخ اسلام سے ناواقفیت اور منصبِ نبوت کی ناشناسی کا ثبوت ہیں،

ان اعتراضات پر نظر ڈالنے سے پہلے ایک مختصر تمہید سن لینی چاہیئے، حدیث وسنت کے قابلِ احتجاج اور ناقابلِ احتجاج ہونے کی بحث میں سب سے مقدم یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ کا منصب کیا تھا اگر ان کی حیثیت خاکم بدہن محض ایک "پوسٹمین" کی تھی کہ خط پہنچا دینے کے بعد اس کا کام ختم ہوگیا، اور مکتوب الیہ کی اور کسی چیز سے اس سے کوئی بحث نہیں تو بیشک حدیث وسنت قابلِ احتجاج نہیں ہے، لیکن واقعہ اس کے خلاف ہے رسول اللہ کی حیثیت محض خالص پیامبر کی نہیں تھی کہ قرآن کی آیات پہنچا دینے کے بعد آپکی ذمہ داری ختم ہوگئی بلکہ وہ اس پیام کا شارح، مرسل الیہ قوم کا معلم اور طبیب بھی تھا اور عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق غرض تمام دینی اور دنیاوی ضروریات میں اس کا ہادی اور رہنما بنا کر بھیجا گیا تھا، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

ھو الذی بعث فی الامیین رسولًا منھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ	وہ خدا ہی ہے جس نے امیوں میں انھیں میں سے رسول بھیجا جو ان پر انکی آیات تلاوت کرتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے،
(جمعہ رکوع ۱)	

اس آیہ پاک میں رسول کا کام تنہا یہی نہیں بتایا گیا ہے کہ وہ امیوں پر آیاتِ خداوندی کی تلاوت کرتا ہے، بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ انھیں پاک کرتا ہے، اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، جہانتک خالص پیامبری کی ذمہ داری ہے وہ تلاوتِ آیات پر ختم ہوجاتی ہے پھر یہ تزکیہ اور تعلیم کتاب وحکمت کیا چیز ہے، یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ کتاب عربی میں تھی، اور عربوں پر نازل ہوئی تھی، وہ اُسے خود سمجھ سکتے تھے پھر تعلیم کتاب وحکمت کے کیا معنی اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ تنہا اور خالص پیامبر ہی نہیں تھے بلکہ اس سے بڑھکر کچھ اور بھی تھے، اسکو خود قرآن نے بتایا ہے کہ

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ	مسلمانو! رسول اللہ کی ذات تمہارے لیے نمونہ ہے،

اس آیۂ پاک مین ذات نبویؐ کو کس چیز مین نمونہ قرار دیا گیا ہے، کیا محض احکام قرآنی کے مان لینے مین؛ اگر یہ مقصد ہوتا تو رسول اللہ کی ذات کو اسوہ کہنے کی ضرورت نہ تھی، بلکہ صاف الفاظ مین کہا گیا ہوتا کہ قرآن کو مان لو، جیسا کہ دوسرے مواقع پر اس مقصد کو اسی قسم کے الفاظ مین ادا کیا گیا ہے، اس لئے معلوم ہوا کہ اسوہ کا کوئی اور مفہوم ہے جو احکام قرآنی کے ماننے سے زیادہ وسیع ہے اور وہ خود لفظ اسوہ سے ظاہر ہوتا ہے، اسوہ یا نمونہ عرف عام مین بھی اسی کو کہتے ہین، جسکا ہر قول وعمل جسکی ہر نقل وحرکت اور جسکی ہر ادا قابلِ تقلید ہے، اور انھین اقوال و اعمال کو حدیث وسنت کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے،

اس موقع پر اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے، کہ کلام اللہ ایک اصولی کتاب ہے جسمین عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق کے متعلق صرف کلی اصول ہین، باقی ان کی تفصیلات اور جزئیات کے استقصار کی اس مین گنجایش تھی اور نہ ہین، ان کلی کی جزئیات، اس اصول کی فروعات اور اس اجمال کی تفصیل کے لئے ذات پاک محمدی زندہ کتاب ہے جسکا ہر قول وعمل متن قرآنی کی شرح ہے، قرآن کے اصولون کی تشریح بغیر نبیؐ کی وضاحت کے نہین ہو سکتی، چنانچہ

وما انزلنا علیك الکتاب الا لتبین لھم، اور نہین اُتاری ہمنے تیرِ کتاب مگر اسلیے کہ تم اسکو کھول کھولکر واضح بیان کرو،

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس، ہمنے تمھاری طرف اسلئے نصیحت اتاری تاکہ تم لوگون کیلئے اسکو واضح بیان کرو،

ظاہر ہے کہ جہانتک قرآن کی عربی عبارت کا تعلق ہے، ہر عرب سمجھ سکتا تھا، پھر اس تبیین اور وضاحت کے کیا معنی، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مین کچھ اور بھی ہے جسکی وضاحت نبی ہی کر سکتا ہے، اور یہی وضاحت حدیث وسنت ہے، حدیث مین اس مفہوم کو اس سے زیادہ صاف اور واضح بیان کیا گیا ہے،

عن زیاد بن لبید قال ذکر النبی صلعم شیئاً فقال ذاک عند اوان ذھاب العلم قلت یا رسول اللہ کیف یذھب العلم ونحن نقرأ القرآن ونقرئہ — زیاد بن لبید بیان کرتے ہین کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی چیز بیان کیگئی آپ نے فرمایا یہ علم کے جانے کے وقت ہوگی، مین نے کہا یا رسول اللہ علم کیونکر چلا جائیگا جبکہ ہم قرآن پڑھتے ہین، اپنے

ابناؤنا ویقرئہ ابناؤنا ابناؤھم الی یوم القیٰمۃ قال ثکلتک امک زیاد ان کنت لاراک من افقہ رجل بالمدینۃ اولیس ھذا الیھود والنصاریٰ یقرؤن التوراۃ والانجیل ولا یعلمون بشئ مما فیھما (ابن ماجہ باب ذھاب العلم)

لڑکون کو پڑھاتے ہین اور ہمارے لڑکے اپنے لڑکون کو پڑھائینگے اور سلسلہ قیامت تک قائم رہیگا، فرمایا زیاد، تیری ماں تجھکو روئے مین تجھکو مدینہ مین سب سے زیادہ سمجھدار جانتا تھا، کیا یہود و نصاریٰ انجیل و توراۃ کی تلاوت نہین کرتے ہین، لیکن ان مین جو کچھ ہے اس سے بالکل بیخبر ہین،

اس سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کے محض لفظی معنی سمجھ لینے سے اس کا پورا علم حاصل نہین ہوتا اسی لئے نبی کو اسکی وضاحت کا حکم دیا گیا ہے اور وہ جو کچھ بیان کرتا ہے وہ اپنی طرف سے نہین بلکہ خدا ہی کی طرف سے ہوتا ہے، خواہ وحی کی زبان مین ہو یا خدا کی دی ہوئی بصیرت کی روشنی مین جسے ہم حدیث و سنت کہتے ہین، جیسا کہ خود قرآن کہتا ہے،

وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ،

نبی اپنی طرف سے کچھ نہین کہتا بلکہ وہ وحی ہوتی جو اسکو بھیجی جاتی ہے،

انا انزلنا الیک الکتٰب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ،

ہم نے تمہاری طرف سچائی کیساتھ صرف اسلئے کتاب اتاری ہے کہ تم لوگون کے درمیان اللہ کی دی ہوئی روشنی کے مطابق فیصلہ کرو،

اسی لئے کسی دینی اور دنیاوی معاملہ مین رسول اللہ کے فیصلہ کے بعد چون و چرا کی گنجایش باقی نہین رہتی،

وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ و رسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ و رسولہ فقد ضل ضلالاً بعیداً،

اور مومن مرد اور عورت کو یہ اختیار نہین رہتا کہ جب اللہ اور اس کا رسول ان کے کسی معاملہ مین کوئی فیصلہ کرے تو وہ اسمین چون و چرا کرین اور جس شخص نے خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلا گمراہ ہوا،

ان آیات سے یہ ثابت ہوگیا کہ رسول جو کچھ کہتا ہے وہ خدا ہی کی دی ہوئی روشنی مین کہتا ہے اور اس کے فیصلہ کے بعد کسی مسلمان کو اس مین چون و چرا کا حق باقی نہین رہتا، اس لئے اس کا ہر قول و فعل واجب العمل

ہوا اور اسکی اتباع مین خدا اور قرآن کی اتباع ہوئی، چنانچہ خود خدائے تعالیٰ فرماتا ہے،

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ، ہمنے نہین بھیجا کسی رسول کو مگر اسلئے تا کہ خدا کے حکم سے اسکی اطاعت کیجائے

اور خود رسول کی زبان سے اسکی اتباع کو فرض قرار دیا گیا،

ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ، اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری اتباع کرو خدا تمکو دوست رکھیگا،

اس آیۂ پاک مین خدا کی محبت اور خدا کی بارگاہ مین محبوب بننے کے لیے رسول اللہ کی اتباع ضروری قرار دیگئی، یہ نہین فرمایا گیا کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو قرآن کو مان لو، خدا تم کو دوست رکھیگا، بلکہ فرمایا گیا کہ میری اتباع کرو، ظاہر ہے کہ یہ اتباع اتباع بالحدیث والسنہ کے سوا اور کوئی دوسری شے نہین ہوسکتی، دوسرا قابل غور ایک اور امر ہے، مگر اس سے پہلے حدیث وسنت کا مفہوم اور منشا واضح ہوجانا چاہئے، محدثین کے نزدیک تو حدیث وسنت کا مفہوم نہایت وسیع ہے، لیکن زیر بحث موضوع کے اعتبار سے ہم اسے محدود کرکے یہ کہتے ہین کہ حدیث وسنت سے مراد آنحضرت صلعم کے وہ اقوال واعمال ہین جو آپ نے مسلمانون کی تعلیم وتربیت کے سلسلہ مین فرمائے ہون، غالبًا اس تعریف مین کسی کو شک وشبہہ کی گنجایش نہ ہوگی، اس معنی کی تعیین کے بعد سوال یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلعم نے مسلمانون کو کوئی دینی یا دنیوی تعلیم دی یا کسی مسلمان کے سوال یا پیش آمدہ صورت کے متعلق کوئی جواب دیا یا کوئی حکم صادر فرمایا، تو یہ تعلیم یہ جواب اور یہ فیصلہ عارضی اور وقتی مانا جائیگا اور آپ کے بعد ان کی ہدایت ورہنمائی اور عملی حیثیت ختم ہوجائیگی، اسے کون عقل تسلیم کرسکتی ہے، اس کی مثال روزانہ کے دنیاوی معاملات مین لیجیے، ایک باپ یا معلم اپنے بچہ اور شاگرد کو جو تعلیم وتربیت دیتا ہے اور جو زرین اصول اخلاق یا علوم سکھاتا ہے، کیا وہ محض سنانے کے لیے اور وقتی ہوتے ہین، ان پر عمل کی ضرورت نہین ہوتی اور مکتب ودرس سے نکلنے کے بعد انھین طاق نسیان کے حوالہ کردیا جاتا ہے ظاہر ہے کہ ایسا نہین ہے بلکہ بچہ اور شاگرد کی بچپن کی صالح تعلیم وتربیت اس کی آیندہ زندگی کی رہنما ہوتی ہے، پھر جب ایک باپ اور دنیاوی استاد کی تعلیم وتربیت انسان کے لیے دائمی لائحۂ عمل ہے تو اس استاد

اور اس معلم خدا اوندی کی تعلیم جو تمام دنیا کو تعلیم دینے اور اُن کے اخلاق سدھارنے کے لیے آیا تھا اور اس دعویٰ کیساتھ آیا تھا کہ وہ دنیا کا آخری معلم اور اسکی تعلیم دنیا کے لیے دائمی اور آخری تعلیم ہے اس لائق ہے کہ اس کے بعد اسے طاق نسیان کے حوالہ کر دیا جائے کلا ثم کلا اور انکی یہی تعلیم و تربیت حدیث و سنت ہے،

یہانتک "اتباع رسول" کے متعلق قرآنی احکام سے بحث تھی اب حدیث کے احکام ملاحظہ ہون ایک نہین بیسیون صحیح احادیث مین اتباع حدیث و سنت کو مسلمانون کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے،

عن ابی ھریرۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ الخ (مسلم کتاب الامارۃ ج ۲ ص مطبوعہ مصر و بخاری. دعاء النبی صلعم)

ابو ہریرہ رسول اللہ صلعم سے روایت کرتے ہین آپ فرماتے تھے کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی، الخ

اس حدیث مین آپنے اپنی اطاعت کو خدا کی اطاعت اور اپنی نافرمانی کو خدا کی نافرمانی قرار دیا، خدا کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور اس کے حکم کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی نہین بتایا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ قرآنی احکام کے ساتھ نبی کے احکام کی اطاعت بھی جو اسی سے مستنبط ہین، ٹھیک ویسی ہی ضروری ہے، دوسری حدیث مین اس اطاعت کی خود تشریح فرمادی ہے،

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلعم ما امرتکم بہ فخذوہ وما نھیتم عنہ فانتھوا، (ابن ماجہ ج اول ص ۲ مطبع عہ فاروقی دھلی)

ابو ہریرہ کہتے ہین کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جس چیز کا مین تکو حکم دون اسکو اختیار کرو اور جس چیز سے منع کرون اس سے رک جاؤ،

اس حدیث مین قرآن کی تخصیص نہین ہے کہ جس چیز کا قرآن حکم دے اسے اختیار کرو اور جس چیز سے وہ روک دے اس سے رک جاؤ، بلکہ فرمایا کہ جس چیز کا مین حکم دون اسے اختیار کرو اور جس چیز سے روکون اس سے رک جاؤ اس سے معلوم ہوا کہ قرآنی احکام کے علاوہ آپ کے دوسرے احکام و فرامین بھی قرآنی احکام کی طرح واجب الطاعۃ ہین، مسلم

مین یہ روایت ان الفاظ مین ہے،

کان ابوھریرۃ یحدث انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول مانھیتکم عنہ فاجتنبوہ وما امرتکم بہ فافعلوہ (مسلم کتاب الفضائل ج ۲ ص ۳۰۲)

ابوہریرہؓ بیان کرتے تھے کہ انھون نے سنا رسول اللہ صلعم فرماتے تھے کہ مین جس چیز سے تم کو منع کرون اس سے بچو اور جس چیز کا حکم دون اسے اختیار کرو،

احکام نبوی کے واجب الطاعۃ ہونے کی اس سے زیادہ واضح سند کیا چاہئے، ممکن ہے کوئی صاحب یہ اعتراض کرین کہ اس مین احکام نبوی کے واجب الطاعۃ ہونے کا حکم حدیث کے متعلق کہان ہے، گو حدیث رسول اللہ صلعم کے احکام کی ایک قسم ہے، تاہم معترضین کی تشفی کے لیے ذیل کی تشریحی روایت پیش کیجاتی ہے، جس کے بعد کسی شک و شبہہ کی گنجایش باقی نہین رہتی،

عن المقدام بن معدیکرب الکندی ان رسول اللہ صلعم قال یوشک الرجل متکئا علی اریکتہ یحدث بحدیث من حدیثی فیقول بیننا وبینکم کتاب اللہ عزوجل فما وجدنا فیہ من حلال استحللناہ وما وجدنا فیہ من حرام حرمناہ الا وان ماحرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل ماحرم اللہ (ابن ماجہ ص ۳)

مقدام بن معدیکرب الکندی روایت کرتے ہین کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ قریب ہے کہ آدمی (اپنے پرتکلف) اور آراستہ تخت پر بیٹھا ہو جب اس سے میری کوئی حدیث بیان کیجائے تو وہ کہے کہ ہمارے تمھارے درمیان کتاب اللہ عزوجل موجود ہے، ہم جو چیز اسمین حلال پائینگے اسکو حلال سمجھینگے اور جو حرام پائینگے اسکو حرام سمجھینگے (ایسے لوگون کو) آگاہ ہوجانا چاہئے کہ جو رسول اللہ نے حرام کیا ہے وہ بھی خدا کی حرام کی ہوئی چیز کی طرح حرام ہے،

کیا اس کے بعد بھی حدیث کے واجب العمل اور واجب الطاعۃ ہونے مین کوئی شبہہ باقی رہجاتا ہے؟ تمسک بالکتاب کے مبلغین کو خصوصیت کیساتھ اس حدیث پر غور کرنا چاہئے، یہ تو حدیث کے متعلق تھا، گو حدیث و سنت نتیجۃ ایک ہی ہین تاہم لفظ "سنت" کے ساتھ ملاحظہ ہو،

عن عرباض بن ساریۃ قال صلی لنا رسول اللہ

عرباض بن ساریہ روایت کرتے ہین کہ ایک دن فجر کو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ الفجر ثم وعظنا موعظۃ بلیغۃ ذرفت منہا العیون و وجلت منہا القلوب فقال قائل یارسول اللہ کانہا موعظۃ مودع فاوصنا فقال اوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعۃ وان کان عبدا حبشیا فانہ من یعش بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ خلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیہا بالنواجذ وایاکم والمحدثات فان کل محدثۃ بدعۃ (مسند دارمی ص ۲ مطبع نظامی کانپور)

صلعم نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی نماز کے بعد ایک بلیغ وعظ فرمایا جس سے آنکھیں بہ نکلیں اور دل خوفزدہ ہوگیا، ایک کہنے والے نے کہا یا رسول اللہ یہ رخصتی وعظ معلوم ہوتا ہے، اس لیے ہم کو کچھ وصیت فرماتے جائیے آپ نے فرمایا مین تم کو خدا سے خوف کی اور اطاعت و فرمانبرداری کی وصیت کرتا ہون خواہ حبشی غلام ہی کیون نہ ہو، جو شخص میرے بعد زندہ رہیگا اسکو بہت سے اختلافات سے سابقہ پڑیگا، ایسے وقت مین تم لوگ میری سنت اور ہدایت یاب خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی کرنا، اسکو اپنے کچلون سے پکڑ لینا اور محدثات سے بچنا کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے،

علیکم بسنتی کے واضح اور صریح حکم کے بعد کون اقتدار با لسنۃ کے خلاف لب کشائی کرسکتا ہے، کتاب اللہ کے بعد مسلمانون کے لیے سنت رسول ہی رہنما ہے، آپ نے اسی کا حکم دیا ہے اور صحابہ کا اسی پر عمل تھا، جب آپنے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا عامل مقرر کیا تو روانگی سے پہلے ان سے امتحاناً پوچھا فیصلہ کس طرح کروگے؟ معاذ نے کہا قرآن سے، فرمایا اگر اسمین نہ ملے، عرض کیا سنت رسول اللہ کے مطابق، فرمایا اگر اُسمین بھی نہ ملے، عرض کیا تو مین خود اجتہاد کرونگا، یہ جواب سنکر آنحضرت صلعم بہت مطمئن اور مسرور ہوے، اور فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس نے رسول اللہ کے رسول کو ایسی چیز کی توفیق دی، جس کو اس کا رسول پسند کرتا ہے، (مسند ابن حنبل ج ۵ ص ۲۳۵ وسلم و بخاری)

اس واقعہ مین امام امت حضرت معاذ بن جبل نے کتاب اللہ کے بعد سنت رسول ہی کو رہنما بنایا اور آنحضرت صلعم نے ان کے بیان پر پسندیدگی ظاہر فرمائی، اگر سنت کوئی شے نہ ہوتی تو آپ معاذ کو اس سے روکتے

یا پسندیدگی ظاہر فرماتے، غالباً اتنی مستند روایات کے بعد حدیث و سنت کے واجب الطاعہ ہونے مین کوئی شک و شبہہ باقی نہ رہ جائیگا،

اس تمہید کے بعد اب معترضین کے ان دلائل کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، جو حدیث و سنت کی مخالفت مین پیش کرتے ہین، سب سے بڑی دلیل یہ پیش کیجاتی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے کتابتِ حدیث سے منع فرمایا ہے جیسا کہ حدیث کی اکثر کتابون مین ہے،

(۱) لا تکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ، مجھ سے کچھ مت لکھو اور جس نے قرآن کے علاوہ کچھ لکھا ہو اسکو چاہئے کہ مٹا ڈالے،

اس حکم سے حدیث و سنت کے ناقابلِ حجت اور نا واجب العمل ہونے کا نتیجہ پیدا کیا جاتا ہے کہ اگر حدیث واجب ہوتی تو اس کے لکھنے کی کیون ممانعت فرمائی جاتی، معلوم نہین یہ کونسی منطق ہے، دعوی کو دلیل سے کوئی تعلق ہونا چاہئے، کسی کے قلمبند کئے جانے کی ممانعت اور شے ہے اور اس کا واجب العمل ہونا اور شے، کتابت کی ممانعت سے اس کا نفاذ کہان سے ساقط ہو جائیگا، دوسرے یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ ممانعت کن حالات اور کن مصالح کی بنا پر کی تھی اور وہ وقتی تھی یا دائمی،

بیشک ابتدا مین رسول اللہ صلعم نے کتابت حدیث کی ممانعت کی تھی، لیکن مطلق اور دائمی نہین بلکہ خاص مصالح کی بنا پر اور وقتی، ابتدا مین بہت کم مسلمانون کو لکھنا آتا تھا، اور جو جانتے بھی تھے وہ بھی یون ہی سا معمولی، اس لیے ان کے حدیثون کے قلمبند کرنے مین غلط سلط لکھ جانے کا خطرہ تھا، دوسرے شروع مین خاص صحابہ کے علاوہ عام مسلمانون مین کلام اللہ اور کلام رسول اللہ کے درمیان فرق و امتیاز قائم رکھنے کا صحیح مذاق پیدا نہ ہوا تھا، اس لیے دونون کے مخلوط ہو جانے کا خطرہ تھا، اس اہم خطرہ سے حفاظت کے لیے آپ نے ابتدا مین ممانعت کی تھی لیکن جب فن کتابت ترقی کر گیا اور صحابہ مین کلام اللہ اور کلام رسول اللہ مین فرق و امتیاز کی پوری صلاحیت آگئی تو آپ نے یہ ممانعت اٹھالی، اور جو لوگ لکھنے مین مہارت رکھتے تھے انھین کتابت کی اجازت دیدی، چنانچہ عبد اللہ

بن عمرؓ کا بیان ہے،

عن عبد اللہ بن عمرو قال کنت اکتب کل شئ اسمعہ من رسول اللہ صلعم ارید حفظہ فنھتنی قریش وقالوا اتکتب کل شئ تسمعہ رسول اللہ صلعم بشر یتکلم فی الغضب والرضا فامسکت عن الکتاب فذکرت ذالک الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاومأ باصبعہ الی فیہ فقال اکتب فوالذی نفسی بیدہ مایخرج منہ الا الحق۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۸ مطبع قادری دہلی وبخاری ومسلم)	عبد اللہ بن عمرو روایت کرتے ہین کہ مین حفظ کرنے کے خیال سے رسول اللہ صلعم سے جو کچھ سنتا تھا سب لکھ لیتا تھا، قریش نے مجھکو منع کیا اور کہا کیا تم رسول اللہ صلعم سے جو سنتے ہو لکھ لیتے ہو حالانکہ آپ بشر ہین غصہ اور رضا دونون کی حالت مین فرماتے ہین، انکے کہنے پر لکھنے سے رک گیا اور رسول اللہ صلعم سے اس کا تذکرہ کیا، آپ نے اپنی انگلیون سے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا تم لکھا کرو قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ مین میری جان ہے اس سے حق کے سوا کچھ نہین نکلتا،

مسند دارمی کی روایت ہے،

عن عبد اللہ بن عمرو انہ اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یارسول اللہ انی ارید ان اروی من حدیثک فاردت ان استعین بکتاب بیدی مع قلبی ان رأیت ذالک فقال رسول اللہ صلعم ان کان حدیثی ثم استعن بیدک مع قلبک (مسند دارمی ص ۷۷)	عبد اللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہین کہ مین رسول اللہ کی خدمت مین حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ مین چاہتا ہون کہ آپکی احادیث روایت کرون اس لئے چاہتا ہون کہ اپنے قلب (کی یادداشت) کے ساتھ اپنے ہاتھ کی تحریر سے بھی مدد لون، اگر آپ اسے مناسب خیال فرمائین رسول اللہ صلعم نے فرمایا اگر میری حدیث ہے تو تم اپنے قلب کیساتھ اپنے ہاتھ سے بھی مدد لے سکتے ہو (یعنی لکھ سکتے ہو)

یہ واضح رہے کہ یہ اجازت تنہا عبد اللہؓ کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ بہت سے صحابہ حدیثین لکھا کرتے اور

آپ کے علم اور اجازت سے،

عن ابی قبیل قال سمعت عبداللہ بن عمرو قال بینما نحن حول رسول اللہ صلعم نکتب اذ سئل رسول اللہ صلعم ای المدینتین تفتح اولا قسطنطنیۃ او رومیۃ (مسند دارمی ص)	ابی قبیل بیان کرتے ہین کہ مین نے عبداللہ بن عمرو سے سنا وہ کہتے تھے کہ ہم لوگ رسول اللہ کے گرد (حدیث) لکھتے تھے، اتنے مین کسی نے آپ سے پوچھا دونون شہرون مین کون پہلے فتح ہوگا، قسطنطنیہ یا رومیہ،

بعض اوقات دوسرون کی درخواست پر آنحضرت صلعم خود لکھوا دیا کرتے تھے، چنانچہ فتح مکہ مین جب آپ نے تحریم حرم پر خطبہ دیا تو ایک یمنی ابوشاہ نے درخواست کی یا رسول اللہ مجھکو یہ احکام لکھوا دیئے جائین؟ انکی درخواست پر آپ نے فرمایا،

اکتبوا لابی شاہ (مسلم کتاب الحج باب تحریم مکہ ج اول ص ۴۳۹) ابی شاہ کے لیے لکھ دو،

آپ کے مرض الموت کا مشہور واقعہ بخاری اور مسلم سب مین ہے کہ جب آپکی حالت غیر ہوئی تو آپ نے کچھ لکھنے کے لیے قلم و دوات مانگی، حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہین کہ جب رسول اللہ صلعم کا مرض بڑھ گیا تو آپ نے فرمایا کہ قلم دوات یا کاغذ اور دوات لاؤ مین تمھارے لیے ایک تحریر لکھدون تاکہ میرے بعد گمراہ نہ ہو (مسلم ج ۲ ص ۴۳ مطبوعہ مصر بخاری کے مختلف ابواب مین یہ واقعہ ہے)

آپ نے کس چیز کے لکھنے کے لیے قلم دوات منگوائی تھی، ظاہر ہے کہ حدیث تھی آپ جو بھی لکھتے وہ حدیث رسول ہی ہوتی، یہ بھی واضح رہے کہ یہ رسول اللہ کا آخری فعل ہے،

آپ نے اپنے عمال کو بہت سے احکام لکھوا کر بھیجے، جنپر حضرات خلفاے راشدین کے عہد مین بھی عمل ہوتا رہا، اور وہ تحریری ہدایات علم حدیث کا پہلا مجموعہ ہین،

دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر بالفرض یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ آپنے کتابتِ حدیث کی دائمی ممانعت فرمائی تو اس سے روایتِ حدیث اور حدیث و سنت کے ناواجب العمل اور ناواجب الطاعۃ ہونے کا ثبوت کہان سے

نکلتا ہے، کتابتِ حدیث کی ممانعت اور شے ہے اور حدیث کی روایت اور اسکا واجب العمل ہونا اور شے، کسی قانون کے نفاذ اور واجب العمل ہونے کے لیے اس کا تحریری ہونا ضروری نہین ہے خصوصاً عہد رسالت مین تو تحریر کی ضرورت ہی نہ تھی، ادھر زبانِ مبارک سے کچھ نکلا ادھر اس پر عمل شروع ہوگیا، اور پھر یہ عمل تواتر کی شکل مین چلا اس لئے تحریر کی ضرورت ہی نہ تھی، باقی حدیث کی روایت اور اسکی اشاعت کی جو موضوعِ بحث ہے آپ نے خود اجازت مرحمت فرمائی ہے،

حدثوا عنی ولاحرج (مسلم) مجھ سے حدیث بیان کرو اسمین کوئی مضائقہ نہین،

بلکہ مبلغ حدیث کے لئے دعا فرمائی ہے،

عن زید بن ثابت قال سمعت رسول اللہ صلعم یقول نضر اللہ امرأ سمع منا حدیثا فحفظہ حتی یبلغہ فرب حامل فقہ الی ھو افقہ منہ ورب حامل فقہ لیس بفقیہ (ابوداؤد ج ۲ ۱۵۹ باب فضل نشر العلم)

زید بن ثابت روایت کرتے ہین کہ مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ خدا اس شخص کو تر و تازہ اور شاداب رکھے جس نے ہم سے ایک حدیث سنی اور اسکو محفوظ رکھا یہانتک کہ دوسرے کو پہنچایا کیونکہ بسا اوقات علم کا حامل ایسے شخص تک پہنچاتا ہے جو اس سے زیادہ سمجھدار ہوتا ہے اور بسا اوقات حامل خود سمجھدار نہین ہوتا،

آپ نے حجۃ الوداع مین جو آخری اور مشہور خطبہ دیا تھا اور جسمین مسلمانون کے لیے بہت احکام اور ہدایات بیان فرمائے تھے، بخاری و مسلم و ابوداؤد وغیرہ حدیث کی تقریباً کل کتابون مین کلا یا جزءً موجود ہے، اس کے آخر مین یہ حکم ہے کہ "فلیبلغ الشاھد الغائب" یعنی وہ لوگ جو موجود ہین ان احکام اور ہدایات کو ان مسلمانون تک پہنچا دین جو موجود نہین ہین، یہ تبلیغ کا حکم کس چیز کے لیے تھا کیا حدیث کے علاوہ کوئی شے تھی اور کیا محض کانون تک پہنچانے کا منشا تھا کہ محض سنا دینا باقی اس پر عمل کی کوئی ضرورت نہین، اور یہ حضور کا آخری فعل ہے، کیونکہ حجۃ الوداع کے بعد آپ کی زندگی مین کبھی مسلمانون کا اتنا بڑا اجتماع نہین ہوا، غالباً

اتنے واقعات منکرینِ حدیث کی تشفی کے لیے کافی ہونگے،

(۲) دوسری دلیل یہ پیش کیجاتی ہے کہ خلفائے راشدین خصوصاً شیخین حدیثون کو ناقابلِ حجت سمجھتے تھے، اور اس کے ثبوت مین حسب ذیل واقعات پیش کرتے ہین،

(۱) آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ نے لوگون کو جمع کرکے کہا کہ تم لوگ رسول اللہ صلعم سے حدیثین بیان کرتے ہو اور اس مین اختلاف پیدا ہوتا ہے، تمھارے بعد جو لوگ آئین گے ان مین تم سے زیادہ اختلاف پیدا ہوگا، اس لئے تم لوگ رسول اللہ صلعم سے کوئی حدیث بیان نہ کرو، جو شخص تم سے حدیث پوچھے اس سے کہدو کہ ہمارے تمھارے درمیان کتاب اللہ موجود ہے، اس کے حلال کئے ہوئے کو حلال سمجھو اور اسکے حرام کئے ہوئے کو حرام (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳)

(۲) حضرت ابوبکرؓ نے پانسو حدیثون کا مجموعہ تیار کیا تھا، ایک رات کو آپ بہت بےچین رہے، آپکی بےچینی سے حضرت عائشہؓ پریشان ہوئین اور پوچھا آپ کسی بیماری کی وجہ سے بےچین ہین یا کوئی ناگوار بات پیش آئی، صبح ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ بیٹی حدیثون کا وہ مجموعہ لے آؤ جو تمھارے پاس رکھا ہے، حضرت عائشہؓ اس کو لے آئین آپنے اس کو لیکر جلا دیا، حضرت عائشہؓ نے پوچھا آپ نے جلا کیون دیا، فرمایا مجھے خوف معلوم ہوا کہ مین مرجاؤن اور یہ مجموعہ محفوظ رہ جائے، ممکن ہے مین نے اس مین ایسے لوگون سے حدیثین لی ہون جنکو مین امین سمجھتا ہون اور مجھے ان پر وثوق ہے، لیکن وہ حدیثین ایسی نہ ہون، (تذکرۃ الحفاظ ذکر ابوبکرؓ)

حضرت عمرؓ کی مخالفت حدیث مین یہ واقعات پیش کئے جاتے ہین، (۱) آپ فرماتے تھے، حسبنا کتاب اللہ (۲) لوگون کو حدیثون کی اشاعت سے روکتے تھے، قرظہ بن کعب راوی ہین کہ جب حضرت عمرؓ نے ہم لوگون کو عراق بھیجا تو خود مشایعت کو نکلے، اور ہم سے پوچھا کہ تم کو معلوم ہے مین تمھارے ساتھ کیون آیا ہون، لوگون نے عرض کیا ہماری عزت افزائی کے لیے، فرمایا ہان لیکن یہ بھی غرض ہے کہ تم لوگ ایسے

مقام پر جاتے ہو، جہاں کے باشندوں کی آوازیں قرآن پڑھنے میں شہد کی مکھیوں کی طرح گونجتی رہتی ہیں، تم اُن کو احادیث میں روک کر قرآن سے غافل نہ کر دینا، قرآن میں آمیزش نہ کرو، اور رسول اللہ صلعم سے کم روایت کرو میں تمہارا شریک ہوں، قرظ جب عراق پہنچے تو لوگوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کرو، انھوں نے کہا ہمکو عمرؓ نے منع کیا ہے (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶)

(۳) ابو سلمہ نے ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ کیا تم اسی طریقہ سے عمرؓ کے زمانہ میں بھی حدیثیں بیان کرتے تھے انھوں نے کہا اگر میں عمرؓ کے زمانہ میں اس طرح حدیثیں بیان کرتا تو وہ مجھکو دُرّے سے مارتے (تذکرۃ الحفاظ ج اول)

(۴) عبد اللہ بن مسعودؓ، ابو درداءؓ اور ابو مسعودؓ انصاری کو کثرتِ روایت کے جرم میں قید کر دیا تھا اور کہا تم لوگ رسول اللہ صلعم سے روایت کرتے ہو (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷)

(۵) حذیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بیان کرتے تھے، سلمان فارسی نے کہا تم اس سے باز آؤ ورنہ میں عمرؓ کو لکھونگا، (ابوداؤد)

یا اس قبیل کے دو ایک اور واقعات سے اگر مل سکیں، منکرین حدیث یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ حدیثوں کو قابلِ حجت نہیں سمجھتے تھے، ورنہ احادیث اور رواۃ کے متعلق یہ مخالفانہ طرزِ عمل کیوں ہوتا،

اوپر کے واقعات میں سے اکثر تذکرۃ الحفاظ میں ضرور ہیں، لیکن ان سے حدیث و سنت کے خلاف نتیجہ نکالنا معترضین کی کوتاہیِ نظر اور ان کا قصورِ فہم ہے، جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ ان میں سے بعض روایات سرے سے غلط ہیں، یہ ضروری نہیں ہے، کہ تذکرۃ الحفاظ کی اس قسم کی ہر روایت قابلِ قبول ہو خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ صحاح کی مستند روایات میں احادیث و سنت کی اشاعت اور اس کے واجب العمل ہونے کے صریحی احکام اور خلفاء کے احتجاج بالحدیث والسنہ کے ایک دو نہیں بلکہ بیسیوں واقعات موجود ہیں، (اوّل الذکر کی روایتیں اوپر گذر چکی ہیں اور آخر الذکر کی آیندہ آئیں گی) اور بعض روایتوں کا مطلب غلط سمجھکر ان سے غلط نتیجہ پیدا کیا جاتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ ان سے مخالفتِ حدیث کا نتیجہ ہی نہیں نکلتا

خود حافظ ذہبی بھی اس نتیجہ پر نہیں پہنچے ہیں، اگر وہ یہ نتیجہ نکالتے تو خود اتنے بڑے محدّث و امام کیوں ہوتے،
اور مناقب محدّثین کے بجائے ان کے مثالب لکھتے، پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ حافظ ذہبی نے بہت سے واقعات
خلفاء کے احتجاج بالحدیث والسنۃ کے لکھے ہیں، ان کثیر واقعات کو چھوڑ کر بعض ایسے مشتبہ واقعات کو لینا
جن سے بزعم منکرین حدیث، حدیث کی مخالفت نکلتی ہے، کہاں تک جائز ہے، اوپر کی روایات سے صرف
احتیاط فی الروایۃ ثابت ہوتی ہے جیسا کہ ہر صاحب نظر سمجھتا ہے، اور خود حافظ ذہبی بھی یہی سمجھتے ہیں اور
یہی سمجھکر ان کو کتاب میں نقل کیا ہے، ان واقعات پر نظر ڈالنے سے پہلے ہم کو احتجاج بالحدیث والسنۃ
کے باب میں ابوبکرؓ و عمرؓ کے عمل کو دیکھنا چاہئے،

ان "جدید محدّثین" کے علاوہ تمام محدّثین اور ائمہ اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ خلفائے راشدین کتاب اللہ کے بعد حدیث
وسنت ہی کو رہنما سمجھتے تھے اسی لئے وہ خلفائے راشدین کہلاتے تھے کہ کسی چیز میں عمل نبوی سے سر مو تجاوز
نہ کرتے تھے، حدیث وطبقات کی کتابیں اس قسم کے واقعات سے معمور ہیں، خصوصاً شیخین اس بارہ میں اور
زیادہ متشدد تھے، حضرت ابوبکرؓ کا دستور العمل یہ تھا کہ جب کوئی صورت پیش آتی تھی تو پہلے کتاب اللہ اس کے
بعد سنت رسول اللہ کی طرف رجوع کرتے تھے، مسند دارمی میں ہے،

کان ابو بکر اذا ورد علیہ الخصم نظر فی کتاب فان وجد فیہ ما یقضی بینھم قضی بہ وان لم یکن فی الکتاب وعلم من رسول اللّٰہ فی ذلک الامر سنۃ قضی بہ فان اعیاہ خرج فسال المسلمین (مسند دارمی)	ابوبکر کے سامنے جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تھا تو پہلے کتاب اللہ میں دیکھتے تھے اگر اس میں پاتے تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے اور اگر کتاب اللہ میں نہ ہوتا اور رسول اللہ سے اس بارہ میں کوئی سنت ہوتی تو اسکے مطابق فیصلہ کرتے اگر اس سے بھی حل نہ ہوتا تو مسلمانوں سے پوچھتے

علامہ ابن قیم بحوالہ کتاب القضاء ابو عبید لکھتے ہیں،

کان ابو بکر الصدیق اذا ورد علیہ حکم	ابوبکر کے سامنے جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تھا تو پہلے

نظر فی کتاب اللہ تعالیٰ فان وجد فیہا مایقضی بہ قضی بہ وان لم یجد فی کتاب اللہ نظر فی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان وجد فیہا مایقضی بہ قضی بہ فان اعیاہ ذالک سأل الناس ھل علمتم ان رسول اللہ صلعم قضی فیہ بقضاء فربما قام الیہ القوم فیقولون قضی بہ بکذا وکذا فان لم یجد سنۃ سنہا النبی صلعم جمع روساء الناس فاستشارھم فاذا اجتمع رائھم علی شئی قضی بہ۔ (اعلام الموقعین ج ۱ ص ۵۱)

کتاب اللہ میں دیکھتے تھے اگر اس میں فیصلہ کا مواد ملجاتا تو اسکے مطابق فیصلہ کرتے اور اگر کتاب اللہ میں نہ ملتا تو سنت رسول اللہ صلعم میں دیکھتے، اگر اسمین فیصلہ کے متعلق کچھ مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے جب اس سے بھی عقدہ کشائی نہ ہوتی تو لوگوں سے پوچھتے کہ تم لوگوں کو کچھ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اس بارہ میں کوئی فیصلہ کیا ہے، بسا اوقات اسکے جواب میں کچھ آدمی کھڑے ہوجاتے اور کہتے کہ اس معاملہ میں رسول اللہ صلعم نے ایسا ایسا فیصلہ کیا ہے، اور جب نبی صلعم کی کوئی سنت بھی نہ پاتے تو سربرآوردہ مسلمانوں کو جمع کرکے ان سے مشورہ کرتے اور جب کسی امر پر ان کی رائے متفق ہو جاتی تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے

بیعتِ خلافت کے بعد آپ نے جو پہلا خطبہ دیا اس میں کتاب اللہ کے بعد سنتِ رسول ہی کو رہنما بنایا،

اما بعد ایہا الناس قد ولیت امرکم ولست بخیرکم ولکن نزل القرآن وسنن النبی صلعم السنن فعلّمنا فعلِمنا . . . . ایہا الناس انما انا متبع ولست بمبتدع فان احسنت فاعینونی وان زغت فقوّمونی (طبقات ابن سعد ج ۳ ق اوّل ص ۱۲۹)

اما بعد لوگو! میں تمہارے معاملات کا ولی بنایا گیا ہوں مگر تم میں سے بہتر نہیں ہوں، لیکن قرآن نازل ہوچکا اور رسول اللہ صلعم نے طریقے بتا کر ہم کو سکھا دیا ہے اور ہم سیکھ گئے ہیں . . . . . لوگو! میں متبع ہوں اپنی طرف سے کوئی نئی بات کرنے والا نہیں ہوں، پس اگر میں اچھا کام کروں تو میری امداد کرو اور اگر ٹیڑھا ہوں تو مجھے سیدھا کردو،

اس پہلی تقریر میں جسمیں آپ نے اپنی حیثیت بتائی ہے کہ میں پیرو ہوں اپنی طرف سے نئی بات کرنے والا نہیں اور کتاب اللہ کے بعد سنت رسول ہی کو رہنما بتایا،

اب حضرت ابوبکرؓ کے اس اصول کی مثالیں ملاحظہ ہوں،

آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد ہی جبکہ آپ کا جسد خاکی بھی آنکھون سے نہان نہ ہوا تھا، حضرت ابو بکرؓ کو حدیث نبوی کیطرف رجوع کرنے کی ضرورت پیش آئی، آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد صحابہ مین یہ سوال پیدا ہوا کہ جسد اطہر کو کہان دفن کیا جائے، کچھ لوگ کہتے تھے مسجد نبوی مین دفن کیا جائے بعضون کی رائے تھی کہ آپ کے صحابہ کیساتھ دفن کیا جائے، اس موقعہ پر حضرت ابو بکرؓ نے حدیث نبوی سے اس کا فیصلہ کیا، فرمایا مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ جہان پر نبی کی روح قبض ہوتی ہے، وہین دفن کیا جاتا ہے، چنانچہ اس حدیث کے مطابق آنحضرت صلعم کا فرش اٹھا کر اسی جگہ قبر کھودی گئی (موطا امام مالک ص ۸۰ مطبوعہ دہلی، و ابن ماجہ باب ذکر وفاتہ و دفنہ صلعم ص ۱۱۸)

وفات نبوی کے بعد جب حضرت فاطمہؓ نے میراث نبوی کا مطالبہ کیا تو آپ نے فرمایا،

فقال ابوبکر ان رسول اللہ قال لا نورث ما	ابو بکر نے کہا رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ ہماری وراثت تقسیم
ترکنا صدقۃ انما یاکل آل محمد فی ھذا المال	نہین ہوتی ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے البتہ آل محمد
وانی واللہ لا اغیر شیئا من صدقۃ رسول اللہ	اس مین کھا پی سکتے ہین، خدا کی قسم مین رسول اللہ صلعم کے
صلعم ولاعملن فیھا بما عمل بہ رسول اللہ صلعم	صدقات مین کوئی تغیر نہ کرونگا اور اس مین وہی کرونگا
الخ (مسلم ج ۲ ص ۲، مطبوعہ مصر و بخاری)	جو رسول اللہ نے کیا ہے،

منکرین حدیث کو غور کرنا چاہئے کہ حضرت ابو بکرؓ نے میراث نبوی مین بھی جو حضرت فاطمہؓ کو ملنے والی تھی حدیث نبویؐ پر عمل ضروری سمجھا اور حضرت فاطمہؓ کو صاف جواب دیدیا، ایسی حالت مین اور مسائل کا کیا ذکر ہے، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے کہ پیش آمدہ مسائل مین آپ تنہا اپنے ہی معلومات حدیث پر اکتفا کرتے تھے، بلکہ دوسرون کی قابل اعتماد روایات پر فیصلہ کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ آپ کے پاس ایک عورت اپنے پوتے کی میراث مانگنے آئی. قرآن مین اس کے ترکہ کا ذکر نہین ہے، اسلئے فرمایا کہ قرآن مین تمھارے ترکہ کا کوئی ذکر نہین ہے اور نہ دادی کے ترکہ مین مجھے رسول اللہ صلعم کا کوئی حکم معلوم ہے، مغیرہ بن شعبہ بیٹھے ہوئے تھے، انھون نے کہا مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے، آپ دادی کو چھٹا حصہ دلاتے تھے حضرت ابو بکرؓ نے پوچھا کوئی اور شاہد ہے،

محمد بن مسلمہ نے شہادت دی، ان کی شہادت سنکر آپ نے اس عورت کو چھٹا حصہ دلایا، (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۲)

اس قسم کے بیسیون واقعات ہین، مثالاً صرف چند لکھ دیئے گئے، مزید کے لیے حدیث کی کتابون کی طرف رجوع کرنا چاہئے،

حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کا بھی یہی طرزِ عمل رہا، وہ بھی کتاب اللہ کے بعد سنتِ رسول ہی کی طرف رجوع کرتے تھے، بلکہ انھون نے سنتِ رسول کے ساتھ سنتِ ابی بکر کو بھی شامل کر لیا تھا، کہ یہ بھی سنت رسولؐ ہی پر مبنی تھی، چنانچہ اس کو ان الفاظ مین واضح فرمایا ہے،

انہ مضی لی صاحبان لی یعنی النبی صلعم وابابکر عملا عملاً وسلکا طریقًا فانی ان عملت لغیرھا سلک بی غیر طریقھما، (ابن سعد جزو ۳ ق اول ص ۲۷)

میرے دو ساتھی یعنی نبی صلعم اور ابو بکرؓ آگے جا چکے، انھون نے خاص قسم کے اعمال کئے اور خاص راستہ پر چلے، اب اگر مین ان دونون کے علاوہ کوئی تیسرے طریقہ پر عمل پیرا ہون تو میری وجہ سے ان دونون کے طریقون کے علاوہ ایک اور راہ کھل جائیگی،

اس مین انھون نے اپنے لیے عمل رسول اور عمل ابی بکر کی پیروی ضروری قرار دی،

حافظ ابن القیم حضرت ابوبکرؓ کے طریقہ کو جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے لکھنے کے بعد لکھتے ہین کہ

وکان عمر یفعل ذالک فاذا اعیاہ ان یجد ذالک فی الکتاب والسنۃ سال ھل کان ابوبکر قضی فیہ بقضاء فان کان لابی بکر قضاء قضی بہ والاجمع علماء الناس استشارھم فاذا اجتمع رایھم علی شئی قضی بہ، (اعلام الموقعین ج اول ص ۱)

اور عمر بھی ایسا ہی (یعنی علی الترتیب کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کی طرف رجوع) کرتے تھے اور جب کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ مین بھی کچھ نہ ملتا تو لوگون سے پوچھتے کہ ابو بکرؓ نے اسمین کوئی فیصلہ کیا ہے، اگر ابو بکر کا فیصلہ موجود ہوتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے ورنہ پھر صاحب علم بزرگون کو جمع کرکے ان سے مشورہ لیتے، جس رائے پر سب کا اتفاق ہو جاتا اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے،

قضاۃ کو عہدۂ قضا پر مقرر کرتے وقت خاص طور سے کتاب اللہ اور اس کے بعد سنت رسول کے مطابق فیصلوں کی ہدایت کرتے تھے، چنانچہ جب تاریخ اسلام کے مشہور قاضی شریح کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا تو ہدایت کی،

انظر ما یتبین لک فی کتاب اللہ فلا تسأل عنہ احداً و ما لم یتبین لک فی کتاب اللہ فاتبع فیہ سنۃ رسول اللہ و ما لم یتبین لک فیہ السنۃ فاجتہد فیہ رایک، (الاعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۷)	جو مسئلہ پیش آئے اسین پہلے کتاب اللہ کو دیکھو جو اس سے تمھارے لیے ظاہر ہو اور کسی سے نہ پوچھو اور جب کتاب اللہ سے ظاہر نہ ہو تو اس مین سنت رسول اللہ کی اتباع کرو اور جب سنت سے بھی ظاہر نہ ہو تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو،

چونکہ آپ کے زمانہ مین بکثرت فتوحات ہوئین، نئے نئے ملک زیر نگین ہوئے، نئی نئی قومین اسلام کی حلقہ بگوش ہوئین، اس لئے آپ نے ان ملکون کے عمال کو انتظام ملکی کے ساتھ اہل ملک کی دینی اور سنت نبوی کی تعلیم کا بھی حکم دیا، چنانچہ آپ نے اپنی شہادت کے وقت خدا کو اپنے جن اعمال پر شاہد بنایا تھا ان مین ایک تعلیم سنت رسول بھی تھی،

قال اللّٰھم انی اشھدک علی امراء الامصار فانی انما بعثتھم لیعلموا الناس دینھم وسنۃ نبیھم و یعدلوا علیھم و یقسموا فیئھم بینھم و یرفعوا الی ما اشکل علیھم من امرھم، (ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۲۴۳)	(عمر نے) کہا خدایا مین تجھکو ملکون کے حکام پر گواہ ٹھہراتا ہون کہ مین نے ان کو اس لیے بھیجا تھا تاکہ وہ لوگون کو انکا دین اور ان کے نبی کی سنت سکھائین اور ان مین انصاف کرین اور مال غنیمت کا حصہ تقسیم کرین اور انھین جو مشکل پیش آئے اس کو میرے سامنے پیش کرین،

امراء اور عمال کے علاوہ علماء صحابہ کو اشاعت حدیث کے لیے مختلف ملکون مین بھیجتے تھے، چنانچہ فقہ الامت عبداللہ بن مسعود کو ایک جماعت کے ساتھ کوفہ، معقل بن یسار، عبداللہ بن مغفل اور عمران بن حصین کو بصرہ، اور عبادہ بن صامت کو شام روانہ کیا، اور امیر معاویہ والی شام کو لکھا کہ یہ لوگ حدیث سے سرمو

تجاوز نہ کرنے پائیں (ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۶)

اوپر کی روایات احتجاج بالحدیث والسنہ کے بارہ میں حضرت عمرؓ کے اصول کی تھیں، اب واقعات کی صورت میں ان کی مثالیں ملاحظہ ہوں،

شیبہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ عمر نے جبکہ وہ مسجد (کعبہ) میں میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے، مجھ سے کہا کہ میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ تمام سونا چاندی مسلمانوں میں تقسیم کر دونگا اور اس گھر (کعبہ) میں کچھ نہ رکھونگا، میں نے کہا تم کو اس کا کیا حق ہے انھوں نے کہا کیوں میں نے کہا اس لئے کہ تمہارے دونوں ساتھیوں (رسول اللہؐ اور ابو بکرؓ) نے ایسا نہیں کیا، عمرؓ نے کہا میں انھیں دونوں کی اقتدا کرتا ہوں، (بخاری باب الاقتدا بسنن رسول اللہ صلعم ج ۲ ص ۱۰۸۱)

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ علی الترتیب کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، سنتِ ابو بکر اور اجماع صحابہ کے مطابق فیصلہ کرتے اور سب سے آخر میں اجتہاد کرتے تھے، لیکن اجتہاد کی صورت میں فیصلہ کے بعد اگر سنت رسول اللہ کا پتہ چل جاتا تو فیصلہ پلٹ دیتے، ابن مسیب راوی ہیں کہ عمر بن الخطاب نے ایک مرتبہ انگلیوں کی دیت کے بارہ میں کوئی فیصلہ کیا اس کے بعد اس بارہ میں ان کو آنحضرت صلعم کے ایک فرمان کا جو آپ نے ابن حزم کو لکھا تھا، حوالہ دیا گیا تو اپنا پہلا فیصلہ منسوخ کر دیا، (سیرت ابن خطاب ابن جوزی ص ۱۲۵)

اسی طریقہ سے ایک مرتبہ ایک مجنون زانیہ عورت کو سنگسار کرنا چاہا، حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے کہ تین شخص مرفوع القلم ہیں، سونے والا جبتک بیدار نہ ہو جائے، بچہ جب تک بالغ نہ ہو جائے، مجنون جب تک صحیح نہ ہو جائے، اور سمجھنے لگے" یہ حدیث سنکر حضرت عمرؓ نے عورت کو چھوڑ دیا (مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۴۰)

یہی نہیں کہ آپ مسائل اور احکام میں سنتِ نبوی کو دلیلِ راہ بناتے تھے، بلکہ بعض ان سنتوں میں جن سے بظاہر کوئی فائدہ متصور نہ ہوتا محض سنت رسول ہونے کی وجہ سے ان پر عمل کرتے تھے، حجرِ اسود کا بوسہ لینا ارکانِ حج میں نہیں ہے، بلکہ محض سنت ہے، اور ایسی سنت جس سے بظاہر کوئی غرض بھی

مقصود نہین، حضرت عمرؓ محض سنت کے خیال سے بوسہ دیتے تھے، اور کوڑا مار کر کہتے کہ مین جانتا ہون کہ تو کسی کو کوئی فائدہ نہین پہنچا سکتا، لیکن رسول اللہ نے بوسہ لیا ہے، اس لیے مین بھی لیتا ہون، (مسلم و بخاری کتاب المناسک)

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی تھی تو مجمع عام مین کھڑے ہو کر پوچھتے تھے کہ اس صورت کے متعلق کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے، تکبیر جنازہ، غسل میت، جزیہ مجوس، اور اس قسم کے صدہا مسائل کے متعلق آپ نے صحابہ سے پوچھ کر احادیث کا پتہ لگایا، جنکی تفصیل حدیث کی کتابون مین مذکور ہے، البتہ خبر احاد کو بغیر تائیدی شہادت کے نہ قبول کرتے تھے، اس پر آیندہ بحث آئیگی، ایسی حالت مین یہ دعوی کہانتک صحیح ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ حدیث کو قابل حجت نہ سمجھتے تھے،

اس تفصیل کے بعد تذکرۃ الحفاظ کی ان روایات کی توضیح و تنقید کیجاتی ہے، جنکو منکرین حدیث اپنی تائید مین پیش کرتے ہین، ناظرین کو ان مخالف روایات کو جو اوپر گذر چکی ہین پیش نظر کر لینا چاہیے،

۱- حضرت ابوبکرؓ نے لوگون کو روایت حدیث سے اس لیے نہین روکا تھا کہ وہ ان کو قابل حجت نہین سمجھتے تھے، بلکہ ان کی تشریح کے مطابق اس کا سبب یہ تھا،

انکم تحدثون عن رسول اللہ صلعم احادیث	تم لوگ رسول اللہ صلعم سے ایسی حدیثین بیان کرتے ہو
تختلفون فیہا والناس بعدکم اشد اختلافا	کہ جنمین اختلاف کرتے ہو، جب تمھارا یہ حال ہے تو تمھارے
فلا تحدثوا عن رسول اللہ شیئاً فمن	بعد آنے والون مین اس سے زیادہ اختلاف ہوگا، اس لیے
سألکم فقولوا بیننا و بینکم کتاب اللہ	رسول اللہ صلعم سے کوئی حدیث روایت نہ کرو، جو شخص
الخ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳)	تم سے پوچھے اس سے کہدو کہ ہمارے تمھارے درمیان کتاب اللہ ہے

اولاً یہ روایت مرسل ہے جیسا کہ حافظ ذہبی نے تصریح کر دی ہے، فقط ایک تابعی کا بیان ہے، پھر اس مین اس ممانعت کا سبب خود بیان کر دیا ہے کہ اس کا سبب مسلمانون کو اختلاف سے بچانا ہے نہ کہ حدیث کا انکار اور اس کا ناقابل حجت ہونا، واقعہ یہ ہے کہ بعض لوگ بلا امتیاز ہر قسم کی حدیثین بیان کرتے تھے، جو

باہم مختلف ہوتی تھین، اس سے مسلمانون مین اختلاف پیدا ہونے کا خطرہ تھا، اس لیے عوام کو روایتِ حدیث کی ممانعت کردی تھی، لیکن اس سے روایتِ حدیث کا دروازہ بند کرنا مقصود نہ تھا، ورنہ وہ خود حدیثون سے کیون تمسک کرتے، حافظ ذہبی اس روایت کے بعد ہی اپنی راے لکھتے ہین،

فھذا المرسل یدلک ان مراد الصدیق التثبت فی الاخبار والتحری لا سد باب الروایۃ الا تراہ لما نزل بہ امر الجدۃ ولم یجدہ فی الکتاب کیف سال عنہ فی السنن فلما اخبرہ الثقۃ ما اکتفی حتی استظھر بثقۃ اخر ولم یقل حسبنا کتاب اللہ کما تقولہ الخوارج (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۳)

اس مرسل روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ابوبکر صدیق کا مقصد حدیثون کی تصدیق اور توثیق تھی نہ حدیثون کا دروازہ بند کرنا، تم نے نہین دیکھا کہ جب ان کے پاس دادی کے ترکہ کا معاملہ آیا (اسکا واقعہ اوپر گذر چکا ہے) اور کتاب اللہ مین انھون نے نہین پایا تو کیسے اس مسئلہ مین رسول اللہ کی سنت دریافت کی، اور جب ایک ثقہ نے ان کو خبر دی تو اسکو کافی نہین سمجھا، جبتک دوسرے نے تصدیق نہین کی اسوقت خوارج کی طرح انھون نے یہ نہین کہا کہ ہمارے لیے کتاب اللہ کافی ہے۔

ایسی حالت مین اس روایت سے جو مرسل ہے، حضرت ابوبکرؓ کے انکارِ حدیث کا نتیجہ کس طرح درست ہو، اس کی صحت کی حالت مین صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے عوام کو جو بلا امتیاز ہر طرح کی حدیثین روایت کرتے تھے، اختلاف کے خطرہ سے روکا تھا،

۲- دوسری روایت یہ ہے کہ آپ نے اپنا لکھا ہوا پانسو حدیثون کا مجموعہ جلا دیا تھا، اولاً یہ روایت ہی صحیح نہین ہے اس کا راوی ابراہیم بن عمر بن عبید اللہ التیمی مجہول ہے، رجال کی کتابون مین اس کا ذکر ہی نہین جبکا راوی ایسا مجہول ہو اسکی روایت کا کیا پایہ ہو سکتا ہے، خود حافظ ذہبی بھی جنھون نے بہ حیثیت واقعہ نگار یہ روایت نقل کی ہے اسے قابلِ اعتبار نہین سمجھتے اور آخر مین لکھتے ہین کہ "لا یصح ذالک" یہ روایت ہی صحیح نہین ہے، (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵) پھر اس سے استدلال کیا، اس علمی خیانت کو دیکھیے کہ

منکرین حدیث اوپر کا واقعہ تو ذہبی سے نقل کرتے ہین، اور آخر کا ٹکڑا جسمین اس روایت کے عدم صحت کا ذکر ہے، چھوڑ دیتے ہین، لیکن بالفرض اگر اسکی صحت تسلیم بھی کرلیجائے تو اس سے یہ ثابت نہین ہوتا کہ حضرت ابوبکرؓ حدیثون کو قابلِ حجت نہین سمجھتے تھے، اگر وہ ایسا سمجھتے تھے تو وہ پہلے ہی کیون لکھتے، اس کا سبب خود انھین کی زبان سے یہ تھا،

خشیت ان اموت وھی عندی فیکون فیھا احادیث عن رجل قد ائتمنتہ ووثقت ولم یکن کما حدثنی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵)	مجھے یہ خوف معلوم ہوا کہ مین مرجاؤن اور یہ مجموعہ میرے پاس رہجائے اور اس مین ایسی حدیثین ہون جن کو مین نے ایسے آدمیون سے لیا ہو جنھین مین امین اور قابل وثوق سمجھتا ہون اور وہ درحقیقت ایسے نہ ہون،

اس تشریح سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپنے اس لئے نہین جلایا تھا کہ سرے سے حدیث ہی کے منکر تھے، بلکہ آپ کو ان کے راویون پر پورا اعتماد نہ تھا، ایسی حالت مین ان کا جلادینا ضروری معلوم ہوا، لیکن یہ واقعہ ہی صحیح نہین ہے، اور خود اس عبارت مین "احادیث" اور "وثوق" کے دو لفظ ایسے ہین جو ان معنون مین قرن اول مین مستعمل نہ تھے، اس سے یہ روایت سراسر ناقابل اعتبار ہوجاتی ہے،

حضرت ابوبکرؓ کی مخالفت حدیث کی بنیاد انھین دو حصون مین قائم کیجاتی ہے، جس کی حقیقت ظاہر کردی گئی،

خطبات مدراس

مولنا نے ۱۹۲۶ء مین مدراس مین سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤن پر آٹھ خطبے (لکچر) دیئے تھے جو نہایت مقبول ہوئے اور مسلمانون نے ان کو بےحد پسند کیا، ان آٹھ ٹکڑون مین نہایت مؤثر الفاظ مین اور تاریخی دلائل کیساتھ آنحضرت صلعم کی سیرۃ مبارکہ اور آپکی تعلیمات کا عطر اور خلاصہ پیش کیا گیا ہے، یہ اس لائق ہین کہ مسلمانون کے علاوہ غیر مسلمون مین ہدیۃً تقسیم کئے جائین اور عربی مدرسون اور مکتبون اور انجمنون مین ان کو پڑھایا جائے، ضخامت ۲۰۸ صفحے، قیمت: عہ

منیجر

علی عادل شاہ ثانی المتخلص بہ شاہی کا اردو کلیات

۱۰۶۷ھ تا ۱۰۸۳ھ

از

مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی، مؤلف "یورپ مین دکھنی مخطوطات" حیدرآباد دکن

"مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی مؤلف "یورپ مین دکھنی مخطوطات" اردو کی ابتدائی تاریخ کی گمشدہ کڑیون کی تلاش وجستجو مین سرگردان رہتے ہین، موصوف اس سے پہلے وجہی، نظامی اور ابراہیم عادل شاہ کی مثنویون کو پہلی مرتبہ ان صفحات مین روشناس کر چکے ہین آج وہ سلطنت عادل شاہی کے ایک تاجدار سلطان علی عادل شاہ کے کلیات کو پہلی مرتبہ روشناس کر رہے ہین، امید ہو کہ اسے بھی دلچسپی سے دیکھا جائیگا"

"سید ریاست علی ندوی، سب اڈیٹر معارف"

یہ ہمین معلوم ہے کہ بیجاپور کے آٹھوین حکمران سلطان علی عادل شاہ ثانی کا تخلص شاہی تھا اور وہ عموماً اردو زبان مین طبع آزمائی کیا کرتا تھا، مگر آج تک اس کے کلام کے متعلق کافی تفصیلات سے آگاہی نہین تھی، اس کی ایک مثنوی کے متعلق ہم نے ایک علحدہ مضمون لکھا ہے،

آج سلطان کے کلیات کا ناظرین سے تعارف کرایا جاتا ہے، اس کا ایک مخطوطہ ہم کو برہان پور سے دستیاب ہوا تھا، اور اب وہ دفتر دیوانی ومال سرکار نظام (حیدرآباد) کے کتب خانہ[1] مین محفوظ ہے،

---

[1] یہ دفتر سرکار آصفیہ حیدرآباد کا ہسٹاریکل ریکارڈ آفس ہے، اس مین فارسی عربی اردو اور انگریزی مخطوطات کا کافی ذخیرہ جمع کیا گیا ہی جس مین ایک بڑا حصہ نایاب اور کمیاب مخطوطات کا بھی ہے،

اس کلیات کے تعارف سے پیشتر خود سلطان علی عادل شاہ ثانی کی سوانح زندگی کو مختصراً بیان کرنا بے محل نہ ہوگا

بیجاپور کے عادل شاہی حکمرانوں میں سلطان علی عادل شاہ ثانی آٹھواں تاجدار ہے، جو سلطان محمد عادل شاہ

کا اکلوتا چشم و چراغ تھا۔ ۱۶ ربیع الثانی ۱۰۴۸ھ کو بیجاپور میں پیدا ہوا چونکہ سلطان محمد کے اس سے پہلے کوئی اولاد

نہیں ہوئی تھی اس لیے اس کے تولد پر بڑی خوشی منائی گئی، غربا کو خیرات تقسیم ہوئی، علماء شعراء اور امرا کو جاگیر و

مناصب سے سرفراز کیا گیا شعرا نے قصیدے پیش کئے اور تاریخیں نکالیں، منجملہ اُن کے خواجگی آقا نے جو قطعہ موزون

کیا تھا، اس کا مصرعۂ تاریخی حسب ذیل تھا۔

مولود شہزادہ گفت کوکب شوکب رسید

خدیجہ سلطان شہربانو جو سلطان محمد عادل شاہ کی ملکہ اور سلطان محمد قطب شاہ والی گولکنڈہ کی دختر تھی

اس نو مولود کو اپنے آغوش میں لیکر تعلیم و تربیت میں مصروف ہوئی، لائق معلم اور قابل مؤدب شہزادے کی تعلیم و

تدریس کے لیے مامور کئے گئے، اس زمانہ کی سوسائٹی میں حکمرانی کی قابلیت حاصل کرنے کے لیے جس نصاب کو ختم

کرنا ضروری تھا اس کا باحسن وجوہ انتظام عمل میں آیا، اس اہتمام اور انتظام، علمی ماحول، قابل اور صاحب تدبیر

ماں کی تربیت اور نگرانی کا اثر تھا کہ شہزادہ علی اپنے زمانہ کا نامور ادیب، بلند پایہ شاعر، قابل مدبر اور فنونِ جنگ

میں آزمودہ کار سپہ سالار ثابت ہوا،

باپ کے انتقال پر محرم ۱۰۶۷ھ میں انتیس سال کی عمر میں سلطنت کی باگ ہاتھ میں لی، درباری شاعر عبدالغنی نے

نوبت شاہی زدہ بعد محمد علی

سے تاریخ نکالی ہے،

محمد عادل شاہ کے زمانہ ہی میں سلطنت عادل شاہی کا شیرازہ درہم برہم ہونے لگا تھا، مغلیہ شاہنشاہی

کی حکمت عملی اب اس امر کی مقتضی تھی کہ دکن کو بھی اپنی سلطنت کا ایک جزو بنالے، چنانچہ شاہجہان کی جانب سے

اورنگ زیب نے حملہ کرکے بیدر و کلیانی وغیرہ پر قبضہ کرلیا، اور خود بیجاپور کی باری تھی کہ شاہجہان کی علالت کی

خبر آئی، اورنگ زیب نے عارضی طور پر صلح کر لی،

یہ وہ زمانہ ہے جبکہ سلطنت عادل شاہی مین اسبابِ زوال اپنا کام کر رہے تھے، ارکان وعمائدِ حکومت عیش پرستی کے خوگر ہو چکے تھے، نظم وانتظام کی چولین ڈھیلی پڑ رہی تھین،

اورنگ زیب سے صلح کے بعد عادل شاہی دربار نے ابھی سنبھالا نہین لیا تھا کہ اسی اثنا مین سیواجی نے حکومت کے خواب دیکھنے شروع کئے، عادلشاہی سپہ سالار افضل خان کا سیواجی کے ہاتھون دھوکہ سے مارا جانا تاریخ کا ایک غمناک اور دردانگیز واقعہ ہے، اس جرم کی سزا دینے کے لیے سدی جوہر المخاطب صلابت خان روانہ کیا گیا، صلابت خان سیواجی کی سازش کا شکار ہو گیا اور دونون شیر وشکر ہو گئے، اب خود سلطان نے فوجکشی کی، سیواجی کا فرار ہونا صلابت خان کا قلعہ پنالہ مین محصور ہو کر طالبِ عفو ہونا اور پھر سرتابی کرنا اور بالآخر شکست کھا کر انتقال کرنا سب کچھ تاریخ کے مشہور واقعات ہین، تفصیل کی ضرورت نہین،

علی عادل شاہ کے مصائب کا سلسلہ اسی پر ختم نہین ہوا، سلطنت عادل شاہی اعدار کے نرغے مین تھی لیکن سلطان نے اپنی فراست ودانشمندی اور قابلیت کے بل بوتے پر ان مشکلات پر غالب آنے کی کوشش کی، چنانچہ سلطنت مین کچھ اضافہ بھی ہوا، ملیبار اور بدنور وغیرہ فتح ہوئے، سلطان نے کرناٹک کے جانب توجہ کی تھی کہ سیواجی نے پھر سر اٹھایا، اورنگ زیب کے حسب خواہش علی عادل شاہ نے سیواجی کے قلع وقمع پر کمر باندھی، دربار مغلیہ سے بھی جے سنگھ کی سپہ سالاری مین فوج روانہ ہوئی، ابھی فوج آئی نہین تھی کہ سیواجی عادل شاہی لشکر سے مقابلہ کی تاب نہ لا کر پونہ کی جانب فرار ہو گیا، مغلیہ فوج نے پونہ کا محاصرہ کر لیا، سیواجی کی سازش جے سنگھ پر بھی کارگر ہو گئی، دونون مل کر بیجاپور پر حملہ کے لیے روانہ ہوئے، دوسال کی مسلسل ناکامی کے بعد مغلیہ فوج واپس ہو گئی، اس کے بعد سیواجی نے پھر ہاتھ پیر نکالے، لیکن صلح ہو گئی،

اب خود سلطان کا پیمانۂ عمر بھی لبریز ہو گیا اور پینتیس ۳۵ سال کی بھری جوانی مین سولہ سال کے حکومت کے بعد سفرِ آخرت اختیار کیا، " پادشہ دین علی کرد وطن برجان " تاریخ وفات ہے (۱۰۸۳ھ)

سلطان علی عادل شاہ ایک منصف مزاج، داد گستر اور رعیت پرور حکمران تھا، علم و فضل کا قدردان اور خود بھی ذی علم تھا، نہایت خوش مزاج، رنگین طبع اور لطیفہ گو، بذلہ سنجی مین مہارت تامہ رکھتا تھا، شعر و سخن مین ید طولیٰ حاصل تھا، علماء و فضلا اور شعرا کا قدردان تھا اس کے اسی انہماک کا نتیجہ تھا کہ اس کے زمانہ مین گھر گھر شعر اور شاعری کا چرچا تھا اور ہر طرف علمی چہل پہل تھی،

سلطان کو فنون لطیفہ سے اچھا ذوق تھا، شاعری اور موسیقی مین مہارت تھی، عمارات سے دلچسپی تھی، متعدد قصر و محل تعمیر کئے تھے،

اس کی علمی قدردانی اور ذوقِ شاعری کے متعلق عالمگیری مورخ خافی خان لکھتا ہے:-

"بادشاہ بود باہوش سپاہ دوست و در سخاوت و شجاعت و وسعت خلق مشہور، فضلاء و صلحا را دوست داشتے و شاعران را حرمت نمودے بخصوص در حقِ شاعرانِ ہندی زیادہ مراعات می فرمود"

اسی طرح ابراہیم زبیری نے بساتین السلاطین مین لکھا ہے:-

"چون طبع ہمایون بادشاہ اکثر میل بجانب لغت خاص خویش یعنی زبان دکھنی داشت برطبق الناس علی دین ملوکہم شعرائے ہندی گو بسیار از خاک بیجاپور برخاستہ اند، خانہ بخانہ ہنگامہ شعر تازہ گوئی گرم داشتہ اند" (ص ۴۳۰)

قاضی نوراللہ جو اسی عہد کا مورخ ہے، اپنی کتاب تاریخ علی عادلشاہ مین لکھتا ہے:-

"این بادشاہ ظل اللہ را کہ در روز ازل از استاد و علمنا من لدنا علما کسب کمالات کونی والٰہی و فضائل ظاہری و باطنی در مدرسہ خلق الانسان علمہ البیان کردہ کرسی نشین قرب خالقِ ذوالجلال و صور گزین جوار قادر متعال بود، گنج لیاقت و استحقاق سبب علیت ظہور نمذکورہ خداوند علی الاطلاق در ذات عظیم المرتبت رفیع المنزلت آن نور سراپا

سرور دلیعت نہادہ"

ان تفصیلات سے جس طرح یہ واضح ہے کہ سلطان کی علمی قابلیت مسلمہ تھی اور وہ علماء و فضلاء کا قدر دان تھا یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کو ہندی یا بہ الفاظ دیگر اردو شاعری سے بھی خاص شغف تھا یہی وجہ تھی کہ اس کے دربار مین بیسیون شعرائے نامدار جمع تھے جنمین نصرتی، ہاشمی، مرزا وغیرہ مشہور ہین، نصرتی ملک الشعراء تھا، اس کی تصنیفات گلشن عشق اور علی نامہ سے سلطان کے حالات پہ جسطرح روشنی پڑتی ہے وہ اب عام طور سے معلوم ہے، اس کی صراحت اردو شہ پارے اور یورپ مین دکھنی مخطوطات سے ہو سکتی ہے، یہان اُن کی تفصیل کا موقع نہین مگر اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ نصرتی جیسا بلند پایہ شاعر خود سلطان کا خوشہ چین اور اسی کا شاگرد تھا،

یہ امر قابل افسوس تھا کہ تا حال سلطان کا کلام گوشۂ گمنامی مین تھا، مگر اب نہایت مسرت کیساتھ سلطان کے کلیات کو علمی دنیا کی خدمت مین پیش کیا جاتا ہے،

زیر بحث کلیات کے (۲۴۰) صفحے ہین، فی صفحہ چھ سطر ہین، خط نسخ نہایت پاکیزہ لکھا ہوا ہے اعراب بھی دیئے گئے ہین، مطلا جدول ہے،

تمام اصناف سخن یعنی قصیدے، مثنویان، غزل، مخمس، مثمن، رباعی، فرد، اسمین شامل ہین، ریختی بھی ہین، پہلے اس امر کی بھی صراحت ضروری ہے کہ اس کلیات کو سلطان علی عادلشاہ ثانی المتخلص بہ شاہی کا کلیات قرار دینے کے کیا وجوہ ہین،

(الف) کلیات مین متعدد جگہ شاہی تخلص آیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ شاہی علی عادلشاہ ثانی ہی کا تخلص تھا

"روزے علی عادلشاہ مرزان کا را بحضور طلبیدہ مدارت وعنایات بد و نمود و تکلف نمود کہ زبان را بمدح بادشاہ آشنا سازد، مرزان گفت زبانے را کہ در حمد و نعت و منقبت وقف گردیدہ درحکم من نماندہ بادشاہ مکرر تکلیف نمود ناچار یک دو مرثیہ بزبان سلطان گفتہ بجائے اسم خویش

تخلص علی عادل شاہ کہ شاہی بود بہ قصیدے داخل نمودہ کہ ذومعنی واقع شدہ۔ (بساتین السلاطین ص ۳۴۰)

(ب) اشعار ذیل اس امر کا فی ثبوت پیش کرتے ہین کہ یہ علی عادل شاہ ہی کا کلیات ہے،

تیرا یاد دن رات شاہی کا کاج ۔۔۔ ترے فیض سون ہے اُسے تخت و تاج (ص ۱۲)

مظفر علی شاہ کے ہاست کا ۔۔۔ اچک تیر لا گیا نشان کے پلک (ص ۱۵)

لاکھو سون بھون چپٹ یتوت سون سیدسین بناوے ۔۔۔ بھید پر ڈنگ گت علی عادل سیوک مرتضیٰ ترت نجاوے (ص ۲۱۹)

سلطان کی کنیت ابو المظفر ہونے کی تصدیق نہ صرف تاریخون سے ہوتی ہے بلکہ نصرتی کے ذیل کے اشعار سے بھی اس کا ثبوت فراہم ہوتا ہے،

علی عادل شہ غازی شہنشہ بو المظفر کون ۔۔۔ دیا ہے جس خدا ایسا کہ تھا جیسا سکندر کون

الٰہی سور یونت ان کو عالمگیر ہے جگ مین ۔۔۔ تلک جم فتح و نصرت دے یو شاہ بو المظفر کون

ج:۔ کلیات کے عنوانات مین صراحت کیگئی ہے، "حضرت شاہی فرمودند"

د:۔ شرف برج اور بادشاہ محل کی تاریخین ۱۰۸۲ھ و ۱۰۸۱ھ کی برآمد کی گئی ہین، اس زمانہ مین علی عادل شاہ ثانی ہی حکمران تھا،

ﮦ:۔ شرف برج کی تاریخ سے صاف معلوم ہوتا ہو کہ اس تاریخ کا مصنف خود سلطان ہے،

و:۔ علی داد محل کی تعمیر اسی سلطان نے کی تھی اس کے قصیدے کا طرز بیان اس امر پر دلالت کرتا ہو کہ وہی اس کا بانی ہے،

ان تفصیلات سے اس امر کی بخوبی تصدیق ہو جاتی ہے کہ یہ کلیات سلطان علی عادل شاہ ثانی ہی کا ہی، ایک اور امر کی صراحت بھی ضروری ہے کہ اس کلیات کی ترتیب کب ہوئی؟ کلیات کے خاتمہ پر کوئی تاریخ درج نہین ہے مگر اس مین بادشاہ محل کی تاریخ ۱۰۸۱ھ درج ہے، اس سے واضح ہے کہ اس سنہ کے بعد ہی اسکی ترتیب ہوئی ہوگی،

کلیات کا کاغذ نہایت عمدہ زرافشان ہے، اور خط بھی نہایت پاکیزہ ہے، قیاس ہوتا ہے کہ شاید شاہی کتب خانہ ہی کا نسخہ ہو،

قصائد دکھنی قصائد کی بنا فارسی پر قائم ہوئی ہے اس لیے جو لوازم فارسی قصائد کے ہین وہی دکھنی قصائد مین نظر آتے ہین، تمہید، گریز، مدح، تعریف اور دعا، قصیدے کے اجزا ہوتے ہین، دکھنی قصائد مین نصرتی کے قصیدے خاص طور پر قابلِ ذکر ہین، جو تسلسلِ مضمون اور واقعہ نگاری کی حیثیت سے ممتاز ہین،

زیر بحث کلیات مین شاہی کے چھ قصیدے ہین، پہلا قصیدہ حمد مین ہے، دوسرا نعت مین، تیسرا منقبت حضرت علیؓ مین، چوتھا منقبت دوازدہ امام مین، پانچوان حوض، علی دا و محل اور باغ کی تعریف مین اور چھٹا چار در چار کے عنوان سے ہے، پہلے قصیدہ مین ابتدائی ورق نہ ہونے سے چند شعر کم ہین، موجودہ تعداد ۲۷ ہے، جو اشعار موجود ہین ان مین ابتدائی اشعار حسب ذیل ہین:-

عقل کا مکتب ہوا فہم کے پڑھنے بدل　　عقل معلم اپن قصہ سکھایا کہن،
عقل خبردار ہے عقل ہمہ کار ہے　　عقل کا جاسوس ہو مکہ پہ اچھے یو کرن
عقل کا موتی مگر مغز کے ملنے بہتر　　خوب وساوسے جھلک درجگ درعدن
عقل کسوٹی ہوئی طبع کے کسنے بدل　　بوجھ رکھیا ہے صراف قلب کھرا جیو کنچن

اسی طرح عقل کی تعریف کرنے کے بعد:-

خاک کی پتلی بنا روح لے تن مین بھرا　　جال چلا کر اول آپ سکھایا مکن
آب و آتش ملا خاک و ہوا تے کلا　　چار عناصر لگا دیہ سنوار یا ہمن
دور پھرین جو تمام سجدہ کرین صبح و شام　　نیکہ ستاریان سنگات چاند سورج ہور گگن
نور کا جھلکاٹ دے حور پری لگ سنوا　　سات طبق سرک کے پور رکھیا ذوالمنن

دوسرا قصیدہ جو نعت مین ہے پچاس شعر کا ہے، یہ بہاریہ قصیدہ ہے، تمہیدی شعر ملاحظہ ہون:-

دیکھو نوروز جنجل یو بہارستان دیکھایا ہے
برگین پھل و پھولان مین پون کے ہت کھلایا ہے

سرک کی اوج کی کرسی سنواریا دل ہو دن کر
چندر ناری بلانے گھر بسنت سارا بنایا ہے

براتی سب بلایا ہے شرف اپنا دیکھایا ہے
زری کسوت سراپا کر سوسج نوشو ہو آیا ہے

او دک جل تھل بھرے حوضان نہین ہے جانو بھوین پہ
چندر کا مکھ دیکھانے تین سرج ارسیان منگایا ہے

گریز یون ہے ،

وو بو لیا باغ مالی سون بڑا ہے نانون سو کس کا
کھیا وو اسم احمد کا جنے دین آپ نپایا ہے

محمد شاہ مرسل کا منگیا جب نعت کہتے مین
مٹھائی پاکر من میرا یو مضمون چن کہ لیایا ہے

محمد سا نہین پیدا کیا کرتار تر جگ مین
اسی کے عشق تین سو نسار تر جگ کا برایا ہے

فرشتان کا نہ تھا پھیرا ند ان تھا نور سو تیرا
ترے احکام محشر لک جگت کے سر چڑھایا ہے

بڑا تج دین کا کس ہے وو جے دین سب ہوے پس ہر
ترے انگشت کے کس نین چندر دو کھند گرایا ہے

تیسرا قصیدہ منقبت حضرت علیؓ مین ہے، اس کے پچاس شعر ہین، تمہید :-

ارے کلال مجکون پیا لا پلا کیا کا
تا مست ہو کہ دیکھون مکڑا اعلی پیا کا

پیو جیو کا گسائین پیو سون پرت لگائین
بینا شراب پیو مل پانی ارت پیا کا

گریز :-

شاہ نجف ولی ہے تس نانون سو علی ہے
وو راز دان احمد سلطان اولیا کا

جس ذات مین محبت کرنا اچھے علی کی
حیران سدا پرے وو جیون سنگ آسیا کا

تج شہ جوان آگین مغلوب ہین عدو سب
تون شیر ہے ازل تھین موصوف انبیا کا

تلوار کی تعریف ملاحظہ ہون :

تج تیغ کی جھلک تھین بجلی چھپی گگن مین
شمشیر زن تھین ہے سردار اصفیا کا

تج تیغ تیز آگین اوسان سب لبریا | پانی گیا ہے مکھ تھین چت بھول بیریا کا

خاتمہ:۔

شاہی ہوا ہے عاشق سن نانون مرتضیٰ کا | سایا او سیج کا ہے تس سیس پر دیا کا

چوتھا قصیدہ دوازدہ امام کی منقبت مین ہے اس کے (۶۵) شعر ہین، تمہید:۔

تج دل کے رسے میدان پر جب عشق کے فوجان چڑے | تب ہوش کے راوت جتی مخمور ہو بے خود پڑے

جو عشق کے سلطان کا فرمان کہت مین آئیا | اقبال ہو پایان یو دو خدمت بدل نس دن کھڑے

امام حسین علیہ السلام کی تعریف مین کہتا ہے:۔

سارے جہان مین نین ہوا تج سار کا شمشیر زن | جس پر کیا یک وار تون دو دھڑ برابر ہو پڑے

تج کھرک کی ہور علم کی تعریف مین کیون کر سکون | حق کی عنایت تھے ادیک یو دو صفت تج ہٹ چڑے

پھر پھر ہوا لازم مجھے تعریف کہنا شاہ کی | تو مطلع ثانی کیا رات شوق سون ہر یک پڑے

نا بولنے کچ جان تے تھے طبع کے جو گھر پڑے | تر لوک مین شیانے دسے جب درس مین شہ کے چڑے

پانچوان قصیدہ حوض۔ علی داد محل اور باغ کی تعریف مین ہے اس قصیدہ کے (۶۵) شعر ہین، یہ لامیہ قصیدہ ایک زبردست قصیدہ ہے، اسی بحر اور ردیف مین نصرتی نے بھی ایک قصیدہ لکھا ہے، محسن کاکوری کا وہ مشہور قصیدہ نعت بھی جسکا پہلا مصرعہ "سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل" ہے، اسی بحر مین ہے، سلطان نے علی داد محل کو ۱۰۶۹ھ مین تعمیر کیا تھا اس کا باغ بھی مشہور و معروف تھا،

دسے رج نین مین اس حوض پہ چند نا یو بجھل | دھریا ہے چاندنی جیو نیکہ اپس مکہ کے آکل

صفائی دیکھ کر اس حوض کی چندر دائم | چلے آکاس پہ ات شوق سون امرت تے ادبل

پریان اچرج ہو کھیان دیکھ کر اس حوض کہ تین | اچھے امرت تے بھریا حوض یو سمدر تے ڈکل

علی داد محل کی تعریف:۔

کسوا یا اٹھوان سمد ربہریا جب نیر سون حوض — سزاوار اس کے آنگے ہے یو علی داد محل
پایا یو اچھے اس قصر کا پاتال تلک — طاق کسری ہوے معراج اسے زہ کے اکل

باغ کی تعریف:-

مقدم دیس ونس کا بیان کم زیادت کرکے — بولیا ہون یہان تے ہین تعریف کچ یک باغ بدل

. . . .

بھرے ہین باغ کے تختے گلان ہر جنس تے کے — خصوصاً رینو ینی تس مین یو دسا دی جنجل

. . . .

دسے شربت کے یو کوزے جتے ناریل کے کپر — میٹھے کئی نیر کے چشمے تے بہریا ہے منجل
نارنگی رنگ کا ہوس دہر لگی ایاغ مینے — رنگائے تن کون سراسر دیکھو ہور رنگ رس مین سگل

خاتمہ:-

پہلا ن پھولان سون عمارت کی ہوئی جب یو صفت — بھرے معنی سون یک یک بول وساوے افضل
دکھانے طبع کی قوت شاہی اس بحر منے — بند صیا ہر بیت مین کئی لفظ یو صنعت کے نول
جان ہور دل تھے اجابات دعا منگتا ہے — تا اچھے امن مین سکھ چین تے یو خلق سگل
جو لگون نور سون دن کر اچھے ہور چاند وگگن — جو لگون زہرہ ہے زاہرا چھے ہور پر زحل
مشتری سعد ہے جو لک و عطارد ہے دبیر — جو لگون پانچو منے اکاس پہ دستا ہے منگل
جو لگون رات دن ڈپہر گھڑی جشن منے — بجو انند سون اس گھر مین سدا تال منڈل

چھٹا قصیدہ چار درچار کے عنوان سے ہے اس کے (۱۹) شعر ہین، پہلا شعر حسب ذیل ہے:-

دیکھو اچھنا لگیا ہے یو بن نوی کلان سون بہریا ہے سلا — سرو صنوبر سمنکے پیلان پہلے مین پھولان اچھے مکارا

مثنویاں | دکھنی شعراطویل مثنویاں لکھنے کے عموماً عادی تھے جہان تک ہماری معلومات ہین ان کے سخا

سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ دکن مین کسی غیر مسلسل نظم کے بجائے مسلسل نظم (مثنوی) کا وجود ہی پہلے ہوا ہے،
دکھنی شعرا کی اکثر مثنویان فارسی سے ترجمہ ہوئی ہین مگر ایسی مثنویان بھی لکھی گئی ہین کہ جنکو مصنف
کی دماغی اپج قرار دیا جاسکتا ہے، مثلاً وجہی کی قطب مشتری اور نصرتی کا علی نامہ وغیرہ،

شاہی کی ایک نامکمل طویل مثنوی (بدیع الجمال) کے متعلق ہم نے ایک علٰحدہ مضمون لکھا ہے، اس
کلیات مین بھی سلطان کی تین مثنویان ہین جنمین سے ایک بہتر شعر کی مثنوی خیبر نامہ کے نام سے لکھی گئی ہے؛
دو اور مثنویان سات سات شعر کی ہین،

خیبر نامہ مین جنگِ خیبر کے حالات ہین، زیادہ تر واقعات نہایت صداقت کیساتھ نظم کئے گئے ہین؛
یہ مثنوی واقعہ نگاری کا اچھا نمونہ ہے، مختصراً انتخاب پیش ہے:-

اوّل حق کی توحید سون کر سخن ۔۔۔ پچھین خوش اداسون بیان کر بچن
تجے ہے سزاوار حمد و ثنا ۔۔۔ ترے حکم سون ہے نہنا ہور بڑا
اتا ایک قصہ سنون جنگ کا ۔۔۔ کہ وو جنگ تھا دین کے ننگ کا
اتھا ایک خیبر کا قلعہ بکل ۔۔۔ بڑے بھر کلان پر اکل ستے اٹل
سلح ظاہری باطنی سون سنوار ۔۔۔ عنایت کئے شاہ کون ذوالفقار
روانا ہوے جنگ کے تئے نامدار ۔۔۔ وو شاہ ولایت ادھک کام گار
چلے شہ وہین کفر کون توڑنے ۔۔۔ او جا ست پتھر کے تبان پھوڑنے
جو مرحب نے دیکھا برادر کتین ۔۔۔ کہیا وو گیا تو لڑون گا ج ین
زرہ باندھ دوہری بندھا دو فرنگ ۔۔۔ رکھیا دل مین جب شہ سون کرنے پلنگ
لیا ہات بھالا جو تھا تیں من ۔۔۔ شتابی سون آکر کھڑا بیچ رن
جو دیکھا نظر بھر شہنشہ کا مون ۔۔۔ وو بولیا سخن یو اپس بوج سون

کہ سپنے مین دیکھیا ہون مین رات شیر کیا بھاڑ پنجے سون آپس کون زیر
وہی شیر دستا ہے مج آج یو غصے سون کرے گا مگر دہر کون دو
شہنشہ نے مرحب کون بگی بلک دو شق کرسٹے سیس تھی پا تلک

. . . .

یہودی جتے تھے ہوے سرنگون غنیمت لگی ہات حد سون فزون
فتح کر قلعے کون شہنشاہ سور پھرے لیکہ لشکر پیمبر حضور
پیمبر خبر سنکہ خوش حال دل ہوئے تو انگے آعلی شہ سون مل

. . . .

تیرا یاد دن رات شاہی کا کاج
ترے فیض سون ہوا اُسے تخت و تاج

ایک دوسری مثنوی بھی ملاحظہ ہو:-

سونے کی صراحی سونے کا ہی جام سونا گھول پتی ہے بھر بھر مدام
چندر مکھ سکی کا ادھک پیار کا سونے کا ہے سیس پھول سر ج سار کا
سونے کیان کلیان کر کرن مین بہڑی سونے کی زنجیر گلے مین دھری
سینا ہے سکی کا سونے سار کا سونا ہور موتی گلے ھار کا
سونے کا زر نیا سونے کا ہے آنگ سونے کا ہے ٹیکا سونے کا ہے مانگ
سودھن جب سنواری ہو پیجن کا نگ سونا آسرن لک دہریا سیس پک

کرم تج پہ شاہی کا دستا ہے آج
سونے کا انجل ادت کرتی ہے لاج

غزلیات مثنویوں کے بعد غزلیات ہیں جنکی تعداد (۱۸) ہے۔ ان کے اشعار کی تعداد پانچ سے چودہ تک ہے۔ اشعار کی کل تعداد (۱۳۹) ہے نمونہ ملاحظہ ہو،

سارے جہان کے پارکھی پر کہوں رتن کیونکر کہو یاقوت ہور مرجان مین کو ہے رتن برتر کہو

بولے جہان کے پارکھی ہمنا نہ آوے بولنا تمنا سہاتا بولنا اے شاہ بحر و بر کہو

بولیا ہون نت مین فکر تے یو دو رتن کا فرق کر گر کچ اچھے انصاف تو اس بول کون خوشتر کہو

مرجان مین صافی نہین یاقوت مین صافی اچھے جس ذات مین صافی اچھے اس ذات کون بہتر کہو

یاقوت ہور مرجان کی شاہی لکھیا ساری غزل
سنکر جگت کے شاعران اس شعر کون افسر کہو

خوش بہانت ہو پیاری آتی انگنن مین جم جم نت پیم مین لٹک تے دستی نین مین جسم جم

پھولی ہون ات خوشی سون ہو باغ باغ من مین جب ہاتھ ملا کر پھرتے چمن مین جسم جم

درد ستے ہوا ہے مج کہ مین تج کل نہین دیکھا ہوا بے کل تیا مین کل کہ یک تل کل نہین دیکھا

تمارے حسن کی خوبی مقابل جب چندر سون ہوئی تد انتی مین کلنکے کون کدھن نرمل نہین دیکھا

چل خوش سہا دے کمان کے اوپر کمان پدمنی سے چلا ہے الگ

مظفر علی شاہ کے ہات کا اچک تیر لاگیا نشان کے پلک

ابرو کمانان کھینچ کر مارے پلک کے تیر سون زخمی ہوا دل کا ہرن لاگیا نشان تج ہات کا

تج بال کالے دیکھ کر بادل پھرین حیران ہو تج بھال ہور نیلک کنے کیا چاند ہور کیا سور ہے

ریختہ شمالی ہند مین ایک زمانہ تک اردو زبان ہی کا نام ریختہ تھا اور پھر نظم کو بھی عام طور سے ریختہ کہا جاتا تھا، بخلاف اس کے دکن مین اردو زبان کو کبھی ریختہ نہین کہا گیا اور نہ عام طور سے نظم کو ریختہ کا نام دیا گیا، البتہ ولی کے زمانہ سے نظم ریختہ کے نام سے بھی موسوم ہونے لگی ؎

یہ ریختہ ولی کا جاکر اُسے سُنا دو رکھتا ہے فکر روشن جو انوری کے مانند

ہمارا خیال ہے ولی نے بھی اسکو شمالی ہند کے سفر کے بعد ہی اختیار کیا ہوگا، کیونکہ دکن مین ریختہ سے مراد صرف وہ اشعار تھے جنمین مصرعے فارسی اور اردو ترکیبون سے مرکب ہوتے تھے، چنانچہ زیر تبصرہ کلیات مین ایک غزل ایسی موجود ہے اور اسکو ریختہ کے عنوان کے تحت لکھا گیا ہے اس غزل کے بعض اشعار ملاحظہ ہون،

دیدم نظر بھر روپ جو اس شوخ چنچلہ مستانہ را گفتم بیا مندر منے روشن کمن کاشانہ را

نامان کر اس بول کون انچل جھٹک دے جب چلی آختم سون بولی مجھے با من مگو افسانہ را

تس کے فراقون یون دسے گلزار سب انگار ہو یو دل معلم ہو مرا دیوے سبق پروانہ را

موزون متقابو لنے ہر یک کون کان طاقت اچھے اجرج کہیا شاہی غزل سننے بدل فرزانہ را

ریختی

ریختی کا موجد ہاشمی بیجاپوری متصور ہوتا ہے جو اسی علی عادل شاہ کے زمانہ مین تھا، زیر بحث کلیات مین بھی ایک غزل ایسی موجود ہے جسکو ریختی سے موسوم کرنا غیر درست نہ ہوگا، وہ اگرچہ اس کلیات مین غزلون کے تحت مین درج ہے، مگر عورتون ہی کی زبان مین ہے، یہ پوری غزل حسب ذیل ہے،

پیو سات ریچ رہنا لذت اسے کہتے ہین آپ ریچ بھر رہنا صنعت اسے کہتے ہین

مج نین کے نگر مین لالن وطن کئے جب تب انجمن کے لوگان خلوت اسے کہتے ہین

مین جھاؤن ہو پیا سنگ لاگے رہی ہون دائم یک تل جدا نہ ہونا وصلت اسے کہتے ہین

گل ہور گلاب میانے نہین کچ فرق ازل تے یون پیو سون مل رہی ہون الفت اسے کہتے ہین

بہت جور جیت بھلائے مین آپنی پیا کون عاقل جہان کے بولین حکمت اسے کہتے ہین

سوتن مین پیو مجکون جب سیج مین آیس کے بھومان دے بلادے عزت اسے کہتے ہین

چارون پہر پیا سنگ کئے بھانت کردن کے سوگ ہو رہی ہون عشرت اسے کہتے ہین

لالن کی چاد تھی مین پوری پرو کر انجھیا ترلوک مین پیو لنے شہرت اسے کہتے ہین

رون رون رس کری مین شاہی کا ناون لینے پھر پھر دونا نون نسیا راحت اسے کہتے ہین

مخمس | غزلون کے ساتھ ایک مخمس بھی ہے، یہ نظم شاعر کے پروازِ خیال اور زورِ بیان کی اچھی مثال ہے، ذیل مین اس کا کچھ نمونہ بھی پیش کیا جاتا ہے:-

کوئی جاؤ کہو مج ساجن سات مین نیہ بندی تون کیتا گھات

دل مرا اپنے سات کیا مج برہے مین دن رات کیا

دل داری کا نا بات کیا سب بسرا اسکہ ہے ہات کیا

کئے مج سون ایسی دہات کیا

کوئی جاؤ کہو مج ساجن سات مین نیہ بندی تون کیتا گھات

پیو مورت دیکھو سپنے مین جب جاگو تب رہون پنے مین

لا دیپک برہا اپنے مین تن جائے جھک جھک جپنے مین

آرام اچھے مج کھپنے مین،

کوئی جاؤ کہو مج ساجن سات مین نیہ بندی تون کیتا گھات

تج یاد کر تل ملتی ہون لہو تیل منے دل تلتی ہون

تن موم بتی ہو جلتی ہون اس جلنے سون نا ٹلتی ہون

سب رین برہ مین گلتی ہون

کوئی جاؤ کہو مج ساجن سات مین نیہ بندی تون کیتا گھات

کوئی آو سنو رے میرا حال پیو کیا مج سون جو کو تال

مین جگتے نت اٹھ انجو دہال کل پتی آنسو موتی مال

مج یک یک پل ہے لک لک سال

کوئی جاؤ کھو مج ساجن سات　　مین نیہ بندی تون کیتا گھات

مثنوی | اس کلیات مین ایک مثنوی بھی ہے جو حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز کی مدح مین ہے، اس کے بعض شعر ملاحظہ ہون،

تس رین محفوظ ہوات شوق سون کیتے بچن　　مدح مین اس ذات بابرکات کے کھو لیا رسن

طبع مج بولیا مثنوی خوش عبارت خوش وزن　　حق کیا قدرت سون عالم تس مین یک روشن بدن

سو محمدؐ ہے حسینی سید قطب دکھن　　اس زمین کے کیا اتھے طالع جو کیتا ہے وطن

کہان سو یو دہرت ہور تس مین تون ہی جیون رتن　　جن لقب پایا ہی اپنی پیر ستے گیسو دراز

رباعی | رباعی صرف ایک ہے،

سب دیس گیا ہے دھن تے لڑتے لڑتے　　کھٹ رات گئی ہے پانون پڑتے پڑتے

کیا نیکہ مدن کا اونچ لگتا ہے مجے　　رہے پانون سرے پرت کے چڑتے چڑتے

راگنیان | اس کے بعد متعدد راگنیان ہین، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ابراہیم عادل شاہ ثانی موسیقی کا ماہر تھا اور اپنی یادگار مین نورس[1] جیسی کتاب راگنیون کے متعلق چھوڑی ہے، اسی طرح اس کے پوتے علی عادل شاہ کو بھی موسیقی مین کافی مہارت حاصل تھی،

سوہلا در مقام رام کلی | منجملہ متعدد راگ اور راگنیون کے ایک کا نمونہ پیش ہے،

آج راج ہے راج ہی راج ہی سائین گھر راج ہی　　سکھیان سکھیان مل گاؤ سوہلا سوہلا کاج ہے،

بن آیو سجنی اور ساجن سیج سیج ساجن ہے　　مدن روپ نر نارن کو سر سر تاج ہے

تاریخین | دو فارسی تاریخین بھی اس کلیات مین شامل ہین، ایک شرف برج جسکا سال تعمیر ۱۰۷۰ھ ہی، اور دوسری تاریخ بادشاہ محل کی ہے، جس کی تعمیر ۱۰۸۱ھ مین ہوئی تھی،

[1] نورس کے متعلق ہمارا ایک مضمون معارف جلد ۲۹ نمبر ۶ مین شائع ہو چکا ہے،

پہیلی | اس کلیات میں دو ایک پہیلی بھی مذکور ہیں ناریل کی پہیلی حسب ذیل ہے:-

میانے ملائی بہتر رس آس پاس بہوت دس

سلطان علی عادل شاہ کے کلام کا نمونہ جو مختلف اصناف سخن میں ہے پیش ہو چکا ہے اس سے سلطان کی قوتِ بیان اور ذوقِ سخن کی تصدیق ہوتی ہے،

اسکے قصیدے جہاں ادق اور مشکل بحرین ہیں، وہاں آسان اور سہل بھی ہیں، اس سے شاہانہ طمطراق رعب و داب کا اظہار ہوتا ہے، مثنویوں سے واقعہ نویسی اور مرقع نگاری کی تصدیق ہوتی ہے، اس کی غزلیں رنگین خیالی عاشقانہ مضمون آفرین تخیل کی پرواز کو ظاہر کرتی ہیں، تشبیہ اور استعارہ کو بھی کام میں لایا گیا ہے، مگر وہ بھی عام فہم، اس کے عاشقانہ کلام کو اگر زمانہ مابعد بلکہ آج کل کے کلام سے ملایا جائے تو زیادہ فرق سوائے زبان کی صفائی اور تخیل کی پرواز کے اور کچھ نظر نہیں آتا،

معشوق کی وہی زلفِ سیاہ، رخسارِ گلگون اور چشم فتان کی تعریف ہے، اس کی ترچھی نظر سے عاشق گھائل ہوتا اور تیر نظر سے اس کا دل مجروح ہو جاتا ہے، شراب ناب سے سیری نہیں ہوتی، معشوق چاند سے زیادہ حسین شمع سے زیادہ روشن ہے، اس کا حسن سمندر کی طرح بے پایان گیسو شام کی طرح سیاہ گال سحر کی طرح سپید ہیں،

کبھی معشوق اپنے عاشق کے ساتھ جانے کے لیے بے قرار ہے، اس کو جدائی اور فراق کے زمانہ میں نیند نہیں آتی، دن کو چین ملتا ہے اور نہ رات کو آرام، پیا کے سوا کوئی ساتھی نہیں، دل لہو کے تیل میں تلتا اور موم کی طرح جلتا ہے، اور وہ جدائی کے صدمہ سے گھل کر دُبلی ہو جاتی ہے، کوئی اس کے حال کو سننے والا نہیں، اس کے آنسو موتی کے طرح نکلتے ہیں، جدائی میں ایک ایک پل سال معلوم ہوتا ہے، عاشق کے بغیر دکھ بھاری اور دنیا اندھیری ہے:

اس طرح کے خیالات اور مضامین وہی ہیں جو شعرائے مابعد کے کلام میں بھی نظر آتے ہیں، اس سے

ظاہر ہے کہ عاشقانہ کلام مین زیادہ فرق نہین ہے،

یہ ہم کو معلوم ہے کہ سلطان نے دولت کے دامن مین آنکھ کھولی، ہوش آیا تو عیش ونشاط کا چرچا سنا اور جوان ہوا تو ساغر وجام کا دور دیکھا، اس وقت بیجاپور کی معاشرت مین سادہ زندگی، بلند نظری اور عالی دماغی کا وجود نابود ہو رہا تھا، عالی شان قصرون کی زیبایش کے لیے سونے کو پانی کی طرح کام مین لایا جا رہا تھا، ساقیانِ مہ وش اور زاہد فریب رانیان زینتِ محفل ہوتی تھین، اس لحاظ سے کلام کا رنگین خیالی اور عاشقانہ مضمون آفرینی سے مملو ہونا ناگزیر تھا،

اردو یا دکھنی شاعری کے وجود کو زیادہ عرصہ نہین ہوا تھا، عام طور سے سادگی اور صفائی عام فہمی لوازمِ سخن تھے، سلطان کا کلام بھی ان امور سے خالی نہین ہے،

بہرحال سلطان کا کلیات ایک بیش بہا خزانہ ہے، جس مین قیمتی موتی محفوظ ہین، خدا کرے یہ زیور طبع سے آراستہ ہو جائے،

پٹنہ کے چند آثار

از

جناب عبد الاحد شرف الدین پوری پٹنہ

صوبہ بہار میں راجگیر ایک ایسا مقام ہے، جہاں کی ایک عمارت کا نمبر دنیا کی عمارتوں میں قدامت کے اعتبار سے تیسرا ہے، چنانچہ مسٹر ہیٹرس نے اپنی کتاب ان دی ٹرالیس آف جوان چوانگ (۱۹۱۳ء) میں اور ڈاکٹر اس ڈیبلس نے بودھسٹ انڈیا میں یہان کے قدیم شہر اور قلعہ اور اس کی پرانی فصیل کو قدامت میں نہ صرف ہندوستان، بلکہ ساری دنیا میں تیسری عمارت قرار دیا ہے، اور پتھر کی ایک مسلم دیوار قلعہ کی عمارت کے بعض حصص آج بھی موجود ہیں،

راجگیر کے بعد صوبہ بہار کا موجودہ دار الحکومت پٹنہ جو عہد قدیم میں پاٹلی پتر تھا، نہ صرف صوبہ بہار بلکہ ساری مملکت ہند کا دار السلطنت تھا، جس کے حدودِ حکومت سرحد افغانستان تک وسیع تھے چنانچہ راجہ چندر گپت کے عہد ۳۲۱ قم سے بھی پہلے ۵۰۰ قم میں راجا بھیم بسار کے بیٹے راجہ اسات سترو نے اول اول اپنا دار الحکومت راجگیر سے یہان منتقل کیا، اور اسکا نام پاٹلی پتر رکھا،

اس کے بعد عہدِ اسلامی میں جب شاہزادہ عظیم الشان ۱۶۹۷ء میں پاٹلی پتر آیا، اور اس نے اس شہر سے دلچسپی لی اور اسی زمانہ میں شہنشاہ اورنگ زیب کے حکم سے اس کا نام اپنے نام پر عظیم آباد رکھا، شہر کو اپنی شرف قدامت سے عہد قدیم سے مرکزیت حاصل تھی اس شاہزادہ عظیم الشان نے اپنی توجہ سے عہد اسلامی میں بھی اس کو پر رونق بنا دیا، اور رفتہ رفتہ عہد اسلامی میں مشرقی ہند کا ایک پر عظمت اور معمور شہر بن گیا جسکی چند نشانیاں آج بھی جا بجا کھڑی، عہد رفتہ کی یاد تازہ کرتی ہیں ذیل میں یہان کے چند آثار پیش ہیں،

بیگو حجام کی مسجد

یہ مسجد سلطان علاء الدین حسین شاہ بنگالی کی یادگار ہے، اون کے حکم سے ناظر خان نے ۹۱۱ھ مین تعمیر کرائی جو مسجد کے کتبہ مین درج ہے، اس مسجد مین ایک دوسرا کتبہ بھی موجود ہے، جو بیگ محمد نے لگوایا ہے، اس مسجد کے مصلے اور فرش مین چینی کے کام کی اینٹین اور سنگ رخام کے ٹکڑے لگے ہوئے ہین، ہندوستان مین چینی کے کام کی اس طرح کی اینٹین دہلی اور گوڑ نگر (بنگال) کی بعض عمارتون کے سوا کہین نظر نہین آتین، اس مسجد کا شمار یہان کی نادر عمارتون مین ہی،

خاجہ کلان تھانہ کے آگے سڑک کے جانب شمال چند گز کے فاصلہ پر ہے،

پتھر کی مسجد

جہانگیر کے عہد کی یادگار گزری محلہ مین مرزا معصوم کی ایک مسجد معلوم ہے، اوس کے علاوہ جہانگیر کے بیٹے پرویز شاہ کی بنائی ہوئی ایک دوسری مسجد ہے، جو پتھر کی مسجد کے نام سے موسوم ہے، بلکہ اسی نام سے وہ محلہ بھی یاد کیا جاتا ہے، کتبہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس مسجد کے لئے پتھر مونگیر سے لائے گئے تھے عمارت بالکل سادہ اور نقش و نگار سے معرا ہے، پتھر بھی کچھ قیمتی نہین اس کا کتبہ مسجد کے بیرونی محراب پر کندہ ہے، جس کا پتھر بالکل سیاہ ہی، اور حوادث روزگار سے کچھ مجروح بھی ہوگیا ہے، وہ کتبہ حسب ذیل ہے،

اللہ اکبر

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

در عہد نور چشم جہانگیر بادشاہ	پرویز شاہ عادل و باذل بو تل و دائے
کیخسرو زمانہ و جمشید سلطنت	بر تخت ملک جو سکندر جہان کشائے
کرد این بنائے خاص نظر خویشگی کہ ہست	در پیر دی شیخ محمد چو گوہ پائے (؟)

مسمار ساخت قلعہ مجہولی و بیت کرہ وز سنگ و چوب تبکدہ شد این نکو بنائے

کردم سوال سال بنایش ز پیر عقل گفتا بگو خرامی خیر المقام جائے ۱۰۳۶ھ

نواب سیف خان کی مسجد اور مدرسہ

شاہ جہان کے عہد مین نواب[1] سیف خان حاکم صوبہ بہار نے ۱۰۳۶ھ مین ایک عالیشان مدرسہ اور اسی کے پہلو مین ایک طویل و عریض مسجد لب دریا تعمیر کرائی، مدرسہ کی عمارت آفات زمانہ کے نذر ہوگئی، لیکن اسکی یاد اوس محلہ سے جو آج بھی مدرسے کے نام سے موسوم ہے، ابھی تک تازہ ہے، مدرسہ کی مسجد کی عمارت اچھی حالت مین پر فضا مقام پر موجود ہے، اس کے کتبے کے حروف امتداد زمانہ سے مٹ گئے، صرف چکنا پتھر باقی رہ گیا ہے،

عیدگاہ

یہ عیدگاہ گلزار باغ افیون کوٹھی کے متصل ہے، اس کے کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی نواب سیف خان نے ۱۰۳۶ھ مین اس کو بھی تعمیر کرایا تھا،

خواجہ عنبر کی مسجد

نواب شایستہ خان کے خواجہ سرا خواجہ عنبر نے یہ مسجد ۱۰۸۰ھ مین تعمیر کرائی، جو اس وقت اچھی حالت مین پٹنہ سیٹی کے صدر ڈاکخانہ کے سامنے موجود ہے،

دار العدل

دار العدل پر ذیل کا کتبہ ہے :-

بندہ نواب فخر الدولہ ممدوح زمان، آن کہ در نامش حسن را با علی باشد کران

ساخت دار العدل جا کو بنا بر حسب داد در ہزار یک صد چہل دو شمر د تاریخ آن ۱۱۴۲ھ

---

[1] نواب سیف خان کا اصل نام مرزا صفی تھا، یہ ممتاز محل کی بڑی بہن کے شوہر تھے، اس حیثیت سے یہ شاہ جہان کے ہم زلف تھے،

اس کتبہ کو خواجہ کلان تھانہ کے کانسٹبلون نے قبر کا کتبہ سمجھکر تھانہ کے صحن مین ایک بوسیدہ قبر پر لگادیا تھا، کچھ دنون کے بعد وہ اوس قبر سے بھی علیحدہ ہوگیا، اور پتھرون کے ڈھیر مین ایک سائبان مین پڑا ہوا تھا، اتفاقاً مولوی فصیح الدین صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ ساکن پٹنہ سٹی کی نظر اوس پر پڑی، اور اون کی کوششون سے انسپکٹر جنرل پولس نے اس کتبہ کو تھانہ کی دیوار مین لگوادیا، جہان اس وقت موجود ہے،

داؤد خان قریشی کے زمانہ مین جب دار العدل بنا تو اس وقت دوسرا کتبہ اس پر لگایا گیا تھا اس سے قیاس ہوتا ہے کہ پہلا دار العدل اسی خواجہ کلان تھانہ کے پاس تھا، یہ کتبہ بھی پہلے کتبہ کے پہلو مین دیوار مین لگا ہوا ہے۔ اس مین صرف یہ شعر لکھا ہے،

بہرِ عدل و دادِ مظلومان زدستِ ظالمان ساخت دار العدل جعفر بندۂ داؤد خان،

مقبرہ پدر نواب سعادت خان،

محلہ دھولپورہ سے کچھ اور جانب جنوب سنگین چہار دیواری کے اندر نواب سعادت علی خان کے والد کا مزار ہے، یہ برہان الملک نواب وزیر اودھ بانی شہر فیض آباد کے دادا تھے، ۱۱۵۵ھ مین محمد شاہ بادشاہ دہلی نے نواب صفدر جنگ کو علی وردی خان کی امداد مین مرہٹون سے لڑنے کیلئے عظیم آباد بھیجا، اثنائے قیام مین نواب صفدر جنگ تنہا اپنے جد مادری کے مزار کی زیارت اور فاتحہ کے لئے مقبرہ مین تشریف لائے، یہ جگہ مقبرہ پدر سعادت خان کے نام سے مشہور ہے۔[1]

مقبرہ نواب ہیبت خان،

زین الدین احمد خان احترام الدولہ بہادر ہیبت جنگ نواب علی وردی خان صوبہ دار بنگال و بہار کے بھتیجے اور داماد تھے، اپنے خسر کے بنگال جانے پر خاص بہار کے گورنر مقرر ہوئے، شمشیر خان اور سردار خان وغیرہ دربھنگہ کے پٹھان جاگیر دارون نے

---

[1] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۱۲۸

نواب علی وردی خان کی ملازمت ترک کر کے پٹنہ پر اچانک قبضہ کر لیا، اور نواب ہیبت جنگ کو عمارت چہل ستون میں جو مدرسہ کی مسجد کے قریب تھی، دھوکے سے قتل کر ڈالا، یہ واقعہ ۱۱۶۰ھ میں پیش آیا، صاحب سیر المتاخرین یہ واقعہ اس طرح بیان کرتا ہے کہ

"رشید نام بتندی کتارے از کمر کشیدہ بر سینہ ہیبت جنگ زد، اما چو دستش لرزان بود کارے نہ کرد، و محمد عسکر خان متعارن این حال فریاد کرد کہ ہان وہان این چہ نمک حرامی است درین گرمی ہیبت جنگ نظر بالا کرد و آن حالت دیدہ دست بقبضہ شمشیرے کہ روبروے داشت دراز ساخت، مراد شمشیر خان تیغہ کہ در دست داشت کشیدہ چنان بقوت زد کہ از شانہ ہیبت جنگ گذشتہ تا تہی گاہ حایل بریدو ہیبت جنگ مردہ بر تکیہ مسند افتاد"[۲]

نواب ہیبت جنگ کی لاش میر حیدر علی کوتوال شہر کی اجازت سے سید محمد اصفہانی لائے، اور تکفین کے بعد محلہ بیگم پور میں مرحوم ہی کی زر خرید زمین میں دفن کیا،[۳]

یہ مقبرہ ریلوے اسٹیشن پٹنہ سٹی سے دکھن پچھم سو گز کے فاصلہ پر بڑی چہار دیواری کے اندر ہے، اس میں ترشے ہوئے پتھر کی خوشنما جالیاں لگی ہوئی ہیں،

میر اشرف کی مسجد

یہ مسجد اس لحاظ سے خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اس کے فرش کی اینٹوں پر سنگ کا کام ہے، مسجد کا زمانہ تعمیر ۱۱۸۶ھ ہے، اس طرح اس مسجد کی تعمیر پر ۱۷۶ سال گذر چکے، مگر فرش کے کام میں مطلقاً فرق نہیں آیا ہے، چمک دمک بعینہ موجود ہے، اس مسجد پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے:-

چون بعہد خجستہ حامی دین،	شاہ عالم بہادر با داد،
مسجد ہمچو کعبۂ اشرف	معدن فیض خوش شدہ بنیاد
یا الٰہی بہ بانیش رحمت	کس کہ باعث شدہ بخیر معاد
بہر تاریخ گفت ہاتف غیب	تا جہان اشرف المساجد باد
	۱۱۸۶ھ

---

[۱] گورنمنٹ گزٹیر صفحہ ۱۳، [۲] سیر المتاخرین ج ۲ صفحہ ۱۰۲، [۳] ایضاً ج ۲، صفحہ ۵۶۳،

گولکپور کی ایک مسجد

یہ مسجد محلہ گولکپور میں اچھی صورت میں موجود ہے، دیواریں سنگین اور پائدار ہیں، کسی خاص نام سے یہ مسجد مشہور نہیں، یہاں کے باشندے اسے شیعوں کی مسجد کہکر محلہ کی دوسری مسجدوں سے امتیاز دیتے ہیں، کیونکہ آج کل یہ اسی جماعت کے قبضہ میں ہے، مسجد کے بانی کا نام شادمان تھا، ان کے متعلق کوئی تاریخی علم حاصل نہ ہو سکا، مسجد کو تاریخی استناد یہ حاصل ہے، کہ اس میں شاہ فرخ سیر تاجدار پٹنہ نے نماز ادا کی نہیں معلوم شادمان کا عہد فرخ سیر سے کس قدر پہلے ہے، فرخ سیر کے ۱۲۵ سال بعد اس مسجد کو شکستہ حال دیکھ کر ایک بزرگ ذوالفقار علی نامی نے اسے مرمت اور درست کرایا، اور بعض چیزوں کا اضافہ بھی کیا، یہ حالات مسجد کے ایک کتبہ سے معلوم ہوتے ہیں، جو مسجد کے اندرونی در پر ایک سفید پتھر پر کندہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم،

این مسجد یکہ باشد بانیش شادمان نام	کردہ نماز دروی فرخ سیر شہنشاہ
بوسیدہ شکستہ رفتہ بود چندے	بازش درست کردہ یک متقی ذی جاہ
بہ ذوالفقار سازی لفظ علی چو منضم	یابی تو نام پاک آن سید حق آگاہ
تاریخ چون بجستم ای شاد بہر انشا	ہاتف بگفت با من ترمیم کعبۃ اللہ

شاہ فرخ سیر کی تاریخ پیدائش ۱۹ رجب ۱۰۹۵ھ ہے، وہ ۲۰ سال کی عمر میں صوبہ بہار آیا، اسی سال ۱۱۲۳ھ اوائل ربیع الاول میں تخت سلطنت پر پٹنہ (عظیم آباد) میں جلوہ افروز ہوا، اور اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کیا، پٹنہ میں چار یا پانچ مہینے کی اقامت کے بعد جہاں دار شاہ سے لڑنے کیلئے اکبر آباد روانہ ہوا، اس کے بعد پھر تا حیات شاہ فرخ سیر کے پٹنہ آنے کا پتہ نہیں چلتا، اس لئے اواخر ۱۱۲۲ھ یا اوائل ۱۱۲۳ھ میں اپنے زمانہ قیام پٹنہ میں شاہ فرخ سیر نے اس مسجد میں نماز پڑھی، اس لحاظ سے اس مسجد کی تعمیر کو اگر فرخ سیر ہی کے زمانہ سے شمار کیا جائے، ۲۲۰ سال ہو چکے ہیں،

---

[۱] اسی مضمون کا ایک دوسرا کتبہ مسجد کے صدر دروازہ پر بھی ہے،

اسلام اور تکمیلِ اخلاق

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

از مولانا عبد السلام صاحب ندوی۔

اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ دنیا کی مختلف قومون مین جو اخلاقی اجزا نامکمل طور پر پائے جاتے تھے، اسلام نے اونکو مکمل کر دیا ہے چنانچہ خود رسول اللہ صلعم نے اپنی رسالت کا یہ مقصد بتایا ہے:۔

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔ یعنی مین اس غرض سے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہون کہ فضائلِ اخلاق کی تکمیل کرون،

اب ہمین غور کرنا چاہئے کہ تکمیلِ اخلاق کی کسقدر صورتین ممکن ہین۔

(۱) تکمیلِ اخلاق کی ایک صورت تو یہ ہے کہ زندگی کے کسی خاص شعبے یا زندگی کے تمام شعبون مین اخلاق کی جو مقدار پائی جانی چاہئے وہ کسی قوم یا کسی مذہب مین کم ہو، اس صورت مین تکمیلِ اخلاق کے معنی یہ ہین کہ یہ مقدار پوری کر دی جائے،

(۲) اسکے بالکل برعکس دوسری صورت یہ ہے کہ ان شعبہای زندگی مین اخلاق کی جسقدر مقدار درکار ہے، وہ کسی قوم یا کسی مذہب مین اس سے زیادہ ہو، مثلاً دنیا کے تمام مذاہب نے یہ تعلیم دی ہے، کہ انسان کو دنیا اور دنیا کے لذائذ مین زیادہ منہمک نہین رہنا چاہئے، لیکن اسی تعلیم نے ترقی کرکے رہبانیت کی شکل اختیار کر لی، اور دنیا مین ہزارون راہب ہزارون جوگی، اور ہزارون بھکشو پیدا ہوگئے، جو تجارت، ملازمت، زراعت غرض دنیا کے تمام جائز پیشون کو چھوڑ کر جنگلون اور پہاڑون مین زندگی بسر کرتے ہین، اور دنیا کی تمدنی ترقیون کو نقصان پہنچاتے ہین، اب اس صورت مین تکمیلِ اخلاق کا مفہوم یہ ہوگا، کہ اس بڑھی ہوئی مقدار کو گھٹا دیا جائے،

فلسفۂ اخلاق کی اصطلاح مین پہلی صورت کا نام تفریط اور دوسری صورت کا نام افراط ہے، جسکے معنی یہ ہین کہ اسلام نے جو نظام

اخلاق قائم کیا ہے، وہ افراط و تفریط کے درمیان ہے اور اسی درمیانی صورت کا نام فلسفۂ اخلاق کی اصطلاح مین اعتدال اور شریعت کی اصطلاح مین صراطِ مستقیم ہے،

(۲) تکمیل اخلاق کی ایک صورت یہ ہے کہ زندگی کے تمام شعبون مین جن فضائل اخلاق کی ضرورت ہے، اون مین بعض شعبے اپنے مناسب اخلاقی اجزا سے خالی ہون مثلاً حضرت عیسٰی علیہ السلام نے چونکہ متاہلانہ زندگی بسر نہین کی، اسلئے اون کے قائم کردہ نظامِ اخلاق سے یہ معلوم نہین ہو سکتا کہ خانگی زندگی مین انسان کو کن فضائلِ اخلاق کی ضرورت ہے،

اسی طرح جوگیون اور راہبون کی بے تعلق زندگی معاشرتی نظام اخلاق کے اجزا سے خالی ہوتی ہے، اور اس صورت مین تکمیلِ اخلاق کے معنی یہ ہین کہ زندگی کے تمام شعبون کی مناسب تقسیم کیجائے اور ہر شعبے کو اس کے مناسب اخلاق کا حصہ دیا جائے

اسلام نے ان تینون طریقون سے نظام اخلاق کی تکمیل کی ہے، جسکی تفصیل سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ اسلام کا اخلاقی نظریہ کیا ہے،؟ اور اوس نے کون سی اخلاقی تھیوری قائم کی ہے؟،

اس وقت تک جو اخلاقی نظریے قائم ہوئے ہین اون مین سے

(۱) ایک نظریہ یہ ہے کہ کسی فعل کی برائی اور بھلائی کوئی عقلی اور روحانی چیز نہین ہے، بلکہ اوسکا دار مدار صرف قانون سلطنت پر ہے یعنی بادشاہ جس فعل کو ممنوع قرار دیدے، وہ بداخلاقی کی فہرست مین شامل ہے اور جسکو جائز رکھے وہ خوش اخلاقی کے سلسلے مین داخل ہے، اس نظریہ کے رو سے گویا اخلاق اور قانون ایک ہی چیز ہین لیکن اسلام اس نظریہ کی تائید نہین کرسکتا، کیونکہ اس سے شراب کی تجارت، یا طوائفون کا پیشہ جسکی موجودہ سلطنتون نے اجازت دی ہے جائز ہوجاتا ہے،

(۲) دوسرا نظریہ یہ ہے کہ افعال کے حسن و قبح کا معیار ایک خاص طرح کی موزونیت و مناسبت ہے، جو عقل کو اون کے مختلف حصون کے درمیان معلوم ہوتی ہے، مثلاً کوئی وعدہ کرنا اور پھر اوسے پورا کرنا، ان دونون افعال کے درمیان بداہتہً ایک طرح کی موزونیت یا مناسبت پائی جاتی ہے، اسلام اس نظریہ کا نہ موافق ہے نہ مخالف،

(۳) تیسرا نظریہ یہ ہے کہ نیک کردار کا لازمی نتیجہ حصول مسرت ہے، اسلئے جو لوگ بداخلاقی مین مبتلا ہوتے ہین، اون کو اس کا علم نہین ہوتا کہ اونہین بجائے مسرت کے رنج و غم حاصل ہوگا، اس لحاظ سے نیک کرداری کا معیار مقدارِ علم ٹھہرتی ہے یعنی جس قدر کسی

شخص کا علم ناقص یا کامل ہوگا، اسی نسبت سے وہ نیک کردار یا بدکردار ہوگا، قرآن شریف کی ایک آیت میں ہے کہ خدا سے صرف وہ بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں اس لئے اگر اس آیت کے مفہوم کو زیادہ وسیع کیا جائے تو اسلام اس نظریہ کا موید ہے،

(۴) چوتھا نظریہ یہ ہے کہ اخلاق کی بنیاد تمامتر خودغرضی پر ہے یعنی جب لوگوں نے دیکھا کہ بعض افعال سے اوس کے کرنیوالے کو نقصان پہنچتا ہے، تو اون افعال سے بچنے کیلئے اونھوں نے ان کو بداخلاقیوں کا لقب دیا، اور اون کے مقابل افعال کو اعمال حسنہ قرار دیا، اسلامی نظام اخلاق کا نتیجہ بھی یہی ہے لیکن وہ تمامتر خودغرضی کی تعلیم نہیں دیتا، بلکہ فضائل اخلاق کو نجات اخروی کا ایک ذریعہ قرار دیتا ہے،

(۵) پانچواں نظریہ یہ ہے کہ افادہ یا سودمندی اصل معیار اخلاق ہے، جو افعال خود فاعل و نیز عام جماعت کے حق میں مفید ہوتے ہیں، وہ اخلاقاً بھی محمود و مستحسن ہیں، اور جن سے اس کے برعکس نتائج پیدا ہوتے ہیں، وہ قبیح و مذموم ہیں، یہ نظریہ بھی اوسی فلسفہ خود غرضی کی ایک مہذب شکل ہے، اور اسلامی نظام اخلاق کے نتائج سے قریب تر ہے،

(۶) چھٹا نظریہ یہ ہے کہ صرف وہ افعال نیک و محمود ہیں، جو عملاً تمام دنیا میں عالمگیر ہو سکتے ہیں، چوری، قتل، دروغگوئی، بدعہدی اس لئے معیوب ہیں کہ یہ عالمگیر ہو ہی نہیں سکتے، اور اگر انھیں عالمگیر کیا جائے، تو موجودہ نظام عالم دفعتہً درہم برہم ہوجائے، یہ نظریہ جرمنی کے مشہور فلاسفر کینٹ کا ہے، اور عملی طور پر اسلام کا نظام اخلاق بالکل اسکے مطابق ہے، کیونکہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے، اسلئے اس نے اپنے نظام اخلاق میں وہی اجزاء شامل کئے ہیں، جو عالمگیر ہونیکی صلاحیت رکھتے ہیں، اور دنیا کی تمام قومیں اونکی پابند ہوسکتی ہیں، باقی خاص خاص ملکوں یا خاص خاص قوموں، یا خاص خاص شہروں کے مخصوص اخلاق اگر سوسائٹی کیلئے مضر نہیں ہیں، تو اسلام اونکو ناجائز نہیں قرار دیتا، لیکن درحقیقت وہ اسلامی نظام اخلاق کے حقیقی اجزاء نہیں ہیں، بلکہ بیرونی چیزیں ہیں،

(۷) ساتواں نظریہ یہ ہے کہ نیکی کا اصل الاصول افراط و تفریط سے بچ کر قوائے فطریہ کا اعتدال کیساتھ استعمال کرنا ہے، مثلاً اگر ہم اعتدال کے ساتھ روپیہ صرف کریں تو وہ سخاوت ہے، اور اگر افراط یا تفریط سے کام لیں تو یہ اسراف یا بخل ہے، اور دونوں یکساں طور پر معیوب ہیں یہ ارسطو کی تھیوری ہے، اور اسلام بھی اسکی تائید کرتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں مسلمانوں کا اخلاقی وصف یہ بتایا گیا ہے،

والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواما۔ ([illegible]) یعنی خدا کے بندے وہ ہیں جو خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ تنگی کرتے، بلکہ انکا خرچ افراط اور تفریط کے

(۸) آٹھوان نظریہ یہ ہے کہ خود انسانی فطرت مین ایک حاسۂ اخلاقی یا ضمیر موجود ہے، جس کا کام یہ ہے کہ وہ افعال کی برائی یا بھلائی کو تبلاتا رہتا ہے، اور اس فیصلہ مین عقل و استدلال کو دخل نہین ہوتا، اس نظریہ کے روسے افعال کی برائی یا بھلائی ایک روحانی اور وجدانی چیز ہے، اور اسی لحاظ سے حکمار مین جو لوگ روحانی طریقہ پر فلسفیانہ زندگی بسر کرتے تھے، اونھون نے یہی نظریہ اختیار کیا ہے، اور ہمارے صوفیۂ کرام کا میلان بھی اسی طرف پایا جاتا ہے، اور اسلام کا حقیقی اخلاقی نظریہ یہی ہے

چنانچہ خداوند تعالی فرماتا ہے،

لا اقسم بیوم القیامۃ ولا اقسم بالنفس اللوامہ، — یعنی مین قسم کھاتا ہون روز قیامت کی، اور قسم کھاتا ہون انسان کے اس روح کی جو برے کامون پر اسکو ملامت کرتی ہے (قیامت)

یہی نفس لوامہ ہے جس کو آپ کانشنس یا ضمیر بھی کہہ سکتے ہین،

اس کے چند آیتون کے بعد ارشاد ہوتا ہے،

بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ ولو القی معاذیرہ۔ — خود انسان اپنے نفس کی خبر رکھتا ہے گو وہ اپنی تئین بے گناہ ثابت کرنے کیلئے کتنے ہی حیلے کیا کرے،

انسان ایک جرم کرتا ہے، اور اس حالت مین اگر اس کا ضمیر مردہ نہین ہوگیا ہے، تو اس کا نفس لوامہ اوس کو ملامت کرتا ہے، اب وہ حیلے تراشتا ہے، کہ مین نے اگرچہ رشوت لی ہے، لیکن اس مین معذور ہون، کیونکہ میری تنخواہ میری ضروریات کے لئے کافی نہین، عملاً یہ حیلہ اوس کی تسکین کے لئے کافی ہے لیکن بایہمہ اوس کا ضمیر مطمئن نہین ہوتا، اور وہ بتاتا ہے کہ رشوت خواری ایک اخلاقی بلکہ قانونی جرم ہے، حدیث سے بھی اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے چنانچہ ایک صحابی نے رسول اللہ صلعم سے نیکی اور بدی کی حقیقت دریافت کی تو آپ نے فرمایا،

البر حسن الخلق والاثم ما حاک فی صدرک وکرھت ان یطلع علیہ الناس۔ — یعنی نیکی حسن خلق یعنی کیرکٹر کے تناسب اور موزونیت کا نام ہے، اور گناہ وہ ہے جو تمھارے دل مین کھٹکے اور تم اوسکو پسند نہ کرو کہ لوگ اوسکو جانین یعنی تم اوسکے اخفاء (ترمذی شریف)

یہان تک تو فلسفہ مذہب اسلام کا ساتھ دیتا ہے، یا یون کہئے کہ اسلام فلسفہ کی تائید کرتا ہے، لیکن اسلام کا قدم اب اس سے آگے بڑھتا ہے، اور ایک دوسرے ضمیر کی طاقت سے نظامِ اخلاق کو مستحکم کرتا ہے، یعنی یہ کہ اگر بالفرض کسی شخص کا ضمیر مردہ ہو جائے، اور وہ برائی بھلائی کی تمیز نہ کر سکے، تو دوسرون کا اخلاقی فرض یہ ہے کہ وہ اس اندھیرے مین اوس کو اپنے ضمیر کا چراغ دکھلا کر اوس کو بُرے کامون سے روکین، شریعت کی اصطلاح مین اسی کا نام احتساب ہے، اور پولیس کا پورا محکمہ اسی اصول پر قائم ہے، چنانچہ حدیث شریف مین آیا ہے،

من رای منکم منکرا فلیغیر بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذلک اضعف الایمان	یعنی تم مین سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے، تو اوس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دے، لیکن اگر اسمین ہاتھ سے مٹانیکی طاقت نہ ہو تو زبان سے مٹائے یعنی اوسکو نصیحت کرکے کہ وہ اسکام سے باز آئے اگر زبان سے مٹانے کی طاقت بھی نہ ہو تو اوسکو دل سے مٹائے یعنی دل سے اسکو بُرا سمجھے لیکن محض دل سے بُرا سمجھنا

(صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان کون النہی عن المنکر من الایمان)

لیکن نظامِ اخلاق کے قائم رکھنے کیلئے صرف یہی کافی نہین، انسان بہت سے موا قع پر اخلاقی جرائم کرتا ہے، اور وہان کوئی روک ٹوک کرنے والا نہین ہوتا، اس لئے ایک اور اعلیٰ تر ضمیر کی ضرورت ہوتی ہے، جو قوم مین ایک ایسی اخلاقی روح پیدا کر دے، جو خود تمام برائیون سے روک دے، اسی اعلیٰ ترین ضمیر کا نام پیغمبر ہے، اور جب تمام قوم گمراہی مین مبتلا ہو جاتی ہے، اور کسی کو کوئی بُرا بھلا کہنے والا نہین رہتا، تو پیغمبر جو سراپا روح، سراپا ضمیر اور سراپا ایمان ہوتا ہے، اٹھتا ہے، اور اپنے آپ کو ہر قسم کے خطرات مین مبتلا کرکے پوری قوم کو بُرائیون سے روکتا ہے، دنیا کے تمام پیغمبر اسی قسم کا قومی ضمیر تھے، لیکن اس قسم کا سب سے بڑا ضمیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قالب مین نمودار ہوا، جس نے اور پیغمبرون کی طرح صرف ایک قوم اور ایک ملک کی گمراہی دور نہین کی، بلکہ تمام دنیا کو اپنے ضمیر کی روشنی سے گمراہیون کے تیرہ و تار غار سے نکالا، اب نظامِ اخلاق کے لئے بدیہی طور پر تین ضمیرون کی ضرورت ثابت ہو گئی، ایک ہر شخص کا ذاتی ضمیر، دوسرا قومی ضمیر، تیسرا پیغمبر کا ضمیر، لیکن یہ تینون ضمیر اسی زمین اور اسی دنیا مین رہتے ہین، اور بہ ترتیب اپنا اپنا اخلاقی فرض ادا کرتے ہین، لیکن اس عالم سے اوپر اسلام چند اور ضمیرون کی ترتیب دیتا ہے، چنانچہ حدیث شریف مین

آیا ہے کہ خداوند تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے، تو جبرئیل کو بلا کر کہتا ہے، کہ مین فلان شخص سے محبت کرتا ہون، تم بھی اوس سے محبت کرو، تو اب جبرئیل بھی اوس کی محبت کرنے لگتے ہین، پھر وہ آسمانون کے اندر پکار کر کہتے ہین کہ خداوند تعالیٰ فلان شخص کو محبوب رکھتا ہے، تم بھی اوس کو محبوب رکھو، تو اب آسمانون کے فرشتے بھی اوس کو محبوب رکھنے لگتے ہین، پھر اوس شخص کو دنیا مین حسن قبول حاصل ہوجاتا ہے، اس کے برعکس جب خدا کسی بندے سے بغض رکھتا ہے، تو جبرئیل سے بلا کر کہتا ہے، کہ مین فلان شخص سے بغض رکھتا ہون، تم بھی اوس سے بغض رکھو، تو اب جبرئیل بھی اوس سے بغض رکھنے لگتے ہین، پھر آسمانون کے اندر پکار کر کہتے ہین کہ خدا فلان شخص سے بغض رکھتا ہے، تم بھی اوس سے بغض رکھو تو آسمانون کے فرشتے بھی اوس سے بغض رکھنے لگتے ہین، پھر تمام دنیا کے لوگ اس سے بغض رکھنے لگتے ہین،

یہ فرشتون کا ایک مرتب گروہ ہے، جس کا کام یہ ہے، کہ جو لوگ اپنی اخلاقی اصلاح کرتے ہین اور لوگون کو اخلاقی اصلاح پر آمادہ کرتے ہین، وہ اون کو شب و روز دعائین دیتا رہتا ہے، اور اس دعا کی وجہ سے اون پر برکتین نازل ہوتی رہتی ہین، لیکن جو لوگ دنیا مین فتنہ و فساد پھیلاتے ہین، وہ ان پر لعنت بھیجتا ہے، اور اوس کی لعنت اون کے لئے حسرت و ندامت کا سبب بن جاتی ہے، یہ گروہ خدا اور خدا کے بندون کے درمیان سفارت کا کام کرتا ہے، اور انسانون کے دلون مین الہامی طریقے پر نیکی کا جذبہ پیدا کرتا ہے، اس گروہ کو شریعت کی اصطلاح مین، رفیق اعلیٰ، ندی اعلیٰ یا ملا اعلیٰ کہتے ہین،

ان فرشتون کو تمام دنیا سے وہی نسبت ہے، جو ہمارے دماغ کو ہم سے ہے، ہم ایک جلتے ہوئے پتھر پر پاؤن رکھتے ہین، تو سوزش کا اثر اعصاب کے ذریعہ سے ہمارے دماغ تک پہنچتا ہے، اور ہم بے قرار ہوجاتے ہین، اسی طرح خداوند تعالیٰ نے نوع انسان کی اصلاح کے لئے فرشتون کا ایک ذکی الحس گروہ متعین کر دیا ہے، کہ جب کوئی شخص کوئی نیک کام کرتا ہے، تو اون کو مسرت محسوس ہوتی ہے، اور اس مسرت کا اثر خود اوس شخص پر اور نیز تمام لوگون پر پڑتا ہے، اور وہ اوس کو محبوب رکھنے لگتے ہین، اور جب کوئی شخص برائی کرتا ہے، تو یہ فرشتے اوس سے نفرت کرنے لگتے ہین، اور اوس نفرت کا اثر اوس شخص پر اور نیز تمام دنیا پر پڑتا ہے، اس لئے

اوس شخص کو خود اپنی ذات سے نفرت پیدا ہوتی ہے، اور تمام لوگ بھی اوس سے نفرت کرنے لگتے ہین، افلاطون بھی ہر نوع کے لئے فرشتون کا ایک گروہ تسلیم کرتا ہے، جس کو رب الانواع کہتے ہین، غالباً ان رب الانواع سے اس کی مراد یہی فرشتے ہین،

لیکن ان تمام ضمیرون سے اعلیٰ تر ایک اور ضمیر بھی ہے یعنی خود خداوند تعالیٰ کو برائیون اور گناہون سے اس قدر نفرت ہے، کہ وہ اون کو کسی حالت مین برداشت ہی نہین کرسکتا، اسی طرح اچھے کام کرنے سے جو مدح و ستایش حاصل ہوتی ہے، اوس کا بھوکا بھی خدا سے زیادہ کوئی نہین، چنانچہ ایک حدیث مین آیا ہے۔

مامن احد اغیر من اللّٰہ من اجل ذلک	یعنی کوئی شخص خدا سے زیادہ غیرت مند نہین، اور
حرم الفواحش. وما احد احب الیہ	اسی غیرت کی وجہ سے اوس نے بدکاریون کو
المدح من اللّٰہ.	حرام کر دیا ہے، نیز کسی کو خدا سے زیادہ تعریف
	بھی محبوب نہین.

ضمیر کا یہ مرتب سلسلہ زیادہ تر شخصی کام کرتا ہے یعنی جب دنیا مین کوئی شخص برا یا بھلا کام کرتا ہے، تو وہ اسکو محسوس کرتا ہے، اور محسوس کرنے کے بعد اپنے اخلاقی فرائض انجام دیتا ہے، لیکن مجموعی طور پر تمام دنیا کے اخلاقی جائزہ لینے کے لئے ایک اور عام اور کلی ضمیر کی ضرورت ہے، جو بیک وقت تمام برے اعمال کی سزا اور تمام اچھے اعمال کی جزا دے، اسی عام اور کلی ضمیر کا نام قیامت ہے، جو بیک وقت ہر شخص کے اعمال کا جائزہ لے گی اور اس حیثیت سے قیامت کو ایک ایسے پیغمبر سے مشابہت حاصل ہے، جو اپنی عالمگیر رسالت کی وجہ سے قیامت ہی کی طرح تمام دنیا کا آخری ضمیر ہو، اور ایسا پیغمبر محمد رسول اللہ صلعم کے سوا آج تک دنیا مین مبعوث نہین ہوا یہی وجہ ہے، کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے، کہ مجھ مین اور قیامت مین اس قدر قربت حاصل ہے جس قدر ہاتھ کی انگلیون مین اتصال ہوتا ہے یعنی آپ دنیا کے سب سے آخری ملامت کرنیوالے ہین، اسکے بعد دنیا کی ملامت کیلئے کوئی دوسرا اخلاقی ضمیر قیامت کے سوا پیدا نہ ہوگا، اسی مناسبت سے خداوند تعالیٰ نے سورہ قیامہ مین قیامت کے ساتھ نفس لوامہ کی بھی قسم کھائی ہے، کیونکہ قیامت اور نفس لوامہ کے

ایک ساتھ ذکر کرنے سے ثابت ہوتا ہے، کہ ان دونون کے درمیان کوئی نسبت یا لگاؤ ہے، کیونکہ قیامت نفس کلی کی ملامت کرنے والی ہے، اس لئے کہ تمام دنیا ایک شخص واحد ہے، اور اوسکی رفتار ایک شخص کے حالات کی طرح یکسان طور پر پائی جاتی ہے، اس لئے جس طرح ہر انسان مین ایک نفس لوامہ ہے، جو اس کے گذشتہ اعمال پر ملامت کرتی ہے، اسی طرح تمام دنیا کیلئے بھی ایک نفس لوامہ ہونا چاہئے، جو دنیا کے تمام اعمال پر ملامت کرے،

اس تفصیل سے دو باتین نہایت بدیہی طور پر ثابت ہوئین،

(۱) ایک تو یہ کہ اگر آپ کو کوئی روحانی نظام اخلاق قائم کرنا ہو تو اوس کے لئے مذہب کے پورے سلسلے کو ماننا پڑیگا، اور خدا، فرشتے، پیغمبر، قیامت سب کے سب اوس کے لازمی جزو قرار پائین گے، الحاد اور بے دینی درحقیقت ایک سلبی نظام ہے، بلکہ درحقیقت وہ کوئی نظام ہی نہین، دنیا مین صرف مذہب نے نظام اخلاق کو قائم کیا ہو اور اوسی نے نظام اخلاق کو قائم رکھا ہے، آج تک اخلاق کی اصلاح الحاد اور بیدینی سے نہین ہوئی ہے، بلکہ ہمیشہ مذہب سے ہوئی ہے،

(۲) دوسرے یہ کہ مختلف فلاسفرون کے یہان جو اخلاقی نظریے منتشر طور پر پائے جاتے ہین، اسلام نے ان مین تمام قابل قبول نظریون کو جمع کر دیا ہے، اس لئے یہ بھی نظام اخلاق کا ایک تکمیلی پہلو ہے، جس کا اسلام نہایت بلند آہنگی کے ساتھ مدعی ہے،

تابش سہیل

تلخیص و تبصرہ

وسط ایشیا مین اہم انکشافات،

ڈاکٹر سیڈن (Hedin) تقریبًا نصف صدی سے وسط ایشیا کے ریگستانون مین ان مقامات کی تلاش و تحقیق مین مصروف ہین، جن سے اب تک تاریخ و جغرافیہ کے صفحات خالی تھے، اس سلسلہ مین حال کے نہایت اہم اکتشافات کا ذکر اونھون نے نیویارک ٹائمز کے ایک مقالہ مین کیا ہے، جو بمبئی کرانکل (ہفتہ وار) مین آیا ہے، اس کا خلاصہ درج ذیل ہے،

سائنس کا خیال ہے کہ انسان عہد قدیم کی تاریکی سے اول اول وسط ایشیا کے کسی حصہ مین نمودار ہوا، اور وہان سے نکلکر اس کی اولاد مختلف نسلون اور قومون کی شکل مین تمام دنیا مین پھیل گئی، تعجب ہے کہ اُن مقامات سے جو بنی آدم کے آبائی مسکن سے انتہائی فاصلہ پر واقع ہین، حتی کہ قطبین کے حالات سے بھی آج ہم اُس سرزمین کی بہ نسبت زیادہ واقف ہین، جو نسل انسانی کا گہوارہ اور حیاتِ انسانی کا سرچشمہ ہے، جس سرزمین پر ہماری زندگی کی ابتدا ہوئی اس کی جگہ نقشہ مین ہنوز خالی ہے،

حال مین یعنی اس پشت کے اندر ہی ہم نے وسط ایشیا مین جا کر ان نشانات کا پتہ لگانا چاہا، جن سے نوعِ انسانی کی تاریخ کے ابتدائی ابواب مدون کئے جا سکین، وہان زمانہ قبل تاریخ کے حالات معلوم کرنے کی کوشش مین ہم کو ایک دوسرے راز سے واقفیت ہوئی جو نسبتہً بہت بعد کا ہے، تاہم ہماری مغربی تہذیب سے زیادہ قدیم ہے، یعنی اہل چین اور اون کے وحشی ہمسایون کے ابتدائی حالات، چنانچہ وہان ہم زمانہ قبل تاریخ کے ساتھ ہی عہد تاریخ کے ابتدائی دور کا بھی سراغ لگا رہے ہین، اور یہ کہنا مشکل ہے کہ اُن مین سے کون زیادہ دلچسپ ہے،

مین نے تقریبًا نصف صدی مشرق بعید مین تلاش و تحقیق مین صرف کر دی ہے، اور سنہ ۱۹۲۶ء سے اس عظیم الشان وفد

کی قیادت کر رہا ہون، جو ایشیا کے نامعلوم حصون کی دریافت پر مامور کیا گیا ہے، ہماری تفتیش و جستجو نے پانچ سال کے اُن پردون کو بہت کچھ اٹھا دیا ہے، جن سے اُس بر اعظم کا اندرونی حصہ چھپا ہوا تھا، جو کچھ ہم نے اب تک معلوم کیا ہے وہ دی کئی جلدون کو پر کر دینے کے لئے کافی ہے، تاہم ابھی اس سے بہت زیادہ اور معلوم کرنا ہے، یہ خطہ جو اب تک غفلت اور بے توجہی کا شکار تھا معلومات کا ایک غیر محدود ذخیرہ ہے، جس سے تحقیق کرنے والے بہت کچھ حاصل کر سکتے ہین، ہم نے تو مشکل ابھی اس معدن کی سطح صاف کی ہے،

مشرقی نصف کرہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ چین کے شمال مغرب مین صحرائے گوبی واقع ہے، اور اس کے مغرب مین ترکستان کے ریگستان مین، یہ سلسلہ مغرب کی جانب بڑھتا ہوا فارس، فلسطین، عرب، اور سینا سے گذر کر ریگستان لیبیا اور صحرائے افریقہ سے مل گیا ہے، بحر الکاہل سے بحر اوقیانوس تک ایک منطقہ حارہ تمام دنیائے قدیم سے گذرتا ہوا چلا گیا ہے، ہمارا وفد جو کئی جماعتون مین تقسیم ہو گیا ہے، ۱۹۲۶ء سے اس منطقہ کے سب سے کم معلوم حصہ کی دریافت و تحقیق مین مصروف ہے، یعنی وہ حصہ جو تبت کے شمال اور سائبریا کے جنوب مین واقع ہے، ہم نے کچھ کام منگولیا کے اندرونی حصہ مین کیا ہے، کچھ چینی ترکستان مین اور کچھ شمالی تبت مین،

ہمارا قافلہ پہلے صحرائے گوبی کی طرف روانہ ہوا، یہ سفر اُن سفرون کی پہلی کڑی تھا جن کا سلسلہ پانچ سال تک قائم رہا، ہمنیون ہم چٹیل میدانون مین دشت پیمائی کرتے رہے، لیکن تقریباً ہر میل پر ہمین ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہزارون سال قبل جب تاریخ کی ابتدا بھی نہین ہوئی تھی، یہان انسانون کی آبادی تھی، اور لوگ اس راستہ سے آمد و رفت رکھتے تھے، یہ زمینین اگرچہ سنگلاخ اور بے آب و گیاہ ہین، تاہم یہی وسط ایشیا سے گذرنے کا راستہ ہین،

جس ریگستان مین ہمارے خیمے نصب تھے، اُسی مین چین کے تاجر بھی حضرت سلیمانؑ کے زمانہ مین اپنے خیمے نصب کرتے تھے، اسی مقام سے سنہ عیسوی سے قبل قدیم ریشم کی سڑک گذرتی تھی، جو دنیا کی سب سے بڑی اور سب سے پرانی سڑک تھی، اور قافلے مغرب کی جانب سال سال بھر کے سفر پر چین سے تاتار اور ویڈن کے لئے روانہ ہوتے تھے، جہان سے اُن کا قیمتی ریشمی سامان جہازون کے ذریعہ سے روم جاتا تھا، یہ ریشم کی سڑک آج ریگ کے تودون مین دفن ہے، تاہم بے شمار علامتون سے اس کے وجود کا پتہ لگتا ہے، اس سڑک کے کنارے کنارے قلعہ بند شہرون کا سلسلہ تھا جن کے سپاہی تاجرون کی حفاظت شمال کی قوم ہن کے حملون سے کرتے رہتے تھے، ہمین ان قدیم قلعون کے دیوارین ملتی ہین اور ریت کھودنے کے بعد ان دیوارون کی جڑ مین دو ہزار قبل کے مخطوطات ملتے ہین جن کو

صحرائے گوبی مین ایک مقام پر جہان پہلے کوئی شہر آباد تھا، ایک سنگی مینار کے نیچے ہم نے ایسی ہزارون یادگارین پائین، ایک فٹ لمبی پتلی پتلی قمچیان جو ایک ہرکارہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک آسانی سے لیجا سکتا تھا، چمڑے کے تسمون سے بنڈلون مین بندھی ہوئی تھین، ان بنڈلون کی گرہون مین بیس صدیان گذر چکی تھین، ریگستان کی خشکی نے اُن چینی حروف کو اب تک محفوظ رکھا تھا، جو قمچیون پر لکھے ہوئے تھے، ہمارے اسٹاف کے ارکان نے جو چینی زبان، تاریخ اور رسوم وغیرہ سے واقفیت رکھتے ہین، زمانہ قدیم کے ان پیغامات مین سے بعض کا ترجمہ کیا ہے، چنانچہ ان مین سے کسی بنڈل پر اسلحون اور پوشاک کی رسید لکھی ہوئی ہے، کسی پر ایک نوجوان سپاہی کے فوج مین داخل کرنے کے احکام اور اس کا نام، عمر، وطن اور پیشہ درج ہے، ایک پر یہ حکم لکھا ہوا ہے، "تم کو ہدایت کی جاتی ہے کہ آج شب مین تین سو تیرانداز شہر کے نوین پھاٹک کی حفاظت کے لئے تیار رکھو" آج یہ شہر صدیون کی تباہی اور بربادی کے بعد تقریباً نابود ہوگیا ہے، لیکن کسی زمانہ مین ضرور ایک اہم شہر رہا ہوگا، کیونکہ اس حکم سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس مین کم سے کم نو پھاٹک تھے، دوسرے پر یہ درج ہے "تمکو اطلاع دیجاتی ہے کہ شہزادہ تو عنقریب تمہارے صدر مقام پر پہونچین گے، ان کے ساتھ پچیس (۲۵) سوار ہون گے، تمہارے ذمہ ان کی اور ان کے ساتھیون کی خوراک اور قیام کا انتظام ہے" ان قمچیون سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ خشک اور ویران مقام حضرت مسیح سے دو سو برس پہلے ایک مرتب اور آباد شہر تھا، قمچیون کے علاوہ اور بھی سیکڑون چیزین ہم نے قدیم "ریشم کی سڑک" کے کنارے ریگستان سے کھود کر نکالی ہین، اس سڑک پر کبھی بڑے بڑے تجارتی قافلے چین سے کاشغر، نینا پور اور شام کو جایا کرتے تھے،

اسی خطہ سے ہو کر قدیم چینی زائرین پامیر اور ہندوستان کا سفر کرتے تھے، انہی مین فاضل ہیان سانگ مشہور چینی سیاح (تقریباً ۶۲۹ء) بھی تھا، اسی راستہ سے تقریباً ۱۲۷۵ء مین مارکو پولو بھی قبلائی خان کے دربار مین قسمت آزمائی کرنے گیا تھا، اس کی یاد کے احترام مین ہم نے اپنے لشکر کی سڑک کا نام "مارکو پولو سڑک" رکھا تھا، مارکو پولو سے پیشتر اہلِ چین مغرب کے متعلق بہت کچھ واقفیت رکھتے تھے، لیکن مغرب کو چین کے متعلق براہ راست کچھ بھی واقفیت نہ تھی،

اس ریگستان کی ہوائین اتنی تیز ہین کہ آدمی مشکل اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھا رہ سکتا ہے، ریگستانی طوفان سیاہ دیوارون کی طرح آسمان مین اُٹھتے ہین، اور روشن دن کو تاریک رات بنا دیتے ہین، بہت کم خیمے، ان طوفانون مین قائم رہ سکتے ہین،

معمولی دنون مین بھی ہواؤن کا شور ایسا رہتا ہے کہ سننے والون کو بعض اوقات انسانی آواز کا دھوکہ ہو جاتا ہے، مارکو پولو کا بیان ہے کہ جو لوگ ان ریگستانون مین گم ہو جاتے تھے اونھین ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے ساتھی ان کا نام لے کر پکار رہے ہین، ہم کو بھی کئی بار اس کا تجربہ ہوا ہے،

وسط ایشیا ماہر ارضیات اور مورخ کے لئے ایک باغ ارم ہے، یہان ان فوجی دیوارون کا بھی پتہ لگتا ہے جن کا کوئی نشان نقشہ مین نہین ملتا، یہ دیوارین موجودہ دیوار چین کے سیکڑون میل آگے شمال کی جانب چلی گئی ہین، اور اس سے سیکڑون برس زیادہ قدیم ہین، یہان تفتیش کرنے والا خارا خوتو (Khara Khoto) اور لولان (Lou lan) جیسے فراموش شدہ شہرون کی ویران سڑکون پر چل سکتا ہے، جس کا نام معلوم کرنے کیلئے بھی اس کو ہزارون برس پیشتر کے چینی نقشون کا مطالعہ کرنا پڑے گا، لولان کی دریافت ہمارے انکشافات مین نہایت درجہ اہم اور حیرت انگیز ہے،

دو ہزار سال قبل کے چینی نقشون سے معلوم ہوتا ہے کہ لولان دریائے تارم کے دہانہ کے قریب واقع تھا، مشرقی ترکستان کا یہ خاص دریا جھیل لوپ نور مین گرتا تھا، یہ شہر اس جھیل سے اس قدر نزدیک واقع تھا کہ جھیل کا دوسرا نام ہی بحر لولان (Lou lan Hai) پڑ گیا، اس زمانہ مین یہ شہر بہت آباد اور خوشحال تھا اور چین اور کاشغر کے درمیان ریشم کی سڑک پر ایک اہم مقام تھا، صدیون لوپ نور چینی جغرافیہ دانون کے علاوہ اور تمام جغرافیہ دانون کی نظر سے پوشیدہ رہی،

۱۹۰۰ء مین مین نے شہر لولان کے کھنڈر دریافت کئے، کھدائی کے بعد وہان لکڑی اور کاغذ پر ایسے مخطوطات دستیاب ہوئے جن سے اس امر مین شبہ باقی نہ رہا، کہ یہ شہر لولان تھا، اور ۲۶۶ء مین یہ ایک آباد اور خوشحال شہر تھا، لیکن بحر لولان اب ساٹھ یا اسی میل کے فاصلہ پر تھا یا ایک جزا معمہ تھا، مجھے اس بات کا کافی ثبوت ملا کہ ایک وسیع جھیل جو ممکن ہے ۵۰ میل چوڑی رہی ہو، ایک زمانہ مین شہر کی دیوارون کے پاس ہی واقع تھی، یہ جھیل اب خشک ریگستان تھی، اسی سے ملی ہوئی پانچسو فٹ چوڑی ایک دریا کی نہر بھی تھی، یہ بھی بالکل خشک تھی،

مین نے یہ نظریہ قائم کیا کہ قدیم نقشے درست تھے، لوپ نور ایک روان جھیل تھی، اور ۳۳۰ء کے بعد اس نے اپنا مقام

تبدیل کر دیا تھا، میرے نزدیک یہ بات واضح تھی کہ دریائے تارم کی قدیم تہ جو چوڑی اور چھچھلی تھی، مٹی نباتات اور ریت سے بھر گئی تھی، اور تارم میں ایک دوسرا راستہ اختیار کرکے ایک دوسری جھیل بنالی تھی جسکی وجہ سے لولان کی قدیم جھیل خشک ہوکر غائب ہوگئی،

لولان کا قدیم شہر آج پھر آباد ہو رہا ہے، دریائے تارم کے کنارے پھر پیداوار نظر آرہی ہے،

یہ صرف چند کارنامے ہیں اُن کارناموں میں سے جو ہمارے وفد نے وسط ایشیا میں انجام دیے ہیں، ہم محسوس کرتے ہیں، کہ ہم نے اُس میدان میں بہت کچھ حاصل کر لیا ہے، جو از روئے سائنس ہماری مہم سے پہلے تقریباً نامعلوم تھا ہم نے چین کی قدیم تاریخ کے متعلق بیش قیمت معلومات حاصل کئے ہیں، ہمارے ماہر اثریات ڈاکٹر فوگ برگمین (Dr Folke Bergman) نے زمانہ حجریہ جدیدہ کے پچاس ہزار نمونے جمع کئے ہیں ڈاکٹر ڈیوڈ ہمل (Dr David Hummel) نے بے شمار پودے اور حشرات الارض اکٹھا کئے ہیں، ہماری دو جماعتوں نے جو شمالی تبت کے کوہستانوں میں تفتیش و تحقیق میں مصروف تھیں ایک وسیع خطا کو دریافت کیا ہے، جسکی جگہ نقشہ میں ابتک خالی تھی، ہماری ایک جماعت نے جنوبی سنگاری میں قیمتی معلومات حاصل کئے ہیں،

مختصر یہ کہ ہم ایک وسیع خطۂ زمین کو جو بحر الکاہل سے بحر کیسپین تک پھیلا ہوا ہے، اور اب تک دنیا کے چند لامعلوم حصوں میں شمار کیا جاتا تھا، سائنس کی آنکھوں کے سامنے لا رہے ہیں، ہم نہیں کہہ سکتے کہ ابھی اور کس قدر معلوم کرنا ہے لیکن لیکن گذشتہ پانچ سال کے واضح تجربہ کی بنا پر اتنا جانتے ہیں کہ اُن ویران مقامات میں دنیائے علم کیلئے بیش بہا اکتشافات تقریباً ہر روز ہوتے رہتے ہیں،

"ع ز"

یورپ کی قدیم ترین یونیورسٹی سالرنو

جنوبی اٹلی میں سالرنو ایک بحری بندرگاہ ہے، جو قرون وسطیٰ میں ایک صحت گاہ ہونے کے ساتھ ایک علمی مرکز بھی تھا جہاں بہت سے مشہور اطبا رہتے تھے، اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یورپ میں سب سے پہلے طب کی یونیورسٹی یہیں قائم ہوئی، اگرچہ مورخین نے اس کی طرف بہت کم توجہ کی تاہم پروفیسر کارل سیدھوف نے جو تاریخ طب کے بہت بڑے

عالم ہین، اس موضوع پر بہت سے تاریخی ماخذ سے روشنی ڈالی ہے، اس کے بعد اور تمام مورخین نے اس یونیورسٹی کے متعلق تحقیقات کی اور اس تحقیقات کا خلاصہ مارچ ۱۹۳۳ء کے الہلال مین شایع ہوا ہے، جس کو ہم ناظرین معارف کی دلچسپی کے لیے درج کرتے ہین،

"چھٹی صدی عیسوی مین اٹلی ایک میدان کارزار بنی ہوئی تھی، اور شمالی جانب سے اوس پر حملے ہو رہے تھے، اس کے بعد گاتھک کا اقتدار جاتا رہا، اور جنوبی اٹلی بازنطینی حکومت کے زیر اثر آگیا، اس وقت اگرچہ اٹلی مین عام طور پر یونانی زبان رائج تھی، لیکن بازنطینی اقتدار کے زوال کے بعد دوسری زبانین رائج ہوئین، اور متعدد مقامات پر لاطینی زبان رائج ہو گئی، پھر جب آٹھوین صدی مین مسلمانون نے ان ممالک کو فتح کیا تو یونانی کی جگہ مختلف مقامات مین عربی نے لیلی، اسی طرح جنوبی اٹلی مین بہت سے یہود بھی رہتے تھے، اور اونھون نے اور علوم یعنی لاطینی یونانی اور عربی کے مقابل مین عبرانی علوم کی اشاعت کی، اس کے بعد مسلمانون نے آٹھوین صدی مین بتدریج سسلی پر حملہ کیا اس کے بعد نوین صدی مین اٹلی کی سرزمین پر تاخت کی اور رفتہ رفتہ جنوبی اٹلی پر قابض ہوگئے، اور نیپلز اور سالرنو ان کے قبضہ مین آگئے اس کے بعد ۸۸۴ء مین مونٹ کاسینو بھی مسلمانون کے زیر اقتدار آگیا، اور اب اٹلی مین مسلمانون کی فوجی جد و جہد مکمل ہو گئی،

اب ہم کو جنوبی اٹلی مین رہبانیت اور کلیسا کی زندگی کی تاریخ بھی پیش نظر رکھنی چاہئے، سب سے پہلے سینٹ بنیڈکٹ (۴۸۰-۵۴۴) نے مونٹ کاسینو مین ایک بڑا کلیسا قائم کیا جس کے ساتھ لاطینی کتابون کا ایک بہت بڑا کتبخانہ بھی تھا، اس کے بعد اور بہت سے رہبانون نے اس کی تقلید کی، اور جنوبی اٹلی کے تمام شہرون مین جن مین سالرنو بھی تھا، بہت سے گرجے قائم کئے، سینٹ بنیڈکٹ نے جو نظام قائم کیا تھا، اوس کے روسے رہبانون کے لئے علمی بحث و تحقیق بھی ضروری تھی، اس لئے ان اطراف مین ایک خاص لاطینی زبان جسکو نقفتان کہتے تھے، رائج ہو گئی، اور اس مین بہت سی کتابین لکھی گئین جن مین بعض فن طب پر تھین، اگرچہ قدیم یونانی زبان بھی مدتون رائج رہی، بلکہ متعدد یونانی گرجے بھی بالخصوص روسانو مین قائم تھے، تاہم جس فضا مین یونانی اور لاطینی رہبان زندگی بسر کر رہے تھے، وہ لغوی مباحث اور مذہبی نزاعات کے شور و غل سے گونج رہی تھی، اس لئے علمی خیالات کو ترقی نہ ہو سکی، لیکن جب عربون نے اس ملک کو فتح کیا تو عربی علوم و فنون کی اشاعت ہونے لگی، اور لوگون نے

اون علوم کی طرف توجہ کی جنکو اہلِ عرب اپنے ساتھ لائے تھے، سالرنو مین پہلے ہی سے بڑے بڑے تجربہ کار اطبا موجود تھے،
اور انھون نے اپنے شاگردون کے فوائد کے لئے اپنے تجربات قلمبند بھی کرلئے تھے، ان کی قدیم ترین کتابین ۱۰۰۰ء مین لکھی گئی
تھین، لیکن ابتدا مین یہ اطبا اپنی کتابون پر جو لاطینی زبان مین یونانی علوم کا ترجمہ تھین اپنے نام نہین لکھتے تھے، سالرنو مین
خاص قسم کی علمی اور طبی کتابین گیارھوین صدی کے نصف اخیر مین شائع ہوئین، اور اطبائے سالرنو مین جاریونٹوس المتوفی ۱۰۵۰ء
اور فاتوس المتوفی ۱۰۸۰ء نے طبی کتابین لکھین، لیکن مشاہیر سالرنو کے زمانے مین جس شخص نے قرون وسطیٰ کے ابتدا مین یورپ
مین عربی علوم منتقل کئے وہ قسطنطین افریقی تھا جس نے ۱۰۸۷ء مین وفات پائی، وہ حکمت و فلسفہ کا شیدائی تھا، اس غرض سے
اپنے اصلی مولد قرطاجنہ کو چھوڑ کر بابل گیا، اور وہان کلدانی، عربی اور ایرانی طب و حکمت مین تعلیم حاصل کی، پھر ہندوستان آیا، اور
یہان ہندوؤن کے علوم و فنون سیکھے اسی طرح حبشہ اور مصر مین گیا، اور وہان کے علوم کی تعلیم حاصل کر کے ۳۹ سال کے بعد اپنے وطن کو واپس ہوا لیکن اسکے علم و فضل
پر اوسکے ہموطنون نے حسد کیا اسلئے وہ وہان سے بھاگ کر ۱۰۶۰ء مین سالرنو چلا گیا، اور وہان بھیس بدل کر گمنامی کی زندگی بسر کرنے لگا، حسنِ
اتفاق سے ایک مشرقی امیر نے جو وہان آتا جاتا رہتا تھا، اوسکو پہچان لیا، اور لوگون کو اس کے علم و فضل سے روشناس کرایا، اور
اب وہان کے شرفا مین اس کا درجہ بہت بلند ہوگیا لیکن چند ہی دنون کے بعد وہ مونٹ کاسینو کے گرجے مین چلا گیا، اور راہب
ہو کر مختلف اجنبی زبانون کی کتابون کے ترجمے مین مشغول ہوگیا، اور مشرقی قومون کے بہت سے علوم کا ترجمہ کیا لیکن وہ ان ماخذون
کا اظہار نہین کرتا تھا جن سے ترجمہ کرتا تھا اور ان مصنفون کا نام نہین بتاتا تھا جن کی کتابون کے اس نے ترجمے کئے تھے، بلکہ ترجمہ شدہ
کتابون کو خود اپنی طرف منسوب کرتا تھا، لیکن اس کی ترجمہ کردہ کتابون پر غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ سب کی
سب عربی کتابون سے ماخوذ ہین، اور وہ صرف یہی عربی زبان جانتا تھا، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ عربی طب کے
اس ترقی یافتہ دور سے جب کہ دسوین صدی کے آخر اور گیارھوین صدی کی ابتدا مین قانون شیخ تمام مشرق مین رائج تھی،
بالکل ناآشنا تھا، اس لئے اس کے علم طب کا ماخذ صرف وہ عربی طب ہے جو یونانی سے بذریعہ ترجمہ کے عربی زبان مین آیا تھا، اور اس
نے شمالی افریقہ مین اس سے واقفیت حاصل کی تھی، اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مشرقی ممالک مین اس کی سیاحت کا واقعہ محض
ایک فرضی افسانہ ہے، لیکن اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ یورپ مین سب سے پہلے اوسی نے عربی طب کو روشناس کرایا، اور اسی کے

ذریعہ سے اسلامی طب سالرنو کے مدرسہ مین داخل ہوا، اور وہان کے اطبا اوسکی تعلیم مین منہمک ہوگئے، اس امر کا خاص طور پر لحاظ رکھنا چاہئے، کہ آٹھوین صدی سے قرون وسطیٰ کے اخیر تک دنیا کی فلسفیانہ، علمی اور سیاسی سیادت و اقتدار کی باگ اسلام کے ہاتھ مین تھی، اس لئے قسطنطین نے عربی علوم کے ترجمہ کی جو خدمت انجام دی، وہ گویا یورپ مین اسلامی علوم فنون کی ایک جدید فتح تھی، اس لئے مدرسہ سالرنو پر بھی اسکا بہت بڑا اثر قائم ہوگیا، اور وہ بہت جلد ترقی کرکے یورپ مین طبی تعلیم کا بہت بڑا مرکز ہوگیا، اور جب نارمنون نے ۱۰۷۵ء مین سالرنو کو فتح کیا تو اس کو گویا ایک یونیورسٹی بنا دیا، اور تقریبًا ڈیڑھ سو برس تک اسی حیثیت سے اوس کی شہرت قائم رہی، خود نارمن سلاطین عربی علوم و فنون کی اشاعت کی حوصلہ افزائی کرتے تھے، چنانچہ تیرھوین صدی کی ابتدا کی ایک تصویر ملی ہے، جو اردو مین بھی شائع ہوچکی ہے، اس مین یہ دکھایا گیا ہے، کہ نارمن بادشاہ ولیم ثانی المتوفی ۱۱۹۰ء کے بستر علالت کے پہلو مین ایک عربی طبیب ہاشم نامی کھڑا ہوا ہے،

سالرنو کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ فریڈریک ثانی نے اوس کی یونیورسٹی کو اطبا، کے امتحان اور جنوبی اٹلی مین اون کو طبابت کرنے کی اجازت دینے کا حق عطا فرمایا، اور یورپ کے تمام اطراف سے وہان بکثرت مریض علاج کے لئے آتے تھے،

تاریخ صقلیہ جلد اول

از مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی،

مسلمانون نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی، اور اسپین کی طرح اسکو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا، اور تقریبًا پانچسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہے کہ اسکی کوئی تاریخ اردو و انگریزی مین کیا عربی مین بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدون مین اوسکی تاریخ مرتب کی گئی ہے جنمین سے پہلی جلد اب شایع ہوگئی ہے، جو سیاسی سرگذشت پر مشتمل ہے، اسمین صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملون کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بعہد کے دورون کا عروج، اسلامی حکومت کے خاتمہ اور صقلیہ و جزائر صقلیہ مین مسلمانون کے مصائب اور جلا وطنی کا تفصیلی مرقع دکھایا گیا ہے، ضخامت مجموعی ۴۴۰ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ، قیمت: للعہ

منیجر

ادبیات

خونِ جگر

از

حضرت جگر، مراد آبادی

کوئی کمی نہ اے غمِ اشک آفریں رہے
یہ آستیں رہے، کبھی یہ آستیں رہے

کچھ اس ادا سے آج وہ پہلو نشیں رہے
جبتک ہمارے پاس رہے ہم نہیں رہے

ایمان و کفر اور نہ دنیا و دیں رہے
اے عشق شاد باش کہ تنہا ہمیں رہے

میری زباں پہ شکوۂ دردِ آفریں رہے
شاید مرے حواس ٹھکانے نہیں رہے

جب تک الٰہی جسم میں جانِ حزیں رہے
نظریں مری جوان رہیں، دل حسین رہے

یارب کسی کے رازِ محبت کی خیر ہو،
دستِ جنوں رہے نہ رہے، آستیں رہے،

تاچند جوشِ عشق میں، دل کی حفاظتیں
میری بلا سے، اب وہ جنونی کہیں رہے،

مجھ کو نہیں قبول دو عالم کی وسعتیں،
قسمت میں کوئے یار کی دو گز زمیں رہے،

جا اور کوئی ضبط کی دنیا تلاش کر،
اے عشق اب تو ہم ترے قابل نہیں رہے

دورِ غمِ فراق کے یہ سخت مرحلے،
حیران ہوں میں، کہ پھر بھی تم اتنے حسین رہے،

اے عشق نالہ کش، تری غیرت کو کیا ہوا
ہے ہے، عرق عرق، وہ تنِ نازنیں رہے،

اللہ ری چشم یار کی معجز بیانیان، ہر اک کو ہے گمان کہ مخاطب ہمین رہے

ذات و صفات حسن کا عالم نظر مین ہے، محدود سجدہ کیا مرا ذوقِ جبین رہے،

کس درد سے کسی نے کہا آج بزم مین، اچھا یہ ہے، "وہ ننگِ محبت" ہمین رہے

اس عشق کی تلافیِ مافات دیکھنا،

رونے کی حسرتین ہین جب آنسو نہین رہے

راحت کدہ

از

جناب عبدالسمیع صاحب پال اثر صہبائی، ایم اے ایل ایل بی، وکیل سیالکوٹ

دل، کہ تمھارے عشق مین درد سے آشنا ہوا ریزۂ سنگ تھا مگر، گوہرِ بے بہا ہوا،

میرا سرِ جنون پسند دیر و حرم مین تھا بلند تیرے حضور مین مگر شوق سے ہے جھکا ہوا،

فصلِ بہار آگئی، سارے جہان پہ چھا گئی، میرا دلِ حزین مگر سوگ مین ہے پڑا ہوا،

دل کہ ریاضِ طور تھا میکدۂ سرور تھا آج وفورِ یاس سے خاک مین ہے ملا ہوا،

ٹوٹ گیا ہے سازِ دل فاش ہوا ہے رازِ دل سوزِ شکستِ آرزو نالون مین ہے بھرا ہوا،

بحرِ جہان ہے بیکران زیست حبابِ ناتوان موجِ فنا ہوئی روان دم مین وہین ہوا ہوا

"راحت جان"! ترا اثر سب ہوا ہے بے خبر اک ترا ذکر ہے مگر تارکِ ماسوا ہوا،

باب التقریظ والانتقاد

"قرون وسطیٰ مین ہندوستانی تہذیب"

از

رائے بہادر مہامہو پادھیائے گوری شنکر ہیراچند اوجھا،

اس وقت ہندوستانی اکاڈمی الہ آباد جن طریقون سے ہندوستانی زبان کی خدمت کررہی ہے، ان مین اوس کے سالانہ علمی لکچرون کا سلسلہ جو وہ ہر سال ملک کے برگزیدہ مصنفون اور انشاپردازون سے دلواتی ہے نہایت اہم ہے متعدد لکچر کتاب کی صورت مین شائع ہو چکے ہین جن سے ہندوستانی علوم وفنون، مذہب اور تاریخ کے متعلق نہایت وسیع لٹریچر فراہم ہوگیا ہے، کتاب زیر نظر بھی ان تین خطبون کا مجموعہ ہے جو رائے بہادر مہامہو پادھیائے گوری شنکر ہیراچند جی نے ہندوستانی اکاڈمی نے مورخہ ۱۳،۱۴ ستمبر ۱۹۲۸ء کو دلوائے، یہ خطبے اگرچہ ہندی زبان مین دئے گئے تھے لیکن اکاڈمی نے ان کا نہایت سلیس اردو ترجمہ ایک کتاب کی صورت مین شائع کیا ہے، جس سے اردو دان طبقہ بھی اون سے فائدہ حاصل کرسکتا ہے،

مقرر نے تمہید مین اون کتابون کی فہرست دی ہے، جن سے ان خطبون کو مرتب کیا گیا ہے، اور اس کو پڑھ کر یہ معلوم ہوتا ہے، کہ ہندوستانی تہذیب پر جن کتابون سے مدد لی جاسکتی ہے، ان سب سے مقرر نے فائدہ اوٹھایا ہے،

پہلی تقریر اون مذاہب پر ہے، جو قرون وسطیٰ مین ہندوستان مین پیدا ہوئے اور ترقی کی، اسی سلسلے مین لکچرار نے اس دور کی معاشرت کو بھی لیا ہے، اور پوشاک، زیور، غذا اور اخلاق وعادات کی تفصیل کی ہے، اور جا بجا ان کے تغیر وتبدل کے اسباب وعلل بھی بیان کئے ہین، مثلاً غذا کے متعلق لکھا ہے، کہ مہاتما بودھ کے قبل گوشت کا بہت رواج تھا، جین اور بودھ مذہب کے

اثر سے رفتہ رفتہ اس کا رواج کم ہوتا گیا، پردہ کے متعلق لکھا ہے کہ اس زمانہ میں پردہ کا رواج نہ تھا، مسلمانوں کے آنے کے بعد پردہ کا رواج شروع ہوا، غرض مذہب و معاشرت کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے، اس کے تغیر و تبدل اور عروج و زوال کی پوری تاریخ مستند حوالوں سے بیان کردی ہے،

اس تقریر کا ترجمہ ۷۴ صفحوں میں ختم ہوا ہے، اس کے بعد دوسری تقریر اس دور کی ادبیات پر ہے، اور اس سلسلے میں مقرر نے علوم و فنون کی تمام شاخوں پر نہایت تفصیل کے ساتھ اظہار خیال کیا ہے، بالخصوص فلسفہ کی تمام شاخوں پر نہایت تفصیل سے گفتگو کی ہے، اسی سلسلہ میں تعلیم کی وسعت کا بھی ذکر کیا ہے، اور متعدد کالج، یا دار العلوم یا یونیورسٹیوں کا ذکر کیا ہے، مقرر نے اگرچہ ان تقریروں میں کہیں تعصب اور بیجا طعن و تعریض سے کام نہیں لیا ہے، تاہم نالندا کے دار العلوم اور جامع مگر نکسلا کے متعلق اگر یہ فقرے:-

"مسلمانوں کے زمانہ میں اس یادگار اور فیض بار جامعہ کی ہستی خاک میں مل گئی۔"

"یہ جامعہ بھی مسلمانوں کے زمانہ میں غارت ہوا"،

ان کی زبان سے نہ نکلتے تو بہتر ہوتا، نالندا سے مقصود اگر بہار ہے، تو یقیناً نالندا کی تباہی اسلامی فتوحات کا نتیجہ ہے، مگر نکسلا کی نسبت کوئی تاریخی شہادت ہماری نظر سے نہیں گذری ہے، یہ تقریر پہلے سے زیادہ طویل ہے، اور تقریباً ڈیڑھ سو صفحات میں ختم ہوئی ہے، اس کے بعد تیسری تقریر نظام سلطنت اور صنعت اور حرفت پر ہے، اور اس میں ہندوستانی تجارت، مالیات اور فنون لطیفہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے، اور ہر تقریر میں جا بجا تصویریں اور نقشے دئے گئے ہیں، پوری کتاب کی ضخامت ۲۴۳ صفحوں کی ہے، اور عمدہ ٹائپ میں شائع ہوئی ہے، اور ہر حیثیت سے دلچسپ پر از معلومات اور دلآویز ہے۔ "ع"

عرب و ہند کے تعلقات

عرب و ہند کے علمی، تجارتی، مذہبی تعلقات اور روابط پر وہ پانچ خطبے جو مولانا سید سلیمان ندوی نے ہندوستانی اکاڈمی الہ آباد میں دیے، وہ خوبصورت اردو ٹائپ میں مجلد شائع ہوئے ہیں، قیمت للعہ ضخامت ۳۰۲ صفحے۔ "منیجر"

تاریخ تختِ طاؤس

از مولوی محمد عبد اللطیف خانصاحب قادری، کشتہ، معلم گورنمنٹ ہائی اسکول مین پوری (یو۔پی) ناشر رائے صاحب منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز پبلشر بک سیلر لاہور قیمت مجلد عیر

"تاریخ تختِ طاؤس" میں جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، شاہجہانی تختِ طاؤس کی مفصل سرگذشت بیان کی گئی ہے، لیکن یہ مجموعہ صرف اسی تخت کی تاریخ پر مشتمل نہیں، مصنف نے "متن" و "حواشی" کے دو طریق تحریر مستقل طور پر قائم کئے ہیں، متن میں تو تخت کی ساری سرگذشت کے ساتھ عہد شاہجہانی کے فنونِ جمیلہ کی گویا اجمالی سرگذشت درج کی گئی ہے، اور پھر عہد شاہجہانی سے دور حاضر تک اس تخت پر جو ادوار گذرے، اور بعد میں اس کے جو ہمنام تخت بنے، ان سب کو تفصیل سے بیان کیا ہے، اور حواشی میں متن کے مندرجہ تاریخی اشخاص مقامات آثار سالانہ جشن و رسوم، اور مختلف تاریخی الفاظ و اصطلاحات کی تشریح کی گئی ہے، اور اس طرح تختِ طاؤس کی مختصر سرگذشت کا مجموعہ ۲۰×۳۰ تقطیع کے ۱۶۴ صفحوں میں پھیل گیا ہے،

لیکن اس میں شبہہ نہیں کہ مصنف نے اس تخت کے ایک ایک جوڑ بند پر اس تحقیق، تفصیل اور جزئی استقصا سے نظر ڈالی ہے، جو اہم سے اہم تاریخی مباحث پر ڈالی جا سکتی ہے، اگرچہ مختلف روایتوں کے بعد نقد و جرح میں کہیں کہیں وہ مباحث تشنی بخش ثابت نہیں ہوئے ہیں، کہیں دورِ حاضر میں کسی رسالہ میں کسی شائع شدہ مضمون کے اقتباس سے کسی مستند ماخذ کی روایت کا رد کیا گیا ہے، اور نیز جزئی استقصا کے تخیل سے کہیں کہیں حواشی کا تعلق متن سے اس قدر دور کا نظر آتا ہے، کہ اگر وہ موجود نہ ہوتے تو کسی پڑھنے والے کو جستجو نہ ہوتی، اسی طرح حوالوں کی بہتات ہے، اور کہیں کہیں وہ حوالے خود محتاجِ حوالہ ہیں، مثلاً کہیں کہیں حوالہ میں محض اتنا ذکر "مضمون خود شائع شدہ در جریدۂ فلاں" ہے، اور کہیں یہ نظر آتا ہے، کہ ہر مطبوعہ ورق کو لائقِ استناد سمجھ لیا گیا ہے،

حالانکہ آسانی سے مستند ماخذوں سے رجوع کرکے تحقیق کیجا سکتی تھی، مثلاً نادر شاہ کے سوانح "بڑی جنتری" سے ماخوذ ہیں، علاوہ ازین کہ جو واقعات درج ہیں، وہ صحیح کیون نہ ہون لیکن مستند ماخذون کو چھوڑ کر غیر مستند ماخذون سے ان کو جمع کر دینا، اس دقت نظر کے اقتضار کے خلاف ہے، جو ترتیب کتاب کے وقت مصنف کے پیش نظر رہی ہے، اور دوسری طرف مصنف نے کسی مورخ کے محض ایک ایک جملہ یا لفظ پر مضمون میں بحث کی ہے لیکن اس کے یہ معنی بھی نہیں ہیں کہ تخت طاوس وغیرہ کے اصل فارسی ماخذون کی طرف رجوع نہیں کیا گیا ہ مصنف نے عہد شاہجہان کے قریب سے قریب فارسی ماخذون سے فائدہ اوٹھانے کی کوشش کی ہے، قابل شکایت صرف یہ ہے کہ ہر رطب و یابس کو ماخذ بنا لیا،

لیکن بہرحال ان فروعی خردہ گیریون کو نظر انداز کرکے یہ کتاب دلچسپ اور لائق مطالعہ ہے، اور مصنف کی ذہنی استعداد اور تحقیق و تلاش کے رجحانات کی آئینہ دار ہے، اور علاوہ ازین کہ موضوع کتاب پر مستزاد ہو لیکن خصوصاً عہد شاہجہانی، اور عموماً مغلی عہد کے فنون جمیلہ تعمیرات، مصوری اور نقاشی کا ایک خوشنما گلدستہ ہے جس سے ہندوستان کی اسلامی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے لطف اندوز ہو سکتے ہیں،

کتاب کے آغاز میں جناب سید ظہیر الدین صاحب علوی ایم اے، وکیل فرخ آباد کا ایک تبصرہ و تعارف بھی ہے لیکن اس کے اکثر مباحث بے محل، بلا ضرورت، اور تنقیدین غیر صحیح ہیں مصنف نے کتاب کے اشخاص، مقامات اور ماخذون وغیرہ کی مفصل فہرست (انڈکس) ابتدا میں منسلک کر دی ہے،

جامع اللغات، مرتبہ جناب خواجہ عبد المجید صاحب بی اے، ناشر جامع اللغات کمپنی گوبند رام اسٹریٹ لاہور،

جامع اللغات اگرچہ اردو کا لغت ہے، لیکن اس کی تدوین اس نقطۂ نظر سے عمل میں آئی ہے، کہ اون الفاظ، لغات و محاورات ضرب الامثال اور مقولون کو یکجا کیا جائے، جو اردو، یا ہندوستانی بولنے والون میں سے کسی نہ کسی طبقہ کی زبان پر ہیں، اور وہ اردو تحریرون میں صحیح یا غلط طور پر لکھے بھی جاتے ہیں، اسی لئے کتاب کا نام جامع اللغات اردو و السنۂ متعلقہ، رکھا گیا ہے، اور اسی مناسبت سے اس میں اردو الفاظ و محاورات کے ماسوا، ہندی، سنسکرت، فارسی، عربی، پنجابی اور انگریزی کے ایسے بکثرت الفاظ اور محاورے بھی درج ہیں جن کا استعمال اگرچہ صحیح اردو میں جائز نہ ہو، تاہم وہ اردو کے رسالون اخبارون اور کتابون میں کسی نہ کسی طرح

مستعمل ہین، الفاظ و محاورات کے علاوہ اشخاص و مقامات وغیرہ کے نام اور اون کی تشریحین بھی درج ہین، کارکنان کتاب نے اس کی اشاعت کا ماہانہ انتظام کیا ہے، گویا جامع اللغات ۲۰×۲۶/۸ تقطیع کے ۸۰ صفحون کا ایک ماہانہ رسالہ ہے، جس کا ہر پرچہ یا لغت کا ہر حصہ عمدہ، سپید، چکنے کاغذ پر چھپ کر ملتا ہے، اس وقت تک دو پرچے یا حصے ہین موصول ہو چکے ہین جن مین آخری لفظ "اڈورڈ" ہے،

اس لغت کی مدد سے محض ایک اردو دان، اردو کی ان تحریرون کو آسانی سے پڑھ سکتا ہے، جو "ہندوستانی" زبان کے بجائے "ہندوانی زبان" مین ہوتی ہین، نیز انگریزی زبان کے بھی ایسے الفاظ ملجاتے ہین، جو اردو مین بے تکلف لیکن بلا ضرورت استعمال کئے جاتے ہین، مثلاً "اڈمشن" (داخلہ) لیکن اگر کتاب کو استقصا سے دیکھا جائے، تو شاید مسامحات سے بھی خالی نہ ہو، مثلاً "ابوالمعالی" کے ضمن مین ایک ترک شاعر، ایک ایرانی شاعر، اور مصنف تحفۃ القادریہ کا تذکرہ موجود ہے لیکن اس کنیت سے زیادہ شہرت امام الحرمین ابوالمعالی علی عبدالملک الجوینی کو حاصل ہوئی، ان کا تذکرہ موجود نہین، اسی طرح امام ابوالحسن اشعری کو "ایک مصنف جس نے تقریباً چار سو کتابین تصنیف کین" بتانے کے بجائے یہ کہا جا سکتا تھا۔ مذہب اشاعرہ کے بانی ہین انکی کلام و عقائد مین بکثرت کتابین ہین مگر ان کی ذات کا نمایان وصف مذہب اشاعرہ کا بانی ہونا ہی ہے، مگر ایسے مسامحات کو محض خردہ گیری ہی کہا جا سکتا ہے جسکا اندازہ کہین کہین نظر ڈال لینے سے ہو جاتا ہے اور محاورون اور ضرب الامثال مین جو اجنبیت ہمین نظر آتی ہے، اون پر خاموش ہونا پڑتا ہے، کہ کسی نہ کسی اردو تحریر مین بہرحال اونکا استعمال ہوا ہوگا، ورنہ مصنف کو ان اوراق مین انھین جگہ دینے کی کیا ضرورت پیش آتی، اور اس تصریح کی بھی شاید ضرورت نہ ہو کہ مفرد الفاظ و محاورات مین اردو کے علاوہ زیادہ الفاظ ہندی اور سنسکرت زبانون کے ہین، کہ انھی زبانون کے نامانوس الفاظ ہمارے برادران وطن کے ایک طبقہ کی کرمفرمائی سے اردو مین، اردو دانون کی طلب و خواہش کے بغیر بڑھتے جاتے ہین، بہر صورت مرتب کتاب جناب خواجہ عبدالمجید صاحب لایق صد ستایش ہین، کہ وہ اپنی انفرادی کوششون اور ذاتی ذمہ داریون سے سالہا سال کی دیدہ ریزی کے بعد یہ مجموعہ تیار کر سکے ہین، اور یقیناً اوسکی موجودگی سے ہر قسم کی اردو تحریرین پڑھ لیجا سکتی ہین، اور نیز صحیح اردو کے لغات و محاورات کے معنی و تشریح کے علاوہ وہ اگر دوسری زبان سے آئے ہین، تو اوس زبان مین اون کے حقیقی معنی کی طرف بھی رہنمائی کر سکتی ہے، اور اشخاص و مقامات اور بعض اصطلاحات کا حل بھی ملسکتا ہے، اور مجموعی حیثیت سے شاید وہ دوکا یہ واقعی جامع اللغات ثابت ہو،

اچھی باتین، از مولانا سعد الدین انصاری ندوی، ناشر مکتبہ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی چھوٹی تقطیع کے ۵۶ صفحے قیمت ۴ر

"اچھی باتین" دراصل بچون کے لئے آیاتِ قرآنی کی تعلیم کا مجموعۂ اسباق ہے، مثلاً مرتب نے کسی ایک آیت کو لیا، اس آیت اور بچون کے ذوق کے مناسب حال، اوپر عنوان قائم کیا، آیت کے پہلو مین سلیس اور آسان زبان مین اردو ترجمہ درج کیا، اس کے نیچے تفسیر کا عنوان ہے جسمین آیت کے مطالب کی تشریح بچون کے ذوق اور فہم کا لحاظ رکھکر موثر انداز مین کی ہو، اس طرح ایک ایک آیت کا ایک ایک سبق ایک ایک صفحہ مین التزام سے درج ہے، آیتون کے انتخاب مین لحاظ رکھا ہے، کہ وہ بچون کے لئے موثر ہون، اور ان کی تعلیم و تربیت کا بھی کام دین، اسلامی مدارس کیلئے اگر ایسے ہی رسالے ترتیب دئے جائین تو نہ صرف مفید دینی خدمت ہو، بلکہ مسلمان بچون کی تعلیم و تربیت آغاز ہی سے صحیح طریق پر انجام پائے،

سرکارِ دو عالم، مولفہ مولوی محمد حسین حسان صاحب ندوی، ناشر مکتبہ جامعہ ملیہ قرولباغ دہلی ضخامت ۱۴۱ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت ۸ر

مولوی محمد حسین صاحب حسان ندوی نے بچون کیلئے آنحضرت صلعم کی سیرت سلیس اور آسان زبان مین لکھی ہو، واقعات کو مختصر انداز بیان مین سمجھایا ہو، اور اخلاقِ نبوی کے بیان کو زیادہ جگہ دی ہو، سیرت نبوی مین جو مختصر رسالے بچون کے لئے لکھے گئے ہین، ان مین اس رسالہ کو نمایان حیثیت حاصل ہو، بچون کیلئے اس کا مطالعہ مفید ہوگا،

مُعینُ اللبیب فی قصائد الحبیب مرتبہ مولینا محمد اعزاز علی صاحب ناشر، ناظم کتب خانہ اعزازیہ دیوبند، سہارنپور ضخامت ... صفحے، قیمت درج نہین،

مولینا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم مہتمم دار العلوم دیوبند، دورحاضر کے فاضل مین تھے، زیر تبصرہ رسالہ انہی کے چند عربی قصائد کا مجموعہ ہو جس کے دو حصے ہین، پہلے حصہ مین مختلف نظمین، دعائے مضطر، شمائل و معجزات نبوی، فضائل مدینہ منورہ اور عروج و زوال اسلام پر ہین، اور دوسرے حصہ مین مختلف اکابر و علما مولانا محمود الحسن صاحب مرحوم اور مولانا احمد حسین صاحب مرحوم وغیرہ کی شان مین مرثیے اور قصائد ہین، اور اسی طرح چند قصائد حضور نظام آصفجاہ کی شان مین بھی ہین توقع ہو کہ عربی علم ادب سے ذوق رکھنے والے اہلِ علم اور مدارس عربیہ کے طلبہ اس سے مستفید ہون گے،

"س"

جلد ۳۱	ماہ صفر المظفر ۱۳۵۲ھ مطابق ماہ جون ۱۹۳۳ء	عدد ۶

مضامین

شذرات

تبلیغِ دین مسلمانون کا فریضہ ہے، لیکن اس فرض کو ہم کہانتک ادا کر رہے ہین، اسکا جواب بجز ندامت اور اعتراف تصور کے ہم کیا دیسکتے ہین، آجکل کی دنیا مین تبلیغ کی سب سے منظم شکل اخبارات و رسائل ہین، ہمارے ادبی و علمی رسالے تو شاید ہزارون ہون، لیکن ہمارے مذہبی رسالون کی تعداد مشکل سے چند ہوگی اور خصوصاً ہمارے صوبہ مین تو ایک بھی ایسا مذہبی رسالہ نہین جسمین دین و مذہب کے متعلق اعلیٰ مضامین اور مسلمانون کے دینی و تمدنی و اخلاقی اصلاحات پر معتدل خیالات شائع ہوتے درآنحالیکہ الحاد کے سرچشمے یہین کے دار الحکومت سے ابل رہے ہین، اسی بنا پر چند دردمند اصحاب نے یہ ارادہ کیا ہے کہ **اصلاح** کے نام سے لکھنؤ سے ایک ماہوار مذہبی و اخلاقی و اصلاحی رسالہ نکالین، ہمارے نوجوان عزیز مولوی مطلوب الرحمٰن صاحب نگرامی ندوی نے اسکی ادارت کا بار اٹھانے کی ہمت کی ہے، قیمت سالانہ تین روپیہ ہوگی، دین کے دردمندون سے درخواست ہے کہ وہ خریداری سے اس مقدس کام کی اعانت کرین، پتہ دفتر اصلاح، نگرام ہاؤس لکھنؤ، اگر کوئی صاحبِ ہمت اس ضروری کام مین مالی مدد فرمائین تو اجرِ جزیل کے مستحق ہونگے،

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلس طلباے قدیم گو ایک مدت سے قائم تھی، مگر ادھر چند سالون سے وہ مردہ سی ہوکر رہ گئی تھی، اب مولوی رئیس احمد صاحب جعفری ندوی اور دوسرے اربابِ ہمت برادرانِ ندوہ کی کوششون سے اس نے نئی زندگی پائی ہے، پچھلے سال دسمبر ۱۹۳۲ء کا اجلاس خاص طور سے اہم تھا کہ اسکے مقامی صدر استقبالی مولٰنا عبد الماجد صاحب دریابادی اڈیٹر سچ، اور صدر اجلاس مولٰنا مسعود علی صاحب ندوی تھے، اس اجلاس مین مولٰنا عبد الماجد صاحب نے صدر استقبالی کی حیثیت سے جو خطبہ پڑھکر سنایا تھا وہ ادب و انشا کا اعلیٰ نمونہ ہونے کے علاوہ، اپنی روحانی تاثیر کے لحاظ سے بیحد قابل قدر تھا، کتنی آنکھین تھین جو اس خطبہ کے سنتے وقت اشکبار تھین، صاحبِ صدر مولانا مسعود علی صاحب کا زبانی

خطبہ حسب معمول زندگی اور زندہ دلی کی تصویر تھا، جس نے روتون کو بھی ہنسا دیا،

گریانم و خندانم چون طفل بخواب اندر

مولوی رئیس احمد صاحب ندوی نے ندوۃ العلماء کے ان "اطفال قدیم" کے اس "گریان و خندان خواب" کا مرقع کاغذ پر کھینچکر، جلسۂ مذکور کی روداد کی صورت مین شائع کیا ہے، یہ مطبوعہ روداد جسمین دونون خطبے اور جلسہ کے مشاعرہ کی غزلین، اور ہمدردون کے خطوط بھی شامل ہین، مولوی صاحب سے قرول باغ جامعہ ملیہ دہلی کے پتہ سے ملیگی،

اس دفعہ لاہور کے سفر مین یہان کی تاریخی عمارتون کے دیکھنے کا موقع ملا، یہ دیکھکر اور سنکر بڑا افسوس ہوا، کہ سکھون کے چند سالہ عہدِ حکومت مین یہان کی اکثر اسلامی عمارتون کو شدید نقصان پہنچایا گیا، یہان کی مسجدون اور مقبرون کے پتھرون اور طلائی کامون کو اکھاڑ اکھاڑ کر امرتسر کے سکھ معبدون کو آراستہ کیا گیا، سب سے زیادہ افسوسناک منظر یہ ہے کہ لطافت و نزاکت کی مجسمہ بیگم نورجہان کے مقبرہ کی عمارت کے ایک ایک پتھر کو نوچکر اس طرح اسکو برہنہ کردیا گیا ہے کہ دنیا کی نسوانیت اسکی اس قابل رحم حالت پر ہمیشہ کے لیے سوگوار اور ماتم گسار رہیگی، خدا مسیح الملک حکیم اجمل خان صاحب پر اپنی رحمت نازل کرے کہ ان کی قومی غیرت نے بیگم اور اسکی لاڈلی بیٹی کی برہنہ قبرون پر سپید سنگ مرمر کی دو چادرین اڑھادی ہین، اور کتبہ کا پتھر لگاکر ان کے نامون کو مٹنے سے بچالیا ہے،

یہی کیفیت نورجہان کے بھائی، اور جہانگیر کے وزیر آصف خان کے مقبرہ کی کیگئی ہے، عمارت کے گوشہ گوشہ پر عبرت کی آنکھین آنسو بہا رہی ہین، خود جہانگیر کے مقبرہ کو گو ہاتھ نہین لگایا گیا ہے، تاہم اس کے سر کا تاج بھی اُتار لیا گیا ہے، یعنی مقبرہ کی دوسری منزل پر سپید مرمر کی بارہ دری تھی، یہ بارہ دری سکھون نے وہان سے اکھاڑ لی، اور ایک دوسری جگہ لے جاکر اس کو آسمان سے اتار کر زمین پر پٹک دیا ہے، یعنی زمین پر اس کے ٹکڑون کو جوڑ کر دوبارہ بارہ دری بنائی ہے، یہ بارہ دری بھی انقلابات کے گرد و غبار سے اٹکر زمین مین چھپ گئی تھی، چند سال ہوے

کہ اب حکومت انگریزی نے مٹی ہٹا کر اس سنگی خزانہ کو دوبارہ زمین سے نکالا ہے،

نہ گورِ سکندر نہ ہے قبر دارا مٹے نامیون کے نشان کیسے کیسے
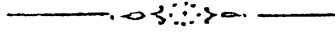
پچھلے مہینہ کی اسلامی دنیا مین مشرقی ترکستان مین وہ عظیم الشان انقلاب پیش آیا جسکا انتظار ہماری آنکھون کو دس پندرہ برس سے تھا، ترکستان کا یہ اہم خطہ جسپر صدیون سے چین نے قبضہ کر رکھا تھا، اسلامی تاریخ مین مسلمان فاتحون اور کشورکشاؤن کا گہوارہ رہا ہی یہین وہ ایلک خانی خاندان جو آل افراسیاب اور ملوک خانیہ بھی کہلاتا ہی تیسری صدی سے چھٹی صدی تک فرمانروا رہا ہے، جس نے ایک طرف محمود غزنوی اور دوسری طرف ملکشاہ سلجوقی کو مصالحت اور مصاہرت پر مجبور کر دیا تھا، چینیون نے اس پر بار بار حملے کئے ہین، اور پھر اس نے خود مختاری حاصل کرلی ہی ۱۸۶۰ء مین یعقوب خان کی سرداری مین اس ملک نے خود مختاری حاصل کی لیکن سات برس کے بعد اسپر چینیون نے پھر قبضہ کرلیا، نا اتفاقی کا برا ہو جس نے ہمیشہ ہر ملک کی خودمختاری کا خاتمہ کیا ہے، خدا اس دفعہ ہمارے ان مشرقی ترک بھائیون کو اس سے محفوظ رکھے اور دوسری طرف بالشویک روس کے پنجہ سے بچائے، تو یہ نئی اسلامی سلطنت کشمیر و تبت اور افغانستان و چین و روس کے بیچ مین اسلامی تمدن کا نیا منارہ بنکر کھڑی ہو،
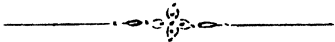
قوم کے غمخوارون مین مشورے ہو رہے ہین، کہ مریضِ جان بلب کے علاج کے لیے مسلم لیگ کو پھر پوری اجتماعی قوت سے زندہ کیا جائے، یہ خیال مبارک ہی مگر اس کے انسداد کی تدبیر کیا ہے، کہ ہم مین سے کسی اختلاف کے موقع پر پھر ایک جماعت ٹوٹکر ایک نئی مسلم لیگ، یا نئی مسلم کانفرنس نہ بنا لیگی، جنگ عظیم کے بعد سے لیکر آج تک ہم نے بچون کی طرح سیاسی کھلونون کے بنانے اور توڑنے کے سوا اور کیا کیا ہے، جبتک ہم یہ عزم نہ کرلین کہ ہماری ہمیشہ ایک ہی سیاسی مجلس ہوگی، اور جو فرقہ کسی اختلاف کی بنا پر کوئی الگ رائے قائم کریگا، وہ اس مجلس کو توڑنے اور دوسری سیاسی مجلس کے بنانے کے بجائے وہ اس پرانی مجلس کا ایسا فریق اقلیت بنکر رہیگا جو آئینی جد و جہد سے اپنی اکثریت کیلئے ہمیشہ کوشان رہیگا، اس وقت تک مسلم لیگ کے احیا کی یہ دوبارہ کوشش بھی وقتی تفریح طبع سے زیادہ وقیع نہین ہے،

مقالات

انکارِ حدیث

(۲)

از مولوی شاہ معین الدین صاحب ندوی، رفیق دار المصنفین

اب حضرت عمرؓ کے ان واقعات کو لیجئے، جو مخالفتِ حدیث کی بنیاد کہے جاتے ہین،

۱- آپکی مخالفتِ حدیث کے ثبوت مین ایک واقعہ یہ پیش کیا جاتا ہو کہ آپ فرماتے تھے حسبنا کتاب اللہ یعنی ہمارے لئے خدا کی کتاب کافی ہے، اور اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہو کہ جب آپ خدا کی کتاب کو کافی سمجھتے تھے تو اسکا منطقی نتیجہ یہ ہو کہ حدیثون کو لائقِ التفات نہ خیال کرتے تھے، بیشک یہ جملہ حضرت عمرؓ کا ہی لیکن اسکو حدیث کی مخالفت سے دور کا بھی تعلق نہین اور نہ اسکے وہ معنی ہین جو منکرینِ حدیث نکالتے ہین، حدیث و رجال کی کسی کتاب مین یہ جملہ اس معنی و مفہوم مین میری نظر سے نہین گذرا، حدیث کیا طبقات و تاریخ مین بھی اس معنی مین یہ جملہ نہین ملسکتا، حدیث کی کتابون مین یہ جملہ صرف ایک موقع پر آیا ہی، اور یہ موقعہ وہ ہے کہ جب آنحضرت صلعم نے مرض الموت مین فرمایا کہ قلم دوات لاؤ مین تمہارے لیے کچھ لکھدون تاکہ تم گمراہ نہ ہو تو حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ آپنے غفلت کی حالت مین ایسا فرمایا ہو، اور درد کی تکلیف آپکو زیادہ ہی ایسی حالت مین آپکو لکھنے لکھانے کی زحمت دینا مناسب نہین ہو، یہ جملہ کہا، اصل روایت کے الفاظ یہ ہین،

قد غلب علیہ الوجع وعندکم القرآن حسبنا کتاب اللہ، اسوقت آپ پر درد کا غلبہ ہو، تمہارے پاس قرآن موجود ہے ہمارے لئے کتاب اللہ کافی ہی،

ظاہر ہے کہ اس کو مخالفتِ حدیث سے کوئی تعلق نہین، بلکہ خاص اس واقعہ سے متعلق ہے، دوسرے موقع پر یہ جملہ تاریخ اور بعض رجال کی کتابون مین بھی ملتا ہے، جب مسلمانون نے عجم فتح کیا تو وہان کچھ عجمی کتابین ہاتھ آئین، حضرت

عمر کو ان کی اطلاع دیگئی، یا آپ کے پاس لائی گئین، آپ نے فرمایا ہم کو ان کی ضرورت نہین "حسبنا کتاب اللہ"
کہان کا جملہ کہان پیش کیا جاتا ہے، کجا فرمانِ رسول اور کجا عجم کی زہر آلو دفلسفیانہ کتابین، "چہ نسبت خاک را با
عالم پاک"، ممکن ہے اسی قبیل کے واقعات مین کہین اور بھی یہ جملہ جسکا مجھے علم نہین نکل آئے لیکن اسکو حدیث کی مخالفت
سے دور کا بھی تعلق نہین ہوسکتا،

نمبر۲۔ دوسرا واقعہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ آپ نے قرظہ بن کعب کو عراق بھیجتے وقت روایت حدیث
کی ممانعت کی تھی، اور جب ممانعت کی تھی تو لامحالہ آپ مخالف رہے ہونگے، لیکن اولاً یہی صحیح نہین کہ آپ نے
مطلقاً روایت کی ممانعت فرمائی تھی، بلکہ تقلیل روایت کا حکم دیا تھا اور وہ بھی ایک خاص مصلحت کی بنا پر
جس کو انھون نے خود بیان کر دیا ہے،

فانکم تأتون اهل قرية لهم دوي بالقرآن	تم لوگ ایسے مقام پر جا رہے ہو جہان کے لوگون کی آواز ین
كدوي النحل فلا تصدوهم بالاحاديث	قرآن پڑھنے مین شہد کی مکھیون کیطرح گونجتی رہتی ہین تم لوگ انکو
فتشغلوهم جرّدوا القرآن، واقلّوا الرواية	حدیثون مین روک کر قرآن سے غافل نہ کردینا، قرآن کو
عن رسول الله وانا شريككم، (تذكرة الحفاظ)	بے آمیز رکھو اور رسول اللہ صلعم سے کم روایت کرو،

اس تشریح سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے مطلق روایت حدیث سے نہین روکا تھا بلکہ فرمایا تھا کہ کم روایت کرنا
اور وہ بھی اس خطرہ سے بچنے کے لیے کہ یہ ابھی نو مسلم ہین، ابھی قرآن کے سبق سے اُن کو فرصت نہین ملی، احادیث
کا درس کیا دیا جائے، ایسا نہ ہو کہ لوگ حدیث کی طرف متوجہ ہو جائین اور قرآن کو چھوڑ بیٹھین،

۳۔ تیسرا واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ابو سلمہ نے ابوہریرہ سے پوچھا کہ تم عمر کے زمانہ مین بھی اس طرح
حدیثین بیان کرتے تھے، انھون نے جواب دیا، اگر مین ان کے زمانہ مین اسی طرح بیان کرتا تو وہ مجھے
مارتے، (تذکرۃ الحفاظ)

لیکن یہ روایت کئی وجوہ سے ناقابلِ اعتبار ہے، اولاً اس کی سند مجروح ہے، اسکا سلسلۂ سند یہ ہے

دراوردی عن محمد بن عمرو عن ابی سلمہ عن ابی ہریرہ، اس روایت مین (دراوردی) راوی جن سے امام ذہبی نے یہ روایت نقل کی ہے، محدث عبد العزیز دراوردی ہین جنھون نے ۱۸۶ھ مین وفات پائی (دیکھو تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۲۴۵) اور حافظ ذہبی چھٹی صدی کے آخر مین پیدا ہوئے، اس لیے دراوردی سے انکی روایت موقوف ہے، دوسرے محمد بن عمرو بن علقمہ جن سے دراوردی نے یہ روایت لی ہے، ناقدین کے نزدیک کچھ زیادہ قابل اعتماد نہین ہین، گو محدثین نے ان سے روایتین کی ہین لیکن ان کی روایات کے متعلق ائمہ فن کی یہ رائے ہے، ابن معین کا بیان ہے کہ لوگ ہمیشہ محمد بن عمرو کی روایت سے احتراز کرتے تھے، ابراہیم بن یعقوب جوزجانی ان کی روایتون کو قوی نہین سمجھتے تھے، ابن سعد انکی اکثر روایتون کو ضعیف سمجھتے تھے، جو لوگ اچھی رائے بھی رکھتے تھے تو اسی حد تک کہ ان کی روایتونکو بالکل نظر انداز کرنے کے لائق نہین سمجھتے تھے، چنانکہ حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہین، "لا باس بہ" یعنی ان کی روایت مین کوئی مضائقہ نہین، ابن حبان انھین لائق اعتماد سمجھتے تھے، لیکن اس کے ساتھ کہتے تھے کہ وہ روایتون مین غلطیان کرتے تھے (تہذیب ج ۹ ص ۳۷۶) انکے ہوتے ہوئے محمد بن عمرو کی روایات اور وہ بھی اس قسم کی روایت کا جو اوپر نقل ہوئی ہے کیا پایہ ہو سکتا ہے،

لیکن بالفرض اس روایت کو صحیح بھی مان لیا جائے تب بھی اس سے حضرت عمرؓ کی مخالفت حدیث کا نتیجہ نہین نکلتا، ایسا نتیجہ نکالنا قبول حدیث کے بارہ مین حضرت عمرؓ کے اصول اور ابوہریرہ کے حالات سے لاعلمی کا ثبوت ہے، حضرت عمرؓ کا یہ اصول تھا کہ وہ خبر احاد کو بغیر تائیدی شہادت کے قبول نہین کرتے تھے، اس پر آیندہ مفصل بحث آئے گی، حضرت ابوہریرہؓ کا یہ حال تھا کہ وہ بال بچون کی فکرون سے آزاد سارا وقت خدمت نبوی مین گذارتے تھے، خلوت و جلوت مین ہر وقت ساتھ رہتے تھے، (مسلم ج ۲ فضائل ابی ہریرہ)، اسلئے انھون نے صدہا روایتین ایسی سنی ہین جن کے سماع مین کوئی دوسرا ان کا شریک نہین ہے، ایسی حالت مین وہ ہر روایت کے ثبوت مین تائیدی شہادت کہان سے پیش کرتے اور جب ثبوت نہ پیش کرتے تھے تو بہت ممکن تھا کہ حضرت عمرؓ سزا دیتے، اس لیے ابوہریرہ کے بیان کا ہرگز یہ مقصد نہین ہے کہ حضرت عمرؓ

حدیثون کو قابلِ حجت نہین سمجھتے تھے، اس لیے وہ راویون کو سزا دیتے تھے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ خبر احاد کو بغیر تائیدی شہادت کے نہین قبول کرتے تھے اور یہ حدیثون کے باب مین انکی انتہائی احتیاط تھی، پھر بالفرض اگر انھون نے کسی ایک شخص کو کسی خاص مصلحت کی بنا پر کثرت روایت سے روک بھی دیا تو ایک شخص کو روکنا اور بات ہے اور مطلق روایت حدیث کو بند کر دینا اور بات، اگر وہ مطلق روایت کو بند کر دیتے تو البتہ اسکو حدیث کی مخالفت مین پیش کیا جا سکتا تھا، لیکن اوپر کی روایت مین اس کا کوئی ثبوت نہین،

۴ - چوتھا واقعہ ذہبی سے یہ نقل کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن مسعودؓ، ابو درداءؓ اور ابو مسعود انصاریؓ کو کثرتِ روایت کے جرم مین قید کر دیا تھا، (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷) اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ بعض صحابہ جو حدیثین روایت کرتے تھے روایت کے اہل ہی نہین تھے، ورنہ انھین حضرت عمرؓ قید کیون کرتے اور جب روایت کے اہل نہ تھے تو ان کی روایات بھی قابلِ حجت نہین ہو سکتین،

لیکن یہ روایت ہی سرے سے ناقابلِ قبول ہے، اس کی سند مین چند در چند نقائص ہین، پوری سند یہ ہے، معن بن عیسیٰ بن مالک عن عبداللہ بن ادریس عن شعبہ عن سعید بن ابراہیم عن ابیہ اس کے راوی اول معن بن عیسیٰ اور امام ذہبی مین کئی صدیون کا فصل ہے، معن نے ۱۹۸ھ مین وفات پائی (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۵۲) اور حافظ ذہبی چھٹی صدی کے آخر مین پیدا ہوئے، اس لیے بغیر مسلسل سند کے اس روایت کی کوئی حیثیت نہین رہجاتی، پھر سعید بن ابراہیم کے نام کا کوئی راوی جرح سے خالی نہین ہے، لیکن اگر طباعت کی غلطی مان لیجائے تو سعد بن ابراہیم ہو سکتا ہے، اس نام کے ایک بزرگ شعبہ کے شیوخ مین ہین، لیکن پھر بھی یہ روایت موقوف رہتی ہے، اس لیے کہ امام بیہقی کے نزدیک ابراہیم کا سماع حضرت عمرؓ سے ثابت نہین ہے، (تہذیب التہذیب ج اوّل ص ۱۳۹) اس لیے حضرت عمرؓ کے کسی واقعہ مین بلا تسلسل سند کے تنہا ان کا بیان لائقِ اعتبار نہین ہو سکتا،

پھر سب سے بڑھ کر اس واقعہ کی تردید یہ ہے کہ اس روایت میں جن بزرگون پر کثرتِ روایت کا الزام لگایا جاتا ہے

وہ اس کے مجرم ہی نہ تھے، ابن مسعود کی ہر قسم کی روایات کی تعداد (۸۴۸) سے متجاوز نہیں ہے، ان میں سے بھی کل ۶۴ متفق علیہ ہیں، ان کے علاوہ (۲۱) میں امام بخاری اور (۳۵) میں امام مسلم منفرد ہیں اور ان سب کی مجموعی تعداد (۱۲۰) سے نہیں بڑھتی (تہذیب الکمال ص ۲۱۴) جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، کہ ابو درداء اور ابو مسعود کی مرویات کی تعداد ان سے بھی کم ہے، پھر ابن مسعود روایت حدیث میں اس قدر محتاط تھے کہ سال سال بھر گذر جاتا تھا اور اُن کی زبان سے قال رسول اللہ کا کلمہ نہ نکلتا تھا، جب کوئی حدیث بیان کرتے تھے تو خوف سے تمام بدن میں رعشہ طاری ہو جاتا تھا، حدیث کے الفاظ کو بجنسہٖ آنحضرت صلعم کی جانب منسوب نہ کرتے تھے بلکہ بسبیل احتیاط یہ کہدیتے تھے کہ رسول اللہ نے اسی طریقہ سے یا اس کے قریب قریب یا اس کے مشابہ فرمایا ہے، حدیثوں میں رسول اللہ صلعم کے اصل الفاظ کو یاد رکھنا ضروری سمجھتے تھے اور اپنے شاگردوں کو اسکی سخت تاکید کرتے تھے، (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۲ و ۱۳) عمر بن میمون بیان کرتے ہیں کہ میں ایک سال تک ابن مسعود کے پاس آتا جاتا رہا، لیکن ان کی زبان سے رسول اللہ صلعم کی کوئی حدیث نہیں سنی، اور قال رسول اللہ تو کسی روایت میں کہتے ہی نہ تھے، ایک مرتبہ ایک حدیث بیان کرنے میں بے ساختہ ان کی زبان سے قال رسول اللہ نکل گیا، تو ایسی شدید ہیبت طاری ہوئی کہ سخت کرب میں مبتلا ہو گئے، پیشانی سے پسینہ ٹپکنے لگا، پھر سنبھل کر کہا انشاء اللہ یا اس سے کچھ زیادہ یا کچھ کم (ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۱۱۰)

ایسی شدید احتیاط کے باوجود انھیں حدیثوں میں غیر محتاط کون کہہ سکتا ہے، ان کے ذاتی فضائل اور علمی کمالات کی بحث بہت طویل ہے، جس کا یہ موقعہ نہیں، وہ اپنے مذہبی معلومات کے اعتبار سے تمام صحابہ کی جماعت میں نہایت ممتاز شخصیت رکھتے تھے، کلام اللہ کی ستر سورتیں براہ راست رسول اللہ صلعم کی زبانِ مبارک سے سنکر یاد کی تھیں، کوئی سورہ ایسی نہ تھی جس کے شان نزول کا انھیں علم نہ رہا ہو، حفظ اور علم قرآن میں آنحضرت صلعم انھیں تمام صحابہ میں ممتاز سمجھتے تھے اور اس امتیاز کی سند بھی عطا فرمائی تھی، چنانچہ آپ نے مسلمانوں کو چار آدمیوں کو قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کی ہدایت فرمائی تھی، ان میں

سب سے پہلا نام ابن مسعود کا ہے، (دیکھو مسلم ج ۲ فضائل ابن مسعود) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے، آپ کی مسواک کا انتظام، آپ کو جوتہ پہنانا، جوتہ اتارنا، آپ کا بستر درست کرنا، وضو کا پانی رکھنا، عصا کو لیکر چلنا، سفر مین سواری وغیرہ کا انتظام کرنا انھین سے متعلق تھا، ان خدمات کی وجہ سے صحابہ مین وہ "صاحب السواد" یعنی رسول اللہ کے سامان والے کے معزز لقب سے یاد کئے جاتے تھے، اس تقریب وخدمت کی وجہ سے یہ حضر و سفر مین ہر وقت ساتھ رہتے تھے اور کاشانۂ نبوی مین کثرت آمد و رفت اور نشست و برخاست کی وجہ سے وہ اعمال نبوی کے سب سے بڑے واقفکار مانے جاتے تھے اور صحابہ انھین رکن اہلبیت تصور کرتے تھے۔ (تفصیل کے لیے دیکھو طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۱۰۸ و ۱۰۹ و مستدرک حاکم ج ۳ تذکرہ ابن مسعود)

ایسی حالت مین اگر ان کی روایات قابل اعتماد نہین ہوسکتین تو پھر کسکی ہونگی؛

خود حضرت عمرؓ اور دوسرے اکابر صحابہ ان کے کمالات علمی کے مداح و معترف تھے، حضرت عمرؓ انھین علم کا بھرا ہوا ظرف فرماتے تھے، (تذکرۃ الحفاظ ج اول، تذکرہ ابن مسعود) زید بن وہب راوی ہین کہ مین لوگون کے ساتھ عمر کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے مین ایک دبلا پتلا مختصر آدمی آیا، اُسے دیکھ کر حضرت عمرؓ کا چہرہ بشاش ہوگیا، اور فرمایا علم کا بھرا ہوا ظرف ہے، علم کا بھرا ہوا ظرف ہے، علم کا بھرا ہوا ظرف ہے، یہ ابن مسعود تھے، (طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۱۱۰)

ان کو مسلمانون کی تعلیم و تربیت کے لئے معلم اور نمونہ بنا کر بھیجتے تھے، اور ان کی تقلید کا حکم دیتے تھے چنانچہ ۲۰ھ مین جب عمار بن یاسر کو کوفہ کا امیر بنا کر بھیجا تو عبداللہ بن مسعود کو بحیثیت وزیر اور معلم انکے ساتھ کیا اور اہل کوفہ کے نام خط لکھا،

قد بعثت الیکم عمار بن یاسر امیراً وعبداللہ بن مسعود معلماً ووزیراً وھما من النجباء من اصحاب رسول اللہ صلعم من اھل بدر	مین نے عمار بن یاسر کو امیر اور عبداللہ بن مسعود کو معلم اور وزیر بنا کر تمہارے پاس بھیجا ہے یہ دونون رسول اللہ صلعم کے مقتدر صحابہ ہین اور بدری ہین، تم لوگ ان کی

فاقتدوا بہما واسمعوا وقد اثرتکم بعبد اللہ علی نفسی ۔ اقتدا کرنا اور ان کی اطاعت کرنا، میں نے تم کو اپنے اوپر ترجیح دے کر عبد اللہ کو تمہارے پاس بھیجا ہے، (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳)

یہی نہیں بلکہ جو شخص مذہبی معاملات میں ان سے حجت کرتا تھا اس کو سزا دیتے تھے، ایک شخص کا ازار لٹکا ہوا تھا، ابن مسعود نے اُسے ٹوکا اور کہا ازار اونچا کرو، اس نے کہا تم بھی اپنا ازار اونچا کرو، انھوں نے کہا میں تمہاری طرح نہیں ہوں میری پنڈلیاں پتلی ہیں

حضرت عمرؓ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے اس آدمی کو مارا اور کہا کہ تم ابن مسعود سے حجت کرتے تھے (اصابہ ج ۴ ص ۱۳۰)

ایسی حالت میں کہانتک یہ روایت قابل قبول ہو سکتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابن مسعود کو کثرت روایت کے جرم میں قید کیا تھا،

حضرت ابو درداؓ بھی بڑے صاحب علم صحابی تھے خود امام ذہبی لکھتے ہیں کہ ابو درداء امام ربانی حکیم الامت ان صحابہ میں تھے جنھیں خدا نے علم عطا کیا تھا، (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۲۱ و ۲۲)، مسروق بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ کے اصحاب میں چھ بڑے صاحب علم صحابہ تھے، عمرؓ، عبداللہؓ بن مسعود معاذؓ بن جبل، ابو درداؓ، اور زیدؓ بن ثابت، کلام پاک براہ راست زبان وحی و الہام سے حفظ کیا تھا (ایضاً) ابو درداء ان چار عالم قرآن صحابہ میں ہیں، جنھوں نے حیات نبوی ہی میں قرآن کی سورتیں جمع کر لی تھیں، (بخاری) امام الامت حضرت معاذ بن جبلؓ سے لوگوں نے درخواست کی کہ ہمیں کچھ وصیت فرمائیے، ارشاد فرمایا علم و ایمان اپنی اپنی جگہ پر ہیں، جو اُسے تلاش کرے گا وہ پائے گا، تم لوگ ابو درداؓ سلمان بن مسعود اور عبد اللہ بن سلام کے پاس علم تلاش کرنا، (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۲۴) یہ اس شخص کے علمی کمالات کی سندیں ہیں، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسے قید کیا تھا، پھر ابو درداؓ مکثرین کے زمرہ ہی میں نہیں آتے، ان کی مرویات ابن مسعود سے بھی کم ہیں، یعنی کل ۱۷۹ ہیں، ان میں

بھی صرف دو حدیثین متفق علیہ ہین اور ۳ مین بخاری اور ۵ مین مسلم منفرد ہین، (تہذیب الکمال ص ۲۹۹)
حضرت ابو مسعودؓ بھی صاحب کمال اور بدری صحابی تھے، ان کی مرویات ابو درداء سے بھی کم ہین،
یعنی کل ۱۰۲ اور ان مین سے صرف ۹ متفق علیہ ہین اور ایک مین امام بخاری اور ۷ مین امام مسلم منفرد ہین،
(تہذیب الکمال ص ۲۶۹) ایسی حالت مین آخر الذکر دونون کسی طرح مکثرین حدیث مین آہی نہین سکتے،
پھر حضرت عمرؓ انھین اس جرم مین سزا کیسے دے سکتے تھے،

آخر مین یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ ابن مسعود اور ابو مسعود بدری صحابی ہین، جنکے اگلے پچھلے
تمام گناہ بحکم قرآن معاف ہین، اس لیے اگر یہ کوئی جرم بھی کرتے تب بھی حضرت عمرؓ انھین سزا نہین دیسکتے
تھے، حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کا بہت مشہور واقعہ ہے، جس زمانہ مین آنحضرت صلعم نے مکہ پر چڑھائی
کی خفیہ تیاریان شروع کین، اس زمانہ مین حضرت حاطبؓ ابن ابی بلتعہ آنحضرت صلعم کے پاس مدینہ مین
تھے، اور ان کے بال بچے مکہ مین، اور عزیزون مین کوئی اُن کی حفاظت کرنے والا نہ تھا، اس لئے
حاطب نے اپنے کسی مکی دوست کو بال بچون کی حفاظت کے خیال سے مسلمانون کی تیاریون کی خبر کر دی،
لیکن یہ خط راستہ ہی مین پکڑ لیا گیا، اور آنحضرت صلعم کے سامنے پیش ہوا، آپ نے حاطب سے پوچھا، حاطب
یہ کیا، انھون نے معذرت مین صحیح صحیح واقعہ بیان کر دیا کہ مکہ مین میرا کوئی عزیز نہ تھا اس لئے مین نے
بال بچون کی حفاظت کے خیال سے ایسا کیا، آپ نے ان کی معذرت سنکر فرمایا، انھون نے سچ کہا ہے،
حضرت عمرؓ بہت غضبناک ہو رہے تھے، انھون نے عرض کی، اس نے اللہ اور رسول اور مومنین کی
خیانت کی ہے، اجازت ہو تو اس منافق کی گردن اڑا دون، آپ نے فرمایا کیا یہ بدر مین شریک نہ تھے؟
خدا نے ان کے تمام گناہ معاف کر دیئے ہین، اور فرمایا ہے "جو تمہارا دل چاہے کرو تمہارے لئے جنت
واجب ہو چکی، اور مین نے تمہارے تمام گناہ معاف کر دئے " یہ سنکر حضرت عمرؓ کی آنکھون سے آنسو جاری
ہو گئے، اور عرض کیا اللہ اور اسکا رسول زیادہ بہتر جانتا ہے، (بخاری فضائل من شہد بدر ا ج ۲ ص ۵۶۶)

ایک طرف بدری صحابہ کا یہ مرتبہ تھا کہ ایک شدید اور سنگین قومی جرم مین جسکی اگر بروقت اطلاع نہ ہوگئی ہوتی تو اس کا نتیجہ مسلمانون کے لیے سخت مہلک تھا، آنحضرت صلعم حاطب بن ابی بلتعہ کو محض بدری ہونیکی وجہ سے معاف فرما دیتے ہین، اور حضرت عمرؓ کے غیظ و غضب پر ارشاد فرماتے ہین کہ تم کو نہین معلوم یہ بدری صحابی ہین جن کے تمام گناہ خدا نے معاف کر دیئے ہین؛ اس ارشاد پر حضرت عمرؓ کا سارا غیظ وغضب آنسوؤن سے بدل جاتا ہے، دوسری طرف یہی عمر ایک بدری صحابی کو کثرت روایت کے جرم مین قید کر سکتے تھے اسے کون عقل تسلیم کر سکتی ہے۔

۵۔ پانچوان واقعہ ایک طویل روایت کے ناقص اور مسخ شدہ ٹکڑے سے پیش کیا جاتا ہے کہ " حذیفہ حدیثین بیان کرتے تھے رسول اللہ صلعم کی، تو سلمان نے کہا تم اس سے باز آؤ، ورنہ مین عمر کو لکھ دونگا" اس غلط مسخ شدہ ٹکڑے سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ اگر حضرت عمرؓ روایت حدیث کے مخالف نہ ہوتے تو سلمان حذیفہ کو انھین اطلاع دینے کی کیون دھمکی دیتے، لیکن یہ واقعہ ہی اس شکل مین صحیح نہین ہے، پوری روایت مین اس کا مطلب ہی بالکل بدل جاتا ہے، پوری روایت یہ ہے،

عن عمرو بن ابی قرہ قال کان حذیفہ	عمرو بن ابی قرہ روایت کرتے ہین کہ حذیفہ مدائن مین ایسی
بالمدائن فکان یذکر اشیاء قالھا رسول اللہ	باتین بیان کرتے تھے جنھین رسول اللہ صلعم نے غصہ کی حالت
صلی اللہ علیہ وسلم لاناس من اصحابہ	مین اپنے بعض اصحاب کے متعلق فرمائی تھین لوگ انھین
فی الغضب فینطلق ناس ممن سمع ذالک	حذیفہ سے سنکر تصدیق کے لیے سلمان کے پاس جاتے تھے اور
من حذیفہ فیاتون سلمان فیذکرون	ان سے حذیفہ کا بیان ذکر کرتے، اسے سنکر سلمان کہتے
بہ قول حذیفہ فیقول سلمان حذیفہ	حذیفہ جو کہتے ہین اسکو زیادہ جانتے ہین، یہ جواب سنکر یہ
اعلم بما یقول فیرجعون الی حذیفہ	لوگ حذیفہ کے پاس لوٹ آتے اور کہتے ہم نے تمھارا قول سلمان
فیقولون لہ قد ذکرنا قولک لسلمان	کے سامنے بیان کیا وہ نہ اسکی تصدیق کرتے ہین اور نہ تردید
فما صدقک ولا کذبک فاتی حذیفہ	ایک دن حذیفہ خود سلمان کے پاس آئے اور ان سے کہا

سلمان وهو فی مقبلة فقال یا سلمان ما یمنعک
ان تصدقنی بما سمعت عن رسول الله صلعم
فقال سلمان ان رسول الله صلی الله علیه
وسلم کان یغضب فیقول فی الغضب لناس
من اصحابه ویرضی فیقول فی الرضی لناس
من اصحابه اما تنتهی حتی تورث رجالا
حب رجال ورجالا بغض رجال وحتی توقع
اختلافا وفرقة ولقد علمت ان رسول الله
صلی الله علیه وسلم خطب فقال ایما رجل
من امتی سببته سبة او لعنته لعنة
فی غضبی فانما انا من ولد آدم اغضب کما
یغضبون وانما بعثنی رحمة للعالمین فاجعلها
علیهم صلوٰة یوم القیمة والله لتنتهین
او لاکتبن الی عمر

(ابوداؤد کتاب السنة باب النهی عن سب اصحاب
رسول الله صلعم)

سلمان جو کچھ تمنے رسول اللہ صلعم سے سنا ہو اسکے بارہ
میری تصدیق سے تمہین کونسی شے مانع ہوتی ہے؟ سلمان
نے کہا رسول اللہ صلعم سے (عام انسانون کی طرح)
کبھی غصہ ہوتے تھے اور غصہ کی حالت مین اپنے بعض
اصحاب کے متعلق کچھ کلمات فرما دیتے تھے اور کبھی خوش
ہوتے تھے اور خوشی کی حالت مین اپنے بعض اصحاب
کے متعلق کچھ فرما دیتے تھے، تم اسوقت (ان باتون کے
بیان کرنے سے) باز نہ آوگے جبتک (انھین بیان
کرکے) کچھ آدمیون کی طرف سے کچھ آدمیون کے دل مین
محبت اور کچھ آدمیون کیطرف سے کچھ آدمیون کے دل
مین بغض کرکے اختلاف اور تفرقہ نہ پیدا کردوگے،
تم کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ایک خطبہ مین فرمایا
ہے کہ مین نے غصہ کی حالت مین اپنی امت کے جن آدمیون
کو برا بھلا کہا ہو یا اسپر لعنت بھیجی ہے تو معلوم ہونا چاہئے کہ
مین بھی آدم کی اولاد مین ہون اور انھین کی طرح غصہ
ہوتا ہون، خدا نے مجھکو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے اسلئے
قیامت کے دن ان گالیون اور لعنتون کو ان آدمیون
کے حق مین دعا بنا دونگا، یہ بتا کر سلمان نے حذیفہ سے
کہا، اگر تم اس قسم کی اختلاف انگیز روایتون سے باز

کہان مسلمانون مین بغض اور منافرت پھیلانے والے واقعات کی اشاعت سے منع کرنا، اور کہان اشاعت کی ممانعت، جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سلمانؓ نے حذیفہ کو جن باتون کی اشاعت سے منع کیا تھا اور حضرت عمرؓ کو اطلاع دینے کی دھمکی دی تھی وہ کوئی مذہب کے متعلق امر ونہی کی حدیث یا اسوۂ نبوی نہین تھا بلکہ ایسی وقتی اور جذباتی باتین تھین جو آپ نے غصہ اور رضا کی حالت مین بعض لوگون کے متعلق فرمائی تھین اور ان کا کوئی دائمی اثر نہ تھا، اور بعد مین جنکی اشاعت سے مسلمانون مین بغض ومنافرت پیدا ہوجانے کا قوی احتمال تھا، بہت ممکن ہے کہ یہ باتین بعض بنی ہاشم اور بنی امیہ کے افراد کے متعلق رہی ہون حقیقت یہ ہے کہ اس قبیل کے واقعات سے اگر وہ کسی حد تک صحیح بھی مان لیے جائین تو یہ نتیجہ نہین نکلتا کہ حضرت عمرؓ حدیث کے مخالف تھے اور اس کو قابلِ احتجاج نہین سمجھتے تھے، ایسا نتیجہ پیدا کرنا حدیث کے رد وقبول کے بارہ مین حضرت عمرؓ کے اصول سے لاعلمی کا ثبوت ہے، گو زمانۂ مابعد مین محدثین نے یہ اصول بنا دیا کہ تمام صحابہ عدول ہین اور قرن اول کی روایات مین کسی ضعف کا احتمال نہین، لیکن حضرت عمرؓ اس نکتہ سے خوب واقف تھے کہ سہو ونسیان بعض خصائص بشری مین سے ہین جنسے کوئی انسان مستثنیٰ نہین، صحابہ کی عدالت مسلم ہے اور ان کی جانب سے رسول اللہ پر کذب کا امکان نہین، لیکن سہو ونسیان کی انسانی خصوصیت سے تو انھین مستثنیٰ نہین کیا جاسکتا، نیز خلفاء کے زمانہ مین خلافتِ الٰہیہ کی تشکیل ہو رہی تھی، روزانہ نئے نئے واقعات اور نئے نئے مسائل پیش آتے تھے، جن مین خلفاء کا فیصلہ اصولِ دین بنجاتا تھا، ان تمام باتون کو پیش نظر رکھکر، حضرت عمرؓ نے احادیث کی چھان بین اور اسکی تصدیق وتحقیق اور رد وقبول مین وہ تمام احتمالات ملحوظ رکھے، جو ایک عام انسان کی بات قبول کرنے مین رکھنے چاہئین، چنانچہ اسی احتیاط کے ماتحت وہ خبر آحاد کو بغیر تائیدی شہادت کے قبول نہ کرتے تھے، کہ ایک انسان سے بھول چوک بہت ممکن ہے، لیکن تائیدی شہادت کے بعد جب انھین حدیث کی صحت کا پورا یقین ہوجاتا تھا، تو اسے بلا تامل قبول کرلیتے تھے اور اس کے مطابق فیصلہ دیتے تھے، چنانچہ اسقاطِ حمل کی دیت مین مغیرہ کی روایت محمد بن سلمہ انصاری کی شہادت کے بعد، مکان کی بیع مین حضرت عباسؓ

کی روایت چند انصاری بزرگون کی شہادت کے بعد قبول کی (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶) استیذان مین (یعنی صاحب خانہ سے تین مرتبہ اندر داخل ہونے کی اجازت مانگنی چاہئے، جب تین مرتبہ کے بعد بھی نہ ملے تو واپس چلا جانا چاہئے) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت تائیدی شہادت کے بعد قبول کی (مسلم باب الاستیذان) لیکن ان شہادتون سے صرف حدیث کی تصدیق مقصود ہوتی تھی نہ کہ انکار، اگر سرے سے انکار مقصود ہوتا تو تصدیق کیون طلب کرتے، اور تصدیق کے بعد اوس پر عمل کیون کرتے،

کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی تھی یا کسی مسئلہ کے متعلق آنحضرت صلعم کا کوئی فرمان نہ معلوم ہوتا تھا تو صحابہ کے مجمع مین کھڑے ہو کر پوچھتے تھے کہ کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے، تکبیر جنازہ غسل میت، جزیہ مجوس اور اس قسم کے صدہا مسائل کے متعلق حضرت عمرؓ نے مجمع صحابہ سے پوچھکر احادیث کا پتہ چلایا،

حدیث کی روایت مین دوسرا امر انھون نے یہ ملحوظ رکھا (جسے بعض ظاہر بین انکی مخالفتِ حدیث مین پیش کرتے تھے) کہ آپ انھین حدیثون کے ساتھ زیادہ اعتنا کرتے تھے، جو دین یعنی عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق سے تعلق رکھتی تھین، لیکن جنھین مذہب سے چندان تعلق نہ تھا، مثلاً دعا، قصص، حکایات، پیشین گوئیان، لباس و معمولات نبوی وغیرہ کی طرف چندان توجہ نہ کی کہ انھین مذہب اور اصولِ دین سے کوئی تعلق نہین ہے، لیکن عام رواۃ کی نظر اس قدر دقیقہ رس نہین تھی اور وہ ہر قسم کی روایتین خواہ مذہب سے متعلق ہون یا غیر متعلق بیان کرنا ضروری سمجھتے تھے، اور بیان کرتے پھرتے تھے، ایسی حالت مین اگر حضرت عمرؓ نے کسی راوی کو روکا بھی ہوگا تو اسی قسم کی روایات سے، ناواقفون نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ آپ حدیثون کے مخالف تھے، حالانکہ حضرت عمرؓ کی یہ انتہائی دقت نظری تھی کہ انھون نے متعلق بہ مذہب اور غیر متعلق روایات مین تفریق قائم کر دی،

اس سلسلہ مین ایک احتمال اور پیدا ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین جو بارگاہِ نبوی کے سب سے زیادہ مقرب ہین، بہت کم حدیثین مروی ہین، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حدیثون کی طرف توجہ کرتے تھے، اس

استدلال مین ہم کو یہ دیکھنا چاہئے کہ خلفانے حدیثین روایت کی ہین، یا نہین، کم یا زیادہ سے بحث نہین (انکی قلت روایت کا سبب آگے چل کر معلوم ہوگا) نفس روایت حدیث سے خواہ وہ کم ہی کیون نہ ہون اس کا فیصلہ ہو جاتا ہے اگر خلفار حدیثون کے مخالف ہوتے تو سرے سے ان کی کوئی روایت ہی نہ ہوتی، حالانکہ اس سے منکر حدیث بھی انکار نہین کر سکتا کہ خلفار کی روایتین حدیث کی کتابون مین موجود ہین، حضرت ابوبکرؓ سے (۱۴۲) حدیثین مروی ہین (تہذیب الکمال ص ۲۰۴) حضرت عمرؓ سے (۵۳۹) حدیثین مروی ہین، (ایضاً ص ۲۴۲)، حضرت عثمانؓ کی (۱۴۶) روایات ہین، (ایضاً ص۲۶۱) حضرت علیؓ کی ۵۸۶ روایات ہین (ایضاً ص ۲۷۴) اور یہ اہل سنت کی حدیثون کی تعداد ہے، ورنہ اگر حضرات شیعہ کی حدیثون کو بھی شامل کر لیا جائے تو حضرت علیؓ کی مرویات کی تعداد ہزارون سے متجاوز ہو جاتی ہے،

جب اس قدر مسلم ہے کہ خلفار نے روایت کی ہے خواہ وہ کم سہی تو یہ بھی ثابت ہے کہ وہ حدیثون کے مخالف نہ تھے، باقی رہا یہ احتمال کہ ان کے تقرب بارگاہ نبوی کے باوجود دوسرے کثیر الروایہ صحابیون کی روایات کے مقابلہ مین ان کی مرویات اس قدر کم کیون ہین کوئی حقیقت نہین رکھتا، محدثین کے نزدیک یہ اصول مسلم ہے کہ صحابی جب کوئی ایسا مسئلہ بیان کرے جسمین رائے اور اجتہاد کو دخل نہ ہو تو اس مین خواہ وہ رسول اللہ کا نام لے یا نہ لے اس کا مطلب یہی ہوگا کہ اس نے رسول اللہ سے سنا ہے، اور جب عام صحابیون کے متعلق جسمین خلفائے راشدین بھی شامل ہین یہ حکم ہے تو خلفا کے متعلق بدرجۂ اولیٰ ہوگا اور یہ اصول بالکل قرین قیاس ہے، معمولی سمجھ کا انسان بھی اس سے انکار نہین کر سکتا کہ مثلاً حضرت عمرؓ نے تمام ممالک محروسہ مین لکھ بھیجا تھا کہ زکوٰۃ فلان فلان چیزون پر فرض ہے تو اس مین اسکا احتمال ہی نہین کہ انھون نے اپنی رائے سے لکھا ہوگا، اس لیے کہ وہ شارع نہ تھے کہ اسکے مجاز ہوتے بلکہ انھون نے رسول اللہ ہی سے اسکو سنا ہوگا، یہ اور بات ہے کہ انھون نے حکم رسول کا حوالہ نہین دیا اور انھین اس کی ضرورت بھی نہ تھی، کیونکہ وہ خود صاحب الامر تھے جن کا کام حکم نافذ کر دینا تھا، اس

اصول کے ماتحت خلفاے راشدین کے نافذ کردہ وہ تمام قوانین جو مذہب سے متعلق ہین اور جنمین ان کے اجتہاد کو دخل نہین ہے، درحقیقت حدیث ہی پر مبنی ہین، اسلئے انکے عہد کے تمام مذہبی قوانین کو انکی مرویات ہی شمار کرنا چاہئے،

حضرت عثمانؓ کے انکار حدیث کے ثبوت مین صرف یہ ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ محمد بن علی حضرت عثمانؓ کے پاس رسول اللہ صلعم کا ایک نوشتہ لائے انھون نے کہا مجھے اس سے معاف رکھئے" (توجیہ النظر ص ۱۶)

اوّلاً اس واقعہ کی صحت ہی مشکوک ہے، طاہر جزائری نے معلوم نہین کہان سے بلا حوالہ نقل کردیا ہے، کسی حدیث کی کتاب مین میری نظر سے نہین گذرا، لیکن اگر اسے صحیح بھی مان لیا جائے تو اسکی شکل یہ نہین ہے جو پیش کیجاتی ہے، دوسرے واقعات کی طرح اسے بھی ناتمام نقل کرکے اس سے غلط نتیجہ نکالا جاتا ہے، پورا واقعہ یہ ہے،

ان عثمان حمل الیہ محمد بن علی بن ابی طالب	محمد بن علی بن ابی طالب حضرت عثمانؓ کے پاس زکوٰۃ
من عند ابیہ کتاب النبی صلعم فی الزکوٰۃ	کے بارہ مین آنحضرت صلعم کا ایک تحریری حکم لائے
فقال اغنہا عنا۔ (توجیہ النظر)	انھون نے کہا مجھ کو اس کی ضرورت نہین ہے،

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ نے اس نوشتہ کو اسلئے واپس نہین کیا تھا کہ اسے قابل حجت نہین سمجھتے تھے بلکہ اسکی ضرورت ہی نہ تھی، زکوٰۃ کا مسئلہ مشتبہ مسئلون مین نہین ہے بلکہ اس کے متعلق حدیثون مین تفصیلی احکام موجود ہین، اور آنحضرت صلعم کی زندگی ہی سے ان پر عمل ہو رہا تھا، آپکی وفات کے بعد جب ارتداد کا فتنہ اٹھا اور بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا تو حضرت ابو بکرؓ نے اسی دلیل سے ان پر تلوار اٹھائی کہ رسول اللہ صلعم کے زمانہ مین زکوٰۃ کی جو شرح معین تھی اور جو جو لوگ جس قدر زکوٰۃ ادا کرتے تھے اگر وہ اس مین اونٹ کے چھوٹے بچے کے برابر بھی کمی کرنا چاہین گے تو مین ان سے جہاد کرونگا، ایسی حالت مین زکوٰۃ کے متعلق تمام مسائل اسی زمانہ مین منقح ہو چکے تھے اور اس وقت سے حضرت عثمانؓ کے عہد تک ان پر عمل ہوتا چلا آرہا تھا، اسلئے

محمد بن علی کے نوشتہ سے حضرت عثمانؓ کے معلومات مین کوئی مزید اضافہ نہین ہوتا، لہذا نوشتہ واپس کرنا انکار حدیث پر محمول نہین کیا جا سکتا،

تمسک بالحدیث والسنہ مین حضرت عثمانؓ کا بھی وہی عمل تھا، جو ان کے پیشرؤن کا تھا، احکام و قوانین کی احادیث کا تو ذکر کیا، حضرت عثمانؓ آنحضرت صلعم کے تمام اقوال بلکہ آپ کے حرکات و سکنات تک کی پیروی کرتے تھے، ایک مرتبہ وضو کرکے متبسم ہوئے، لوگون نے اس بے موقعہ تبسم کی وجہ پوچھی، فرمایا مین نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم کو وضو کرکے اس طرح مسکراتے ہوئے دیکھا تھا (مسند احمد بن حنبل ج اول ص ۵۸) ایک مرتبہ ایک جنازہ سامنے سے گذرا، فوراً کھڑے ہوئے اور فرمایا آنحضرتؐ بھی ایسا ہی کرتے تھے، (ایضاً ص ۸۸) ایک مرتبہ مسجد کے دوسرے دروازہ پر بیٹھکر بکری کا گوشت منگوا کر کھایا اور بغیر تازہ وضو کئے ہوئے نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، پھر فرمایا آنحضرت صلعم نے بھی اسی جگہ بیٹھکر نوش فرمایا تھا اور اسی طرح کیا تھا (ایضاً ص ۶۲) لوگون کو اعمال نبوی کی تعلیم دیتے تھے، ایک مرتبہ عصر کے وقت سب کے سامنے وضو کرکے دکھایا اور فرمایا رسول اللہ اسی طرح وضو کرتے تھے، (ایضاً ص ۶۷ و ۶۸)

حدیث رسول کی طاعت اور پابندی کی اس سے بڑھکر سند کیا ہو سکتی ہے کہ اسکی پابندی مین جان تک دیدی، جب مدینہ مین آپ کے خلاف شورش برپا ہوئی تو مغیرہ بن شعبہ نے اس سے محفوظ رہنے کے لیے مختلف مقامون پر چلے جانے کا مشورہ دیا، ان مین ایک نام مکہ کا بھی تھا، حضرت عثمانؓ نے مکہ نہ جانے کی وجہ یہ بیان کی کہ مین وہان چلا جاؤن تو ان باغیون سے امید نہین کہ حرم الٰہی کی حرمت کا لحاظ کرینگے اور جنگ نہ کرین، اور مین رسول اللہؐ کی پیشین گوئی کے مطابق وہ شخص بننا نہین چاہتا جو مکہ جا کر اسکی بے حرمتی کا باعث ہوگا (مسند احمد بن حنبل ج اول ص ۶۷ ملخصاً) یا جب باغیون نے آپ کے گھر کا محاصرہ کیا، اس وقت صحابہ اور عام مسلمان ملا کر سات سو آدمی آپ کے گھر مین موجود تھے، (ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۴۹) بعض جان نثارون نے مشورہ کہ آپ مقابلہ کیون نہین کرتے، فرمایا رسول اللہ نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا، اور مین اسی

صابر ہون (ایضاً ص ۶۶۴) غرض پاس فرمان رسول کی وجہ سے طاقت رکھتے ہوئے مقابلہ نہین کیا اور جان دیدی، ایسی حالت مین یہ کہنا کہ وہ حدیث وسنت کی طرف التفات نہ کرتے تھے، کیسے درست ہو؟

۳- تیسری دلیل یہ دیجاتی ہے کہ محدثین ہر صحابی کو مستند، قابل یقین اور سچا مان کر ان کی روایتون کو قبول کر لیتے ہین، حالانکہ انھین مین ایسے صحابہ بھی ہین جنکو کلام اللہ نے مردود الشہادہ قرار دیا ہے اور مثال مین حضرت حسانؓ بن ثابت کا نام پیش کیا جاتا ہے، کہ واقعہ افک مین حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے والون مین یہ بھی تھے، جنکے متعلق کلام پاک کا یہ فیصلہ ہے،

والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یاتوا بأربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا،

جو لوگ عفیفہ اور پاکدامن عورتون پر تہمت لگائین اور اسکے ثبوت مین چار گواہ نہ لاسکین، تو انھین اسّی کوڑے مارو اور انکی شہادت کبھی قبول نہ کرو،

لیکن معترضین اس موقعہ پر اسے نظر انداز کر دیتے ہین کہ اس شہادت سے مراد معاملات اور مقدمات کی شہادت ہے نہ کہ روایت حدیث، لیکن اگر یہ حکم عام بھی مان لیا جائے تو بھی پوری آیت کے حکم کو دیکھنا چاہئے، یا صرف اپنے حسب منشا ایک ٹکڑا لے لیا، اور باقی حصہ کو جو منشا کے مخالف پڑتا ہو نظر انداز کر دیا جائے، اس حکم کے بعد ہی یہ استثنا ہے،

الا الذین تابوا من بعد ذلك واصلحوا فان الله غفور رحیم،

مگر کیے پیچھے جن لوگون نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی (وہ مستثنیٰ ہین) بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے،

حضرت حسان بن ثابتؓ مقتدر صحابی ہین، دربار رسالت کے شاعر تھے اور آنحضرت صلعم کی جانب سے کفار کو جواب دیتے تھے، آپ نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ روح القدس حسان کے ساتھ ہے، لیکن منافقون کے دام مین آگئے تھے، لیکن جب تحقیقات سے واقعہ غلط ثابت ہوا اور قرآن نے خود اس کی تردید کی تو حسان کو اپنے کئے پر پشیمانی ہوئی، خود حضرت عائشہؓ نے انھین معاف کر دیا تھا چنانچہ جب آپ کے سامنے

حسان کو کوئی برا کہتا تھا تو اس کو منع کرتی تھین اور فرماتی تھین کہ وہ آنحضرت صلعم کی جانب سے کفار کو جواب دیا کرتے تھے، اور آپ کی مدافعت کرتے تھے، (بخاری ج ۲ ص ۵۰۹) اس لیے حضرت حسانؓ الذین تابوا واصلحوا کے حکم سے مستثنیٰ ہوگئے، لیکن اگر کسی کو اس کے بعد بھی اُن کے مردود الشہادہ ہونے پر اصرار ہے تو زیادہ سے زیادہ ان کی روایات قابل اعتماد نہ تسلیم کرے، یہ بھی عجب اتفاق ہے کہ مقدس صحابہ کی جماعت مین غالباً حضرت حسانؓ ہی وہ بزرگ ہین جنسے صرف ایک حدیث مروی ہے اسلئے مردود الشہادہ صحابہ سے قبول روایت کا اعتراض ہی غلط ہوا جاتا ہے، لیکن اگر ان کی روایات ہوتین بھی تو اُن سے تمام صحابہ کی مرویات کی تضعیف کیونکر ہوسکتی ہے، قصوروار ایک شخص ہو اور ملزم ساری جماعت ٹھہرائی جائے یہ کونسا اصول اور قانون ہے،

۴ - چوتھی دلیل یہ پیش کیجاتی ہے کہ حدیثون کے متعلق صحابہ کی راے اچھی نہ تھی اور وہ انھین قابل اعتماد نہ سمجھتے تھے، اس لیے صحابہ کم روایت کرتے تھے، اور اس کے ثبوت مین حسب ذیل واقعات پیش کئے جاتے ہین،

ابن عباس کہتے تھے کہ ہم اس وقت رسول اللہ سے حدیث بیان کرتے تھے، جب آپ سے جھوٹی حدثیین روایت نہین کیجاتی تھین، لیکن جب سے لوگ ہر قسم کی رطب ویابس روایتین بیان کرنے لگے، اس وقت سے ہم نے حدیث بیان کرنا چھوڑ دیا (مسند دارمی) ابن عباس کہتے تھے کہ تم کو قال رسول اللہ اور قال فلان کہتے وقت، اس کا خوف نہین معلوم ہوتا کہ تم پر عذاب نازل کیا جائے یا زمین تم کو لیکر دھنس جائے (ایضاً) امیر معاویہ سے ایک حدیث بیان کیگئی جس کو انھون نے غلط خیال کیا اور تصدیق کیلئے ام المومنین ام سلمہ کے پاس گئے، اور کہا یا ام المومنین، جھوٹی باتین رسول اللہ کی طرف منسوب ہوگئی ہین ہمیشہ کہنے والا یہی کہتا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے، حالانکہ وہ بات آپ نے نہین فرمائی تھی، (ابن مردویہ) امام شعبی کہتے ہین کہ مین ابن عمر کے ساتھ سال بھر بیٹھا، اس عرصہ مین انھون نے کوئی حدیث نہین بیان کی، (مسند دارمی) سائب بن یزید بیان کرتے ہین کہ مین مکہ کے راستہ مین سعد بن ابی وقاص کا ہم سفر رہا، پھر وہان سے مدینہ واپس آیا، اس سفر مین مین نے ان سے کوئی حدیث نہین سنی (مسند دارمی) مجاہد کہتے ہین

کہ مین مدینہ تک ابن عمر کے ساتھ رہا مگر مین نے ان کو حدیث روایت کرتے ہوئے نہین سنا (مسند دارمی) ثابت بن قطبہ انصاری کہتے ہین کہ عبداللہ بن مسعودؓ مہینہ مین ایکبار حدیث بیان کرتے تھے، (مسند دارمی)

ان واقعات سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہو کہ یہ تمام بزرگ حدیثون کے مخالف تھے ورنہ وہ حدیثون کے متعلق بری رائے کیون ظاہر کرتے، اور اتنی کم روایت کیون کرتے، اس موقع پر پھر مجھے وہی کہنا پڑتا ہے کہ ان واقعات سے یہ استدلال کوتاہ نظری کا نتیجہ ہے، اگر ان بزرگون کے حالات اور حدیثون پر معترضین کی نظر ہوتی تو وہ ہرگز انکار حدیث کا نتیجہ نہین اخذ کر سکتے تھے، اب واقعات کی شکل مین اسکی تفصیل ملاحظہ ہو،

پہلے ابن عباسؓ اور امیر معاویہ کے بیان کو لیجئے، ان سے زیادہ سے زیادہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین لوگون نے غلط روایتین شروع کر دی تھین، اس سے حدیثون کا انکار کہان سے نکلتا ہے، ابن عباسؓ خود کہتے ہین کہ "ہم حدیثین روایت کرتے تھے، لیکن جب سے لوگون نے ہر قسم کی رطب ویابس حدیثین بیان کرنا شروع کر دین اسوقت سے ہم نے روایت چھوڑ دی، یعنی انھون نے روایت اس لئے نہین چھوڑی کہ وہ حدیث کے منکر تھے یا اسے قابل حجت نہین سمجھتے تھے، بلکہ اس لیے کہ لوگون نے قول رسول مین آمیزش شروع کر دی تھی، اسلئے ابن عباس کا ترک روایت جس کے معنی اس موقع پر قلت کے ہین بربنائے احتیاط تھا نہ کہ بربنائے انکار حدیث، ورنہ وہ ہمیشہ سے حدیثون کی روایت نہ کرتے حالانکہ ایسا نہین اس موقعہ پر ترک بمعنی قلت ہے اس لیے کہ ابن عباس کی اس احتیاط کے باوجود ان کی (۱۶۶۰) روایتین حدیث کی کتابون مین موجود ہے جنمین سے ۷۵ متفق علیہ ہین اور ۲۰ مین امام بخاری اور ۴۹ مین امام مسلم منفرد ہین، (تہذیب الکمال ص ۲۰۲) ابن عباس مکثرین حدیث مین ہین اور حفاظ حدیث صحابہ کے زمرۂ اوّل مین انکا شمار ہے، ایسی حالت مین ترک کو اصلی معنون مین لینا اور ابن عباس کو منکرین مین شمار کرنا کہانتک صحیح ہے، باقی ان کا یہ قول کہ تم کو قال رسول اللہ کہتے وقت خوف نہین معلوم ہوتا الخ غیر محتاط راویون

کے متعلق ہے، ظاہر ہے کہ رسول کی جانب حدیث کا غلط انتساب کرنے والا اس سے زیادہ کیے جانے کا مستحق ہے، لیکن اس سے سچے راویون پر کیا اعتراض عائد ہوتا ہے،

امیر معاویہ کے بیان سے بھی صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ بعض غیر محتاط راویون نے رسول کیجانب غلط حدیثین منسوب کرنا شروع کر دی تھین خود امیر معاویہ کا حدیثون سے انکار نہین ثابت ہوتا، اگر وہ نفس حدیث کے منکر ہوتے تو حضرت ام سلمہؓ کے پاس روایت کی تصدیق کیلئے کیون جاتے ہین، یہ تو حدیثون مین اپنے سب سے بڑے حریف حضرت علیؓ سے استفادہ کرتے تھے (موطا امام مالک القضا فیمن، یجد مع امراتہ رجلا) خود انھون نے (۱۳۰) حدیثین روایت کی ہین (تہذیب الکمال ص ۳۸۱) جو دوسرے صحابہ کے مقابلہ کم ہین، اس کا سبب یہ تھا کہ یہ فتح مکہ کے زمانہ مین اسلام لائے اور قبول اسلام کے بعد بھی مکہ ہی مین رہے، اس لئے آنحضرت صلعم کی صحبت کا انھین موقع نہ ملا،

بقیہ حضرت ابن عمر، عبد اللہ بن مسعود اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کے کم روایت کرنے کے واقعات محض اتفاقی ہین، یعنی جن لوگون کا یہ بیان ہے اتفاق سے ان کے سامنے ان بزرگون نے نہ بیان کیا ہوگا، یا ان لوگون کو خود اس دوران مین ان سے سننے کا اتفاق نہ ہوا ہوگا، اسلئے کہ ان بیانات کے باوجود، ابن عمر کی مرویات کی تعداد (۱۶۳۰) ہے ان مین سے (۱۷۰) متفق علیہ ہین اور ۸۱ مین امام بخاری اور ۳۱ مین امام مسلم منفرد ہین (تہذیب الکمال ص ۲۰۷) ابن عباس کی طرح ابن عمر بھی حفاظ حدیث صحابہؓ کے زمرۂ اول یعنی مکثرین حدیث مین ہین، یہ آنحضرت صلعم کے بعد ساٹھ برس تک زندہ رہے، اور اس طویل مدت مین صرف علم و افتا اور حدیث کی خدمت کرتے رہے، (اسد الغابہ تذکرۂ ابن عمر) اسی طرح ابن مسعود کی مرویات کی تعداد (۸۴۸) ہے (تہذیب الکمال ص ۲۰۶) البتہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ مکثرین حدیث مین نہین ہین چنانچہ اون کی مرویات کی تعداد (۲۱۵) ہے، جنمین ۱۵ متفق علیہ ہین اور ۵ مین بخاری اور ۸ مین مسلم منفرد ہین ان بزرگون کے " انکار حدیث " کے ثبوت مین اوپر جو واقعات نقل کئے گئے ہین، یا اس قبیل کے

اور جو واقعات ملتے ہون انکا انتہا احتیاط فی الحدیث کے سوا اور کچھ ثابت نہین ہوتا اور اسکا انکار نہین بلکہ واقعہ ہی،

۵- پانچوین اور سب سے اہم دلیل یہ پیش کیجاتی ہے، کہ حیات نبوی سے لیکر بنی امیہ کے اختتام تک حدیثین نہین لکھی گئین اور اس طویل مدت مین بغیر حدیثون کے مسلمانون کا کام چلتا رہا اس کے بعد جب بنی عباس کا زمانہ آیا اور دنیاوی علوم کیطرف توجہ ہوئی تو حدیثون کے لکھنے کا بھی خیال پیدا ہوا، اس طرح آنحضرت صلعم کی وفات کے دو ڈھائی سو برس بعد حدیث کی موجودہ کتابین لکھی گئی ہین، چنانچہ امام بخاری، مسلم، ابو داؤد، نسائی اور تمام بڑے بڑے محدثین اسی زمانہ مین تھے، اور جو قول رسول آنحضرت صلعم کے دو ڈھائی سو برس بعد لکھا گیا ہو اس پر اعتماد نہین کیا جا سکتا اس لئے حدیثون کا سارا سرمایہ ناقابل اعتبار ہے،

اس دلیل کے دو حصے ہین، ایک یہ کہ حیات نبوی اور خلفائے راشدین اور بنی امیہ کے زمانہ مین حدیثین نہین لکھی گئین، اور یونہی کام چلتا رہا، دوسرا یہ کہ حدیث کی موجودہ کتابین آنحضرت صلعم کی وفات کے دو ڈھائی سو برس بعد لکھی گئین، اس لئے اعتبار کے قابل نہین،

پہلا حصہ تو سراسر غلط اور خلاف واقعہ ہے، ان مین سے بعض اجزاء کی تردید اوپر گذر چکی ہے، اس موقع پر پھر اس پر تفصیلی بحث کیجاتی ہے، اس قسم کا دعوی معترضین کی کوتاہ نظری اور تاریخ حدیث سے ناواقفیت کا ثبوت ہے، واقعہ یہ ہے کہ عہد رسالت، عہد خلفائے راشدین اور عہد بنی امیہ مین سے کوئی ایسا دور نہ تھا جس مین حدیثون کے مجموعے نہ مرتب کئے گئے ہون، یہ دوسرا امر ہے کہ دستبرد زمانہ سے وہ بعینہ محفوظ نہ رہ سکے، ورنہ اس حیثیت مین وہ اب تک محفوظ ہین کہ بعد کی کتب مدونہ مین وہ تمام مجموعے شامل ہوگئے اس لئے گو وہ ممتاز و مستقل صورت مین نہین، مگر موجودہ کتب کے اجزاء بنگئے ہین،

اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے آنحضرت صلعم سے حدیثون کے قلمبند کرنے کی اجازت لے لی تھی، اس اجازت کے بعد انھون نے ایک مجموعہ مرتب کیا تھا جس کو وہ صادقہ کہتے تھے یہ مجموعہ ان کی عزیز ترین متاع تھا مجاہد کا بیان ہے،

عن عبد اللہ بن عمرو قال ما یرغبنی فی الحیوۃ الا " الصادقۃ " والوھط فاما الصادقۃ فصحیفۃ کتبتھا من رسول اللہ صلعم واما الوھط فارض تصدق بھا عمرو بن العاص کان یقوم علیھا (مسند دارمی ص ۶۸)	عبد اللہ بن عمرو بن العاص بیان کرتے تھے کہ مجھے زندگی کی خواہش صرف صادقہ اور وہط کی وجہ سے ہے، صادقہ وہ صحیفہ ہے جسکو مین نے رسول اللہ صلعم سے لکھا اور وہط ایک جاگیر ہے، جسے عمرو بن العاص نے صدقہ کیا ہے جسکے وہ منتظم تھے،

حضرت ابوہریرۃؓ نے اپنی تمام مرویات قلمبند کی تھین، مستدرک حاکم مین فضل بن حسن اپنے والد کا واقعہ بیان کرتے ہین،

قال (حسن بن عمرو) حدثت عن ابی ھریرۃ بحدیث فانکرہ فقلت انی سمعتہ منک قال ان کنت سمعتہ منی فانہ مکتوب عندی فاخذ بیدی الی بیتہ فارانی کتابا من کتبہ من حدیث رسول اللہ صلعم فوجد ذالک الحدیث فقال قد اخبرتک انی ان کنت حدثتک فھو مکتوب عندی (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۱۱)	(حسن بن عمرو) کہتے تھے کہ مین نے ابوہریرہ سے ایک حدیث بیان کی، انھون نے اس سے انکار کیا، مین نے کہا اسکو مین نے تمسے سنا ہے، انھون نے کہا اگر تم نے مجھ سے سنا ہوگا تو وہ میرے پاس لکھی ہوگی اور میرا ہاتھ پکڑ کے اپنے گھر لے گئے، اور مجھکو اپنی حدیث رسول کی کتابون مین سے ایک کتاب دکھائی اسمین وہ حدیث مل گئی، پھر کہا مین نے تم سے پہلے ہی کہدیا تھا کہ اگر مین نے تمسے روایت کی ہوگی تو وہ میرے پاس لکھی ہوگی،

ظن غالب یہ ہے کہ عہد نبوی مین یہ مجموعہ لکھا ہوگا کیونکہ زبان نبوی سے سنکر لکھتے تھے، ورنہ خلفاء کے زمانہ مین تو یقیناً مرتب ہو چکا تھا، اس لیے کہ امیر معاویہ کے زمانہ مین ابوہریرہ کا انتقال ہوا، اور اس سے پہلے وہ لکھ چکے ہون گے،

عہد رسالت کے بعد خلفائے راشدین کے زمانہ مین آئے، خلفائے راشدین مین حضرت علیؓ نے

چند فقہی حدیثین لکھی تھین، اور اس تحریر کو وہ صحیفہ کہتے تھے (بخاری کتاب العلم باب کتابت العلم) باقی خلفاء کے متعلق جہانتک علم ہے انھون نے کوئی باقاعدہ حدیثون کا مجموعہ نہین لکھا لیکن بہت سے فقہی مسائل جو احادیث ہی پر مبنی تھے لکھ کر ممالک اسلامیہ مین شائع کئے، خصوصاً حضرت عمرؓ وقتاً فوقتاً عمال وافسرون کو مذہبی احکام و مسائل لکھ لکھ کر بھیجا کرتے تھے، مثلاً نماز پنجگانہ کی اوقات کی تعیین کے متعلق تمام عمال کو مفصل ہدایت نامہ بھیجا، یہ ہدایت نامہ امام مالک نے بجنسہ موطا مین نقل کیا ہے (دیکھو موطا امام مالک ص ۳ مطبع احمدی دہلی) یا جمع بین الصلوٰتین کی ممانعت کے متعلق تمام ممالک مین تحریری فرمان جاری کیا (موطا امام محمد مطبع مصطفائی ص ۱۲۹) گو یہ احکام حدیث کی شکل مین نہین ہین، لیکن حدیث ہی سے ماخوذ ہین، اس لیے حضرت عمرؓ نے گو حدیثین نہین قلم بند کین، لیکن اس کا منشا اور مقصد قلمبند فرمایا، اور حکم دیا کہ "قیدوا العلم بالکتابۃ" علم کو لکھکر قید کرو (مسند دارمی ص ۶۸) یہ ظاہر ہے کہ اس سے مراد حدیث ہی ہے، اس لئے کہ ان کے زمانہ مین قرآن و حدیث کے علاوہ کوئی علم نہ تھا اور قرآن لکھا جا چکا تھا، اس لیے حدیث ہی کے متعلق یہ حکم ہوسکتا ہے، اس قسم کے اور بہت سے احکام ہین، جنکی تفصیل کا یہ موقعہ نہین، خلفاء کے علاوہ بہت سے صحابہ اور تابعین جنمین سے بہتیرے خلافت راشدہ کے زمانہ مین تھے اور بہتیرے بنی امیہ کے زمانہ مین حدیثون کو قلمبند کرنے کا حکم دیتے تھے اور اپنے تلامذہ کو قلمبند کراتے تھے،

حضرت انسؓ بن مالک اپنے لڑکون سے فرماتے تھے کہ علم (حدیث) کو لکھکر قید کرو، سعید بن جبیر روایت کرتے ہین کہ مین ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے رات کو جو حدیثین سنتا تھا اسکو کجاوہ کی لکڑی مین لکھ لیتا تھا، دوسری روایت مین ہے کہ مین ابن عباسؓ سے جو کچھ سنتا تھا اس کو صحیفہ مین لکھ لیتا تھا، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے مشہور محدث غلام نافع ان کے سامنے ان کی حدیثین لکھا کرتے تھے، آبان حضرت انسؓ سے سنکر ان کے سامنے حدیثین لکھ لیا کرتے تھے، بشیر بن نہیک حضرت ابوہریرہؓ سے حدیثین لکھا کرتے تھے، استفادہ کا زمانہ ختم کرنے کے بعد جب رخصت ہونے لگے تو حدیثون کی کتاب لیکر ابوہریرہؓ

کے پاس آئے اور ان کے سامنے پڑھکر کہا کہ یہ وہ حدیثین ہین جو مین نے آپ سے سنکر لکھی ہین آپ نے اثبات مین جواب دیا، براء کے تلامذہ ان سے حدیثین لکھا کرتے تھے، حضرت امام حسن نے اپنے صاحبزادون بھتیجون کو ہدایت فرمائی تھی کہ تم ابھی بچے ہو ایک دن بڑے ہو گے اس لیے علم سیکھو، اور تم مین سے جو شخص اسکو روایت کرنے اور یاد رکھنے پر قادر نہ ہو اس کو چاہئے کہ لکھکر اپنے گھر مین رکھے، اس قسم کے ایک نہین صدہا واقعات ہین ہم نے صرف چند بطور مثال لکھدیئے تفصیل کے لئے دیکھو مسند دارمی ص ۶۸،

یہ واضح رہے کہ ان مین ابو ہریرہ، ابن عمر، ابن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم بڑے مقتدر صحابی ہین، باقی تابعی ہین، یہ لوگ کتابت حدیث کا حکم دیتے تھے اور لکھاتے تھے، ان مین سے تمام صحابہ خلفاے راشدین کے زمانہ سے لیکر بنی امیہ کے زمانہ تک تھے اور تابعین مین سے کچھ خلافت راشدہ کے آخر کے ہین اور کچھ خالص بنی امیہ کے عہد کے، اس لیے یہ کہنا کہ خلفاے راشدین اور بنی امیہ کے زمانہ مین حدیثین نہین لکھی گئین صحیح نہین ہے، اب خالص اموی دور مین آئیے، مروان امیر معاویہ کے زمانہ مین جبکہ وہ ان کی جانب سے مدینہ کا گورنر تھا، حضرت ابو ہریرہؓ کو بلا کر ان سے حدیثین سنتا تھا اور ان کو قلمبند کراتا تھا (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۰۹ و ۵۱۱) ہشام بن عبد الملک کو جب ضرورت پیش آتی تھی تو محدثون کی طرف رجوع کرتا تھا اور محدثون کے تحریری مجموعون سے اسکی مقصد برآری ہوتی تھی، رجاء بن حیوۃ روایت کرتے ہین کہ امیر ہشام بن عبد الملک نے اپنے ایک عامل کو مجھ سے ایک حدیث پوچھنے کا حکم دیا اگر وہ میرے پاس لکھی ہوئی نہ ہوتی تو مین اسے بھول چکا تھا (مسند دارمی ص ۶۹) ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اموی فرمانروا حدیث نبوی سے بے نیاز نہ رہ سکے اور ان کے زمانہ مین حدیثون کے مجموعے بھی موجود تھے،

جب خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز اموی کا زمانہ آیا تو انھون نے مرکز حدیث مدینۃ الرسول اور تمام ممالک اسلامیہ مین فرمان جاری کر کے حدیثون کے مجموعے مرتب کرائے چنانچہ قاضی ابو بکر محدث کو جو ان کی طرف سے مدینہ کے گورنر تھے لکھا،

انظر ماکان من حدیث رسول اللہ صلعم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث تلاش کرکے
فاکتبہ فانی خفت دروس العلم وذھاب العلماً	ان کو لکھ لو کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے ختم ہو جانے کا
ولا یقبل الا حدیث النبی صلعم (بخاری	خوف ہے، لیکن سوائے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم
کتاب العلم باب کیف یقبض العلم)	کے اور کوئی چیز نہ لکھی جائے،

مسند دارمی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی ابوبکر کے علاوہ تمام اہل مدینہ کے نام یہ حکم صادر ہوا تھا،

عن عبد اللہ بن دینار قال کتب عمر بن عبد العزیز	عبد اللہ بن دینار روایت کرتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز
الی اھل المدینۃ ان انظروا حدیث رسول اللہ	نے اہل مدینہ کو لکھا کہ رسول اللہ صلعم کی حدیثیں
صلعم فاکتبوہ فانی خفت دروس العلم وذھاب	تلاش کرکے لکھو مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے ختم
اھلہ (مسند دارمی ص ۶۸)	ہو جانے کا خوف ہے،

حافظ ابن حجر عسقلانی ابو نعیم کی تاریخ اصفہان کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ

کتب عمر بن عبد العزیز الی الآفاق انظروا	عمر بن عبد العزیز نے تمام دنیائے اسلام میں فرمان
حدیث رسول اللہ صلعم فاجمعوہ (فتح الباری	لکھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں تلاش
ج اول ص ۱۷۴)	کرکے جمع کرو،

غرض تمام دنیائے اسلام سے حدیثیں جمع کرا کے انھیں کل ممالک محروسہ میں شائع کیا چنانچہ جامع بیان العلم

حافظ ابن عبد البر قرطبی میں سعد بن ابراہیم کی یہ روایت ہے،

قال امرنا عمر بن عبد العزیز بجمع السنن فکتبناھا	ہم کو عمر بن عبد العزیز نے احادیث نبوی جمع کرنے کا حکم دیا،
دفتراً دفتراً فبعث الی کل ارض لہ علیھا سلطان دفتراً،	ہمنے اسکے دفتر کے دفتر لکھے، عمر بن عبد العزیز نے جہاں جہاں انکی
(جامع بیان العلم وفضلہ ص ۳۳)	حکومت تھی ایک ایک دفتر بھیجا،

ان تاریخی حقائق کے بعد یہ کہنا کہ خلفائے راشدین اور بنی امیہ کے زمانہ میں حدیثیں نہیں لکھی گئیں کس قدر

ثبوت ہے؟ اس سلسلہ مین یہ دعوی اور بھی زیادہ عجیب اور حیرت انگیز ہے کہ صحاح سے پہلے جو رسول اللہ کے دو ڈھائی سو برس بعد لکھی گئین، حدیثون کا اور کوئی مجموعہ مرتب نہین ہوا، معلوم نہین اس دعوی کے وقت امام ابو حنیفہ المتوفی ۱۵۰ھ امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ کی مسندون اور امام مالک المتوفی ۱۷۹ھ کی موطا کو کیون فراموش کر دیا جاتا ہے، خصوصاً موطا امام مالک جو اپنے پایہ کے لحاظ سے میرے نزدیک صحیحین سے بھی زیادہ بلند مرتبہ ہے، یہ اور بات ہے کہ اسے صحیحین کے جیسا قبول عام حاصل نہ ہوا، ان مین سے مسند احمد بن حنبل کے سوا باقی کل کتابین دوسری صدی کے اندر اندر اور صحاح سے پہلے کی ہین، بلکہ مسند بھی صحاح سے پہلے کی ہے، یہ تمام کتابین کتب فروشون کے یہان عام طور سے ملتی ہین، کوئی نایاب نہین، پھر انھین کیون نظر انداز کر دیا جاتا ہے،

حقیقت یہ ہے کہ صحاح سے بہت پہلے دوسری صدی کے اندر اندر حدیثون کے بہت سے مجموعے مرتب ہو چکے تھے جو دست برد زمانہ سے بالکل معدوم ہو گئے اور اب صرف ان کے نام باقی ہین، بلکہ بہتون کے نام بھی باقی نہین ہین، ابن ندیم نے بہت سے ایسے محدثین کے نام گنائے ہین جنھون نے حدیثین مدون کی تھین، ان مین سے بعض نام یہ ہین:-

سفیان ثوری المتوفی ۱۶۱ھ ابو عبد الرحمن محمد بن عبد الرحمن المتوفی ۱۵۹ھ، عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج المتوفی ۱۵۰ھ زائدہ بن قدامہ ثقفی المتوفی ۱۶۰ھ یا ۱۶۱ھ، محمد بن فضیل بن غزوان ضبی المتوفی ۱۹۵ھ، یحیی بن زکریا بن زائدہ المتوفی ۱۸۳ھ، وکیع بن جراح بن ملیح رواسی المتوفی ۱۹۶ھ، عبد الرحمن بن عمرو المعروف باوزاعی، المتوفی ۱۵۹ھ ولید بن مسلم المتوفی ۱۹۴ھ ہشیم بن بشیر سلمی المتوفی ۱۸۳ھ، عبد اللہ بن مبارک المتوفی ۱۸۱ھ وغیرہم، (دیکھو فہرست ابن ندیم الفن السادس من المقالۃ السادسہ)

ان تمام بزرگون نے فقہی حدیثون کے مجموعے مرتب کئے تھے، جنمین سے آج کسی کا پتہ نہین، یا بہت کم کا پتہ ہے، یہ واضح رہے کہ یہ لوگ دوسری صدی کے ہین، اگر تیسری صدی کے آغاز والون کو بھی لیا جائے

جنکا زمانہ صحاح کے قبل کا ہوگا، تو ان کی تعداد دو چند اور سہ چند ہو جاتی ہے،

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے ایک اہم اور اصولی امر کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے ہم کو حدیث کی کتابت یا عدم کتابت سے بحث ہی نہین، اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے، کہ رسول اللہ صلعم کے زمانہ سے لے کر بنی امیہ کے اختتام تک حدیثین نہین لکھی گئین تب بھی حدیث وسنت کے ناواجب العمل اور ناقابل حجت ہونے پر کوئی اثر نہین پڑتا، اصل شے تواتر عمل ہے، ہم کو دیکھنا یہ چاہئے کہ ان زمانون مین مسلمانون کا عمل کیا تھا، جس چیز پر آنحضرت صلعم کی دہ سالہ مدنی زندگی مین ہزارون صحابہ، پھر خلافت راشدہ کے سی سالہ دور مین ہزارون صحابہ، لاکھون تابعی، پھر بنی امیہ کے صد سالہ دور مین سیکڑون ائمہ اسلام، لاکھون تابعی اور تبع تابعی اور کڑورون مسلمان بلا اختلاف پابندی کے ساتھ عمل کرتے چلے آئے ہین اور آج تک وہ عمل جاری ہے، اسکو ناواجب الطاعۃ اور ناواجب العمل کس طرح کہہ سکتے ہین، صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مذہب، علمائے اسلام بلکہ کسی قابل ذکر مسلمان نے آج تک احکام واعمال نبوی مین فروعی اختلاف کے سوا جو حدیث وسنت ہی سے متفرع تھے، کوئی اصولی اختلاف کیا ہے یا اس کے خلاف عمل پیرا ہوا ہے، اگر کوئی مثال ہو تو پیش کرنی چاہئے ورنہ پھر امت اسلامیہ کے سواد اعظم کے عملی تواتر کو جسمین صحابہ، تابعین، علمائے اسلام اور ائمۂ مذہب سبھی تھے کون رد کر سکتا ہے اور کون عقل اسے تسلیم کر سکتی ہے، ومن انکر فعلیہ البرھان،

سب سے آخر مین یہ سوال باقی رہجاتا ہے کہ حدیث کی جو کتابین رسول اللہ صلعم کے دو ڈھائی صدی بعد لکھی گئی ہون وہ قابل استناد ہو سکتی ہین یا نہین، اور حدیث کی موجودہ متداول کتابین کس حد تک قابل اعتماد ہین، اس پر انشاء اللہ کسی اور موقع پر مفصل بحث کی جائے گی،

حضرت ناصر جنگ شہید
کے
بعض عنایت نامے

از جناب محمد غوث صاحب، (عثمانیہ) حیدرآباد دکن

حضرت مغفرت مآب آصفجاہ اول کے انتقال کے بعد سرزمین دکن مین حضرت مرحوم کی جانشینی کیلئے جو اختلاف پیدا ہوا، اس کے متعلقہ کاغذات اب گویا عنقا ہین، اس عہد کا جو بھی کاغذ فی الوقت دستیاب ہو جائے وہ ایک قیمتی دستاویز ہے، حسن اتفاق کہ اس زمانہ پر آشوب کے بعض اصلی کاغذات قدیم بستون کے ٹٹولنے مین برآمد ہوئے ہین،

سیواجی کے باپ شاہ جی کے حملہ کے بعد سے تنجاور پر مرہٹہ راجاؤن کی حکومت تھی جسوقت حضرت ناصر جنگ شہید مسند آصفی پر متمکن ہوئے اس زمانہ مین راجہ پرتاب سنگھ تنجاور کے حکمران تھے، اس زمانہ مین جنوبی ہند کے راجہ اور نواب سب کو اپنی سلامتی کے لیے آصف جاہی زلہ ربائی ضروری تھی، راجہ پرتاب سنگھ بھی اس سے مستغنی نہین تھے، انھون نے بھی حضرت ناصر جنگ شہید سے اظہار عقیدت کیا اور نذر گذرانی، پیشگاہ شہادت مآب سے بھی الطاف و عنایات کا اظہار ہوا اور عنایت نامے بہ دستخط و مہر خاص نافذ ہوتے رہے، فی الوقت اس قسم کے "گیارہ عنایت نامے پیش نظر ہین، یہ سب اس زمانہ کے حسب دستور افشانی کاغذ پر زیب تحریر پائے ہین، سب کے سرناموں پر "ہو الکریم" درج ہے، اور سب کے سب مزین بہ "بیض خاص" ہین، دو عنایت ناموں پر خط خاص سے بھی کچھ عبارت زیب تحریر فرمائی گئی ہے،

اس زمانہ مین خط اور لفافہ پر تاریخ درج کرنے کا عموماً دستور نہین تھا، کاتب کی مہر صرف لفافہ پر ہوتی تھی، مکتوب الیہ کا نام بھی لفافہ ہی پر درج ہوتا تھا، مراسلہ کاتب و مکتوب الیہ ہر دو کے نام و مہر سے معرا ہوتا تھا، اس لحاظ سے اس زمانہ کے

خطوط و فرامین وغیرہ جب لفافہ کے بغیر ہمدست ہوتے ہین تو کاتب و مکتوب الیہ اور تاریخ کتابت کا پتہ چلانا بہت مشکل ہو جاتا ہے،

پیش نظر عنایت نامون کا بھی یہی حال ہے، بد قسمتی سے اس کے لفافے غالباً مکتوب الیہ ہی کے دفتر مین تلف کر دیئے گئے ہین، البتہ یہ امر باعثِ تشفی ہے کہ لفافون پر جو مہر ثبت ہوتی تھی اسکو علحدہ کرکے ان عنایت نامون کی پشت پر چسپان کر دیا گیا ہے، جو مہر چسپان ہے وہ یون ہے:۔

"نظام الدولہ ۲ ۵ ۱۱"

مزید خوش قسمتی سے ایک عنایت نامہ پر "۱۴ ربیع الاول ۱۱۶۳ھ" بھی مرقوم ہے، سب عنایت نامون کا آغاز " شہامت و جلادت دستگاہا" کے القاب سے ہوا ہے،

بہر حال باوجود صاحب عنایت نامجات کا نام مرقوم ہونے کے یہ امر متحقق ہے کہ یہ عنایت نامے راجہ پرتاپ سنگھ والی تنجاور کو ہی مرحمت ہوئے تھے[۵]

۱۔ ۱۱۵۹ھ مین اعلحضرت مغفرت مآب آصفجاہ اوّل نے حضرت ناصر جنگ کو میسور کی جانب روانہ فرمایا تھا،

---

[۵] تنجاور سے سرسری واقفیت حاصل کرنے کے لیے، کے۔ آر سبرامنین صاحب ایم اے (مدراس) کا ایک انگریزی رسالہ موسوم بہ "مرہٹہ راجاز آف تنجور" بہت مفید ہے،

ان عنایت نامون پر نوٹ لکھنے مین حسب ذیل کتب سے مدد لی گئی ہے،

۱۔ تحفۃ الاخبار، ۲۔ توزک والاجاہی، ۳۔ توزک آصفیہ، ۴۔ گلزار آصفیہ۔ ۵ مآثر الامرا، ۶۔ مرقع دکن اور ۷۔ تاریخ ہندوستان تالیف تھامسن صاحب (انگریزی)

ان مین سے تحفۃ الاخبار اور توزک والاجاہی کرناٹک کی تاریخ پر مشتمل ہین، دونون تاحال غیر مطبوع ہین، ان کا ایک ایک نسخہ حیدرآباد مین دفتر دیوانی و مال وغیرہ کے بیش قیمت کتب خانے مین فراہم کیا گیا ہے، یہ دونون کتابین ایک مستقل مضمون کی محتاج ہین،

توزک آصفیہ اور گلزار آصفیہ حیدرآباد کی تاریخ پر مشتمل ہین، دونون کتابین طبع ہو گئی ہین،

تاکہ میسور کے راجہ سے پیشکش وصول کیجائے، چنانچہ سری رنگ پٹن میں پہنچکر پیشکش وصول فرمائی گئی اور بعد ازان جانب اورنگ آباد مراجعت عمل میں آئی[۱]، معلوم ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل عنایت نامہ نواح میسور ہی سے راجہ پرتاب سنگھ کے نام پر نافذ ہوا،

" مبالغ خطیر من جملہ پیشکش بذمہ آن جلادت دستگاہ باقیست، نظر برین معنی عزم مصمم داشتیم کہ بحول وقوۃ الہی بعد انفراغ معاملت سری رنگ پٹن متوجہ تعلقہ آن جلادت دستگاہ شویم لیکن چون درین روزہا شہامت پناہ محمد محفوظ خان[۲] بحضور رسیدہ ملازمت نمود وکیفیت برآوردن اناسنگیا و مستقیم بودن آن جلادت دستگاہ برجادۂ اطاعت وفکر سبیل زر پیشکش بعرض رسانید لہذا در توجہ ان طرفہا توقف فرمودیم وعقیدت شعار خوجہ امید راکہ از فدویان معتمد ست فرستادیم، می باید کہ زر باقی پیشکش را مع نیاز معقول برلے ما معرفت شہامت پناہ انورالدین خان[۳] بہادر ارسال نمایند والا فوج ظفر موج تعلقہ خود رسیدہ دانند، بعض ارشادات از نوشتہ شہامت پناہ محمد محفوظ خان بہادر معلوم خواہد شد"۔

۲ - ذیل میں جو عنایت نامہ نقل کیا جاتا ہے وہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ حکمرانی سے پہلے کا ہے، ممکن ہے کہ یہ عنایت نامہ پہلی فرانسیسی جنگ کے سلسلہ میں صادر ہوا ہو[۴]،

" وکلائے انگریزان بحضور رسیدہ تعدی فرانسیسان بعرض رسانیدند چنانچہ درباب معاونت انہا بہ شہامت مرتبت انورالدین خان بہادر از حضور بندگان حضرت[۵] وازین جا تاکید رفتہ، باید در امداد و اعانت انگریزان پرداختہ نگذارند کہ احدے از تعلقہ داران بادشاہی رسد غلہ وسرت و باروت وغیرہ بہ مردم پھول چری کہ مصدر شورش وفساد اندرساند درین باب تاکید بکار باید برد"

[۱] مآثر الامرا جلد سوم صفحہ ۸۵۰ - سری رنگ پٹن حسب بیان مآثر الامرا اس زمانہ میں راجگان میسور کا دار الامارہ تھا، [۲] نواب محمد علی خان والاجاہ کے بھائی، [۳] نواب محمد علی خان والاجاہ کے والد جنکو حضرت آصفجاہ نے اس نواح کی نظامت پر مامور کیا تھا [۴] اسکی تفصیل مضمون مندرجہ مجلہ عثمانیہ نمبر ۲ و ۳ جلد چار میں ہو چکی ہے۔ [۵] غالباً حضرت آصفجاہ اول مراد ہین ۔

۳- حضرت آصفجاہ مغفرت مآب کی وفات کے بعد نواب ناصر جنگ شہید مسند پدری پر رونق بخش ہوئے، اس موقع پر راجہ پرتاب سنگھ نے بھی اظہار عقیدت کرکے ۴۲ اشرفی نذر گذرانی اور عرضداشت پیش کی، شہادت مآب کی بارگاہ سے قبولیت نذر اور عرضداشت مرسلہ کا جو جواب مرحمت ہوا وہ یہ ہے،

"خط مرسل با چہل و دو اشرفی نیاز رسید و موجب سرور خاطر گردید، بہ مقتضائے خلوص ارادت و رسوخ عقیدت تردد داشتے کہ از ان جلالت دستگاہ ظہور نمودہ شایان تحسین و آفرین است، بنصرو تائید الٰہی اصلاح و انتظام امور و مہام ان حدود مکنون خاطر است و عنقریب از قوۃ بہ فعل می آید، آن شہامت پناہ مترصد ظہور این لطیفہ غیبی بودہ بیش از بیش مراسم دولت خواہی راکہ مسلک قویم اطاعت و انقیاد است بتقدیم رسانیدہ بہمین آئین نویسان حالات باشند، زیادہ چہ نوشتہ شود"

۴- ۱۱۶۱ھ میں حضرت مغفرت مآب آصف جاہ اول نے جان عزیز جان آفرین کے سپرد کی اور فتنہ و فساد کا ایک نیا عالم وجود میں آگیا، سرزمین دکن جنگ و جدل اور دغا و فریب کے شرمناک اور دردانگیز مناظر کی تماشہ گاہ بنگئی، سارے دکن میں باہمی نزاعوں کا ایک نہایت پرپیچ جال بچھ گیا، قحط الرجال کی جو شکایت شاہ نمدہ کان کو تھی وہ اب عالمگیر ہو چکی تھی، خودسری کے تخیل کی ہمہ گیری تھی، درست ہے کہ اس وقت بھی بقیۃ السیف مشرقی ارباب دانش و بینش حالات کی نزاکت سے سہمے جا رہے تھے لیکن ان کے ہاتھ اس قدر قوی نہیں تھے کہ آنے والے طوفان کو روک دیتے اور جن افراد میں اس افراتفری کے فرو کرنے کی قوت تھی وہ تیغ و تفنگ کے شکار ہو گئے

بہرحال حضرت مغفرت مآب کے جانشین شہادت مآب ناصر جنگ کے برخلاف آپکے ہمشیرزادہ حافظ ہدایت محی الدین خان مظفر جنگ صوبہ دار بیجاپور نے علم بغاوت بلند کیا، اور نواب انور الدین خان شہید سے قبل نظامت ارکاٹ جس خاندان میں چلی آتی تھی اس کے ایک رکن نواب حسین دوست خان چندا صاحب کو صوبہ داری کرناٹک کے دعوی کی سوجھی، نواب انور الدین خان شہید اسوقت دربار آصفی کے مقرر کردہ صوبہ دار کرناٹک تھے انھوں نے نواب مظفر جنگ کو اپنے دعوی سے باز آجانے کی نہایت اخلاص سے بہت ترغیب دی، نواب

انورالدین خان کو ان کے پاک اور نیک[1] دون مین تقریباً پوری کامیابی حاصل ہو چکی تھی، نواب مظفر جنگ نے اپنی ناز یبا حرکت سے تائب ہو جانے کا ارادہ کر ہی لیا تھا کہ فرانسیسی ڈپلومیسی بازی لے گئی، بقول صاحب "تحفۃ الاخبار" نواب مظفر جنگ کی اطلاع کے بغیر لشکر انوری پر بے خبری مین دھاوا بول دیا گیا، اس تہلکہ مین دکن کے لیے حضرت مغفرت مآب کے انتقال کے بعد دوسری مصیبت یہ آئی کہ نواب انورالدین خان بھی شہید کر دیئے گئے، (۱۱۶۲ھ)

اب نواب مظفر جنگ کے ساتھ جیتنے والے ارکاٹ مین داخل ہوئے اور نواب مظفر جنگ کو مسند الحقی کا وارث ٹھہرایا، نواب محمد علی خان والاجاہ بہادر اس وقت ترچنا پلی مین مقیم تھے، اُن کے والد نواب انورالدین خان شہید نے ان کو ان اضلاع کا انتظام سپرد کیا تھا، نواب والاجاہ بہادر نے نواب مظفر الملک کی حکومت تسلیم نہین کی اور حضرت ناصر جنگ شہید کو حالات سے مطلع کیا، اس وقت راجہ پرتاب سنگھ کے نام پر جو عنایت نامہ صادر ہوا وہ یہ ہے،

"بے ہدایت شقی[1] از برگشتگی طالع طریق بغی نمودہ با انبوہ اوباش در الکہ کرناٹک[2] انتشار دارد لہذا موکب منصور بہم عنانی عساکر نصرت و تائید ربانی عنقریب متوجہ ان سمت[2] میشود و باغی شقی[3] علف صمصام انتقام بہادران نصرت آئین میگردد، بہمہ جہت مستقل بودہ با بسالت دستگاہ محمد علی خان[4] از صمیم قلب شرایط موافقت و مرافقت بجا آرند و رفیق و شریک ترددات باشند و این معنی طرا باعث افزائش توجہ خاطر و مثمر نتائج شناسند، زیادہ چہ نوشتہ شود"

ارکاٹ مین چند دن قیام کر کے نواب مظفر جنگ پانڈی چری کیجانب روانہ ہوئے، وہان نواب حسین دوست خان چندا صاحب[5] اور ڈوپلے کی مشورت سے طے ہوا کہ فی الوقت نواب والاجاہ بہادر سے مقابلہ نادرست ہے، ان کا مقابلہ نہایت سخت ہوگا، اس کے لیے معقول رقم کی ضرورت ہے، لہذا تنجاور پر تاخت کرنی چاہیے کہ مال و دولت کے حصول کی بڑی توقع ہے، تنجاور پر یورش عمل مین آئی، معلوم ہوتا ہے کہ راجہ

[1] حافظ ہدایت محی الدین خان مظفر جنگ مراد ہین، [2] ملک کرناٹک مراد ہے [3] نواب مظفر جنگ مراد ہین [4] نواب والاجاہ بہادر مراد ہین
[5] دیکھو بقیہ حاشیہ بر ص ۴۵۲،

اطلاع پیشگاہ شہادت مآب میں عرض کیگئی، جو جواب شرف صدور پایا وہ اس طرح ہے:۔

"خط مرسل متضمن آوارگی باغی شقی[1] در نواح تنجاور و حرکات سفیہانہ باغوائے چندلے ادبار

ھیب شریرے[2] پر و محاصرہ قلعہ و استقلال آن شہامت پناہ رسید و مضامین بوضوح انجامید

بنصرو تائید بست و پنجم شہر صفر ختم بالخیر و الظفر سواد مدگری (؟) مخیم جاہ و جلال گردید و فوج

جرار خونخوار مرہٹہ برسم منقلا تعین شد کہ پاشنہ کوب بسرو قت اشقیا رسیدہ علف تیغ انتقام نمائند

و موکب منصور نیز جلو ریز عنقریب رسیدہ، بقیۃ السیف را قتل و اسیر می کند و ساحت ان ملک

از لوث شرارت باغی شقی پاک میشود، ان شہامت پناہ باستقلال تمام سرگرم مدافعہ سفہا بود

لشکر ظفر اثر را ہم عنانی تائیدات الٰہی رسیدہ دانند زیادہ چہ نوشتہ شود"۔

۶۔ شہادت مآب نے بغاوت کے سدباب کے لیے خود بنفس نفیس جانب کرناٹک عزیمت فرمائی

تھی، عنایت نامہ نمبر ۵ اثنائے راہ ہی سے مرحمت ہوا ہے، اس اثنا میں مخالفوں کی جدوجہد اپنے پورے شباب

پر تھی، غالباً راجہ پرتاب سنگھ نے وقت بوقت حالات سے مطلع کرنے کا التزام رکھا تھا،

معلوم ہوتا ہے کہ تنجاور پر جو یورش کیگئی تھی اسمیں نواب مظفر جنگ کو کامیابی نہیں ہوئی، اس کی

اطلاع عرض کیگئی تو ارشاد ہوا کہ

"الحمد للہ و المنۃ باغی شقی[3] آوارۂ دشت ادبار شد و اطمینان کلی از فتنہ او و امنیت تام دران

حدود بحصول پیوست لہذا بہ شہامت پناہ انوالدین خان[4] نوشتیم، کہ خود را بحضور رساند از آنجا

کہ خان مذبور بکرات اثبات حقوق بران جلادت پناہ نمودہ و شرائط امداد و اعانت بجا آوردہ

---

[1] نواب مظفر جنگ نے ان کو صوبہ داری کرناٹک پر مامور کردیا تھا لیکن نواب والا جاہ بہادر نے ان کی صوبہ داری چلنے نہیں دی، [2] نواب مظفر جنگ مراد ہیں، [3] نواب حسین دوست خان چندا صاحب سے مراد ہیں، [4] غالباً نواب مظفر جنگ مراد ہیں، [5] نواب محمد علی خان والا جاہ بہادر مراد ہیں،

وبہمہ جہت مدد و معاون بودہ وحق اینست کہ بہ تقویت خان مذکور ازین بلاے مبرم محفوظ و مصون ماندہ اید[1]، باید خود را بلا توقف ہمراہ خان مذکور بحضور رسانیدہ در قتل و اسر باغیان ظلمت سرشت شقی مصدر ترددات نمایان شوند و رسد غلہ متصل وپیہم بار دوے معلی می فرستادہ باشند درین باب تاکید دانند زیادہ چہ نوشتہ شود"۔

۷۔ جانب دکن عزیمت عمل مین آنے کے بعد اثنائے راہ سے جو عنایت نامے صادر ہوتے رہے اُن کے منجملہ ایک عنایت نامہ یہ ہے:۔

"عرضہ داشت متضمن ارادہاے فاسد و حرکات لغو بے ہدایت ادبار نصیب[2] رسید و مضامین مفصل بوضوح انجامید، باغی ظلمت سرشت با اعوان و انصار عنقریب قتیل و اسیر میشود و عرصہ کرناٹک از لوث فتنہ او منزہ و مطہر می گردد و تقدیم لوازم رفاقت شہامت پناہ انورالدین خان[3] کہ فی الجملہ شاہد عدل است بر خلوص عقیدت و فدویت باعث افزونی توجہ خاطر ما بحال ان جلادت دستگاہ شد، وفاق و اتفاق با فدویان ارادت سرشت ما ہمہ وقت مفید است بہ تخصیص در اوقات فتنہ و آمادہ شدن اسباب فساد فواید کلی دارد و مثمر حفظ و حراست ملک و منتج صیانت مال خلائق است بعون و صون الٰہی ہفتم شہر محرم الحرام از دریائے کشنا[4] و شانزدہم از نم بہدرا[5] عبور عساکر فیروزی مآثر بہم عنانی جنود بخشندہ تائیدات ربانی قرین فرح و فیروزی دست بہم داد و بحول اللہ و قوتہ عنقریب بیان حدود رسیدہ میشود و باغیان بدہنر مقہور مخذول و مستاصل می شوند، زیادہ چہ نوشتہ شود"

۸۔ اسی سلسلہ کا ایک دوسرا عنایت نامہ یہ ہے:۔

"بنصرت و تائید الٰہی موکب منصور بارادہ تنبیہ باغیان قریب رسیدہ باید آن شہامت پناہ با جمعیت

---

[1] راجہ نے نواب محمد علی خان سے مدد مانگی تھی، انھون نے امدادی فوج روانہ کی، فوج کی آمد آمد سنکر مخالفین کو منتشر ہو جانے کے سوا دوسرا کوئی چارہ نہین تھا، [2] یہان بھی غالباً نواب مظفر جنگ مراد ہین [3] نواب محمد علی خان والا جاہ بہادر [4] دریائے کرشنا [5] دریائے تنگ بھدرا

شایستہ خود را بحضور رسانیدہ در قتل و اسر فرقہ ادبار نصیب مصدر تردّدات نمایان شوند، دوازدہم

شہر ربیع الاول ۱۱۶۳ھ قلمی شد"

۹۔ اسی مضمون کا ایک اور عنایت نامہ بشرح دستخط خاص صادر ہوا:۔

"بنصرت و تائید الٰہی موکب منصور بارادہ تنبیہ باغیان قریب رسیدہ بایدان شہامت پناہ با جمعیت

شایستہ خود را بحضور رسانیدہ در قتل و اسر فرقہ ادبار نصیب مصدر تردّدات نمایان شوند، زیادہ

چہ نوشتہ شود"

شرح دستخط خاص[1]:۔

"شنیدہ شد تا حال اشقیا ہمانجا بامید ادبار اند، افواج قاہرہ و سرداران نامی عنقریب می رسند

خود بخود اشقیا خود را گرفتار وبال و نکال کردہ اند، در صورتے کہ ہمانجا ہستند و فوج منقلا برسد آنہا را

جائے گریز ہم نمی ماند، دریں وقت استقلال از دست ندہند، ہمین کہ فوج منقلا محمد علی خان کہ ملقب

بہ انور الدین خان شدہ یقین کہ شریک فوج منقلا خواہد شد، از چار طرف اشقیا را درمیان گرفتہ قسمے

تنگ باید کرد کہ از جان بتنگ آیند، دریں صورت گروہ نکبت پژوہ آنہا پراگندہ میشود و تاہم بالشکر

قیامت اثر بسر وقت آنہا می رسیم بحول و قوت الٰہی"

۱۰۔ شہادت مآب کے کرناٹک مین تشریف فرمائی کے بعد جو ماجرا گذرا وہ مختصراً یہ ہے کہ لشکر آصفی کیا

آیا، فتنہ و فساد کی جڑ کاٹ دیگئی، فرانسیسی فوج اپنے سب عہد و پیمان بھول گئی، میدان سے بھاگ کھڑی ہوئی

نواب مظفر جنگ تنہا چھوڑ دیئے گئے، نواب حسین دوست خان چندا صاحب بھی چل کھڑے ہوئے، بالآخر نواب

مظفر جنگ گرفتار اور پیشگاہ شہادت مآب مین حاضر کئے گئے، نواب مظفر جنگ کی جان بخشی عمل مین آئی، نواب

والاجاہ کو ربیع الثانی ۱۱۶۲ھ مین نظامت ارکاٹ پر سرفراز کیا گیا اور اس خصوص مین جو فرمان دہلی سے شرف

---

[1] جس عنایت نامہ وغیرہ پر بعد صیغہ جو عبارت بخط خاص ہوتی ہے اسکو "شرح دستخط خاص" کہا جاتا ہے۔

نفاذ پایا تھا وہ ان کو عطا کیا گیا،

باوجود اپنی بے سروسامانی کے اعداء اپنی دھن مین لگے رہے، فرانسیسی سازشین برابر کام کرتی رہین تا آنکہ خبر آئی کہ قلعہ نصرت گڈھ بھی مخالفون کے قبضہ مین آگیا، غالبًا یہ خبر سماعت فرما کر جو عنایت نامہ نافذ فرمایا گیا وہ یہ ہے:

"خط مرسل رسید و مضامین مفصل بوضوح انجامید باوصف بودن ہمچو قلعہ مستحکم و بکاثر جمعیت و توافرِ مصالح و ادواتِ حرب و علاوہ ان از صولت وسطوت انی ائی افواج ظفر امواج مضطرب و سراسیمہ شدن باغی شقی و تطرق تفرقہ و انتشار در انبوہ نکبت پژدہ او و عجالتًا تعین فوج منقلا بکومک و اعانت شما دبر سر رسیدن فوج مذبور تاب مقاومت نیاوردہ استدعاے مصالحہ و قبول زر باعث تعجب شد، مثلیست مشہور کہ قلعہ اگر از کاغذ و حارسش زن و حربہ اش سوزن باشد تا شش ماہ میتواند قائم داشت فائدہ زر دادن چہ شد کہ یکے این کہ آنہا قابو یافتہ باز ہنگامہ پیکار گرم کردند مار ارسیدہ دانند و بمدافعہ پرداز ند، زیادہ چہ نوشتہ شود"

شرحِ دستخط خاص :-

عنقریب بحول و قوۃ قوی مطلق لشکر قیامت اثر بر سر وقت باغیان ظالم می رسد، دست وپا . . . . . . نباید کرد، اما استقلال باید بود"

یہ امر ہنوز تحقیق طلب ہے، کہ راجہ پرتاب سنگھ نے اس وقت تائید و اعانت کے کیا مراتب انجام دیئے، اس وقت جو مواد پیش نظر ہے، اس سے یہ مشکل حل نہین ہو سکی ہے، اس لحاظ سے یہ بالتحقیق نہین کہا جا سکتا کہ یہ عتاب کس قلعہ کی سپردگی سے صادر ہوا، ممکن ہے کہ راجہ پرتاب سنگھ کو قلعہ نصرت گڈھ کی حفاظت پر مامور فرمایا گیا ہو،

"وامق وعذرا،"

از

جناب نبی احمد خان صاحب شاد، رجسٹرار کتب خانہ رام پور،

داستان وامق وعذرا، فارسی زبان کا ایک قدیم مشہور قصہ ہے، جسکی اصل و منشا مین شدید اختلاف ہے، بعض لوگون نے اسکو ویس ورامین کی طرح قدیم ایرانی زبان کا قصہ تصور کیا ہے، چنانچہ دولت شاہ سمرقندی اپنے تذکرہ مین لکھتا ہے کہ ایک روز امیر عبداللہ بن طاہر والی خراسان، نیشاپور مین مقیم تھا کہ ایک شخص نے ایک کتاب پیش کی، امیر نے پوچھا کہ کیا کتاب ہے ؟ جواب دیا کہ قصۂ وامق وعذرا، جسکو حکمانے نوشیروان کے لئے ترتیب دیا تھا الخ، بعض لوگ اسکو لیلی مجنون کی طرح عربی داستان خیال کرتے ہین، چنانچہ ابن ندیم اپنی فہرست مین لکھتا ہے، کہ سب سے پہلے قصۂ وامق وعذرا، کو سہل بن ہارون نے تالیف کیا،

تیسرے گروہ کا گمان ہے کہ سلامان وابسال و یوسف زلیخا کی طرح یہ کتاب ملل اجنبیہ سے اقتباس کی گئی ہے، اور اصلاً یہ کتاب یونانی زبان مین تھی، جیسا کہ مجمل التواریخ مین تحریر ہے، کہ داراب بن داراب کے عہد مین پہلی مرتبہ یہ کتاب ملک یونان مین تالیف ہوئی، عنصری کی مثنوی کے اعلام واسماء سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے، کہ اوس کی اصل یونانی زبان مین تھی، اور لفظ وامق وعذرا بھی یونانی زبان کے عاشق ومعشوق کا ترجمہ ہے،

وامق وعذرا کی شخصیت مین بھی سخت اختلاف ہے، اور کوئی دو روایتین بھی باہم متحد نہین ملتین، جیسا کہ ہر مثنوی کے تحت مین ظاہر کیا جائیگا، حمداللہ مستوفی نے اپنی مشہور تالیف گزیدہ[1] مین اون کو اسکندر اکبر کا ہم عہد لکھا ہے،

وامق وعذرا، پر اب تک تقریباً سیکڑون کتابین تالیف ہو چکی ہین، اور ان کے حالات محبت پر ہر زبان مین کچھ نہ کچھ لکھا جا چکا ہے

[1] تاریخ گزیدہ مطبوعہ لندن ج ا ص ۱۰۰

لیکن یہ بات حد تواتر تک پہنچ چکی ہے، کہ زبان فارسی مین سب سے پہلے جس شخص نے اس قصہ کو نظم کیا، وہ ابوالقاسم عنصری المتوفی ۴۳۱ھ تھا، عنصری نے چوتھی صدی ہجری کے آخر یا پانچوین کی شروع مین اوس کو مثنوی کے قالب مین ڈھالا، لیکن افسوس کہ یہ مثنوی آج دنیا سے ناپید ہے، بعض اہل لغات نے اس کے کچھ اشعار بطور شواہد اپنی فرہنگون مین نقل کیے ہین، جن سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ مثنوی بحر متقارب مین تھی، جو اشعار دستیاب ہوسکے، وہ یہان نمونہ کے طور پر لکھے جاتے ہین :-

جزیرہ یکے بد بیونان زمین ‏ کرونیس[1] بُد نام شہر گزین

کہ مکذ بطیس[2] آن جا نگہ داشتے ‏ بشاہی درا و تخت گہ داشتے

یکے دوستش بود ترقان نام ‏ بسے آزمودہ بسا کام کام

یفرمود تا آشنتاقی[3] بگاہ ‏ بیاید بنزدیک رخشندہ ماہ

ابا دتیرکان اندوامق بجنگ ‏ نہ روے گریز و نہ راے درنگ

بافرنجہ[4] افراطس نامدار ‏ یکے پادشاہے بدے ہوشیار

فلاطوس[5] برگشت و آمد زراہ ‏ بر چہرۂ وامق نیک خواہ

دل و مخیوسش[6] بشد باشکیب ‏ کہ در کار عذرا چہ ساز د فریب

بدوجست عذرا چو شیر نژند ‏ بر دوست و چشم[7] ادانوس کمند

بشد از پس رنجہاے دراز ‏ بیک جا جزیرہ رسیدند باز

کجا نام او بود طرطانیوش[8] ‏ درو پادشا نام او تو گیوش

زدریا بخشکے برون آمد ‏ زبر بر سوے زلیفتون[9] آمدند[10]

---

[1] کرونیس ایک جزیرہ کا نام ہے، وامق یہین کا رہنے والا تھا، [2] مکذ بطیس یا مکذ بطیس وامق کے باپ کا نام ہے، [3] نام خسرو امق [4] افرنجہ ایک شہر کا نام ہے، جہان کی والدہ عذرا رہنے والی تھی، [5] فلاس نام استاد وامق [6] ایک تاجر کا نام ہے، جس نے عذرا کو منقلوس کے پاس سے چرا کر آزاد کیا تھا، [7] نام قاصد اندر دلش [8] نام جزیرہ [9] نام شہر

[10] مندرجہ بالا اشعار مختلف مواقع کے ہین، ناظرین اس کو ترتیب خیال نہ فرمائین،

عنصری کے بعد اس کے ہم عہد شاعر ابوریحان بیرونی المتوفی ۴۴۰ھ نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا جیسا کہ وہ خود اپنے مصنفات کی فہرست میں ذکر کرتا ہے، بیرونی کے بعد سلطان سلیمان ثانی کے عہد میں محمود بن عثمان لامعی متوفی ۹۳۸ھ نے اس قصہ کو ترکی زبان میں نظم کیا، اگرچہ لامعی سے پہلے بھی ایک شخص اس کو ترکی میں ترجمہ کر چکا تھا، لیکن وہ ترجمہ منثور تھا۔ لامعی کی مثنوی کا ایک نسخہ کتب خانہ چلبی (استامبول) میں محفوظ ہے، ترکی زبان میں ان کے علاوہ سُعدی نے بھی ایک خمسہ ترتیب دیا جس کا ایک عنصر مثنوی وامق وعذرا بھی تھی،

زبان فارسی میں عنصری کے بعد ملا فصیحی[1] جرجانی نے پانچویں صدی ہجری میں اس قصہ کو نظم کیا، دولت شاہ سمرقندی کے بیان کے مطابق مندرجہ ذیل شعر اسی کا ہے:-

چہ فرخ وجودے کہ از ہمتش
بمیرد بہ پائے ولی نعمتش

اس مثنوی کا بھی کوئی نسخہ آج تک نظر سے نہیں گذرا،

فرہنگ[2] مشاہیر شرق میں لکھا ہے کہ امیر فرخاری نے بھی جو کیکاؤس سلجوقی کے عہد کا شاعر ہے، قصۂ وامق وعذرا کو نظم کیا تھا، دسویں صدی ہجری میں ضمیری اصفہانی، شعیب جوشقانی، اور اسیری تربتی نے اس داستان کو منظوم کیا، جن میں سے صرف اسیری کی مثنوی کا کتب خانہ فاتح (ایران) میں پتہ چلتا ہے، یہ مثنوی ۹۵۵ھ کی تصنیف ہے، نظامی کی شیرین خسرو کی بحر میں ہے، اس کا وامق قاآنشاہ ساسانی والی سرحد خطا کا فرزند ہے،

اس کے بعد عہد اکبری میں مولانا صلحی نے ایک مثنوی لکھی جس کا ایک نادر اور تصنیف سے قریب تر زمانہ کا لکھا ہوا نسخہ کتاب خانہ رامپور میں موجود ہے، آغاز اس بیت سے ہوا ہے:-

خداوندا درے از وصل بکشا | زفرعم رہ بسوئے اصل بنما

---

[1] فصیحی امیر عنصر المعالی کیکاؤس بن قابوس کے عہد کا مشہور شاعر ہے، [2] (Dictionary Bigraphy (oriental

جلال الدین محمد اکبر کے نام پر معنون ہے، سنہ تصنیف کے متعلق کتاب سے کوئی صریح شہادت دستیاب نہیں ہوئی، عرفی[1]

پر شاہزادہ دانیال کے متعلق لکھا ہے کہ "گل نورستہ گلزار خوبی"

شہزادہ دانیال کی ولادت ۹۷۹ھ میں ہوئی، لہذا اس کو بھی اس کے قریب ہی کی تصنیف ہونا چاہئے، صلحی ایک جگہ

لکھتے ہیں کہ اس داستان کو مجھ سے پہلے کسی شخص نے نظم نہیں کیا، (یاللعجب)

اس مثنوی کا وامق شاہ عرب کا فرزند اور عذرا شاہ کشمیر کی نورنظر تھی، صفحہ ۲۲ پر اپنا وطن خراسان بتاتا ہے،

صلحی کے بعد شیخ صرفی نے اسی بحر میں ایک مثنوی ترتیب دی جس کا ایک خوشخط با تصویر نسخہ کتاب خانہ رامپور میں

محفوظ ہے، آغاز اس بیت سے ہوا ہے،

خداوندا حجاب از پیش بکشا،
بمشتاقان جمال خویش بنما،

سنہ تصنیف کے متعلق لکھتا ہے:-

بچشم شیخ صرفی دید لائق — کہ تاریخش بود معشوق و عاشق
(۹۹۳)

اس مثنوی کا وامق شاہ یمن کا شہزادہ اور عذرا شاہ استغار کی شہزادی تھی،

اس کے بعد مولانا قتیلی نے ابراہیم خان پسر جہانگیر بادشاہ کے حکم سے اس داستان کو لیلی مجنون کی بحر میں نظم کیا، اشعار

کی تعداد تقریباً چھ ہزار ہے، ابتدا اس شعر سے ہوئی ہے:-

اے نام خوش تو ورد لبہاست — دریا و توہست ہر چہ پیدا ست،

جہانگیر کے نام پر معنون ہے، شاعر نے اس مثنوی میں بھی دعوی کیا ہے، کہ مجھ سے پہلے کسی شخص نے وامق وعذرا کے

حالات محبت نظم نہیں کئے، اس مثنوی کا بھی ایک نایاب خوشخط با تصویر نسخہ کتب خانہ رامپور میں محفوظ ہے، اس کا وامق

ایک یمنی سردار کا فرزند اور عذرا شاہ حجاز کی دختر ہے، جس کا سلسلہ نسب کیانیان تک پہنچتا ہے،

شاہ سلیمان صفوی کے زمانہ میں ظہیر اصفہانی نے ایک مثنوی لکھی، ظہیر کو چونکہ فن رمل، نجوم، اور موسیقی سے خاص طور پر دلچسپی

تھی، اس لئے اوس نے اپنی مثنوی مین ان علوم کی اکثر اصطلاحات صرف کی ہین،

بارہوین صدی ہجری مین بعہد کریم خان زند مرزا محمد صادق نامی نے ایک خمسہ تیار کیا جسکی ایک کڑی مثنوی وامق و عذرا بھی تھی، اس مثنوی کی ابتدا اس شعر سے ہوئی ہے،

کردہ احسانے بقدر پایہ اش
دادہ از ہوش و خرد پیرایہ اش

اس داستان کا وامق شاہ یمن کا شہزادہ اور عذرا ایک خیمہ نشین دوشیزہ تھی، داستان کا خاتمہ اس طور پر کیا ہے،

چون بہ پیوستند باہم آن دو یار — آتش دل شعلہ ناگہ برفروخت
نیک تنگ گرفتند ہم را در کنار — پیکر زیبائے آن ہر دو بسوخت

اس مثنوی کا ایک نسخہ برٹش میوزیم لندن مین پایا جاتا ہے،

ناصر اصفہانی نے بھی ایک مثنوی اس نام سے نظم کی ہے، ابتدا:-

بنام تازگی بخش بیانہا — نزاکت بخش آثار زبانہا

ص ۲۴۲ پر لکھا ہے کہ میرزا نام ناصر ہے، مین اصفہان کا رہنے والا ہون، سنہ تصنیف وغیرہ معلوم نہیں ہوا، اس مثنوی کا ایک نسخہ رامپور لائبریری مین موجود ہے، اس مثنوی کا وامق ابطحش بادشاہ خورستان کا فرزند اور عذرا امشک بن دارا شاہ معرب کی شاہزادی ہے،

یہ مثنوی ۱۸۸۹ء مین لکھنؤ مین طبع ہو چکی ہے،

مولوی مظفر حسین صبا نے تذکرہ روز روشن ص ۵۵ مین لکھا ہے، کہ ملا محمد علی استرآبادی قسمتی نے بھی مثنوی وامق وعذرا تصنیف کی ہے،

علاوہ ان کے حاجی محمد حسین قزوینی نے ایک ستہ ترتیب دیا جسمین وامق وعذرا بھی تھی،

اودھ کٹیلاگ کے ص ۵۲۲ پر کمال الدین حسین کی بھی ایک مثنوی درج ہے،

مرزا ابراہیم نے بھی اس قصہ کو تالیف کیا ہے، جس کا ایک نسخہ برلن لائبریری مین موجود ہے،

نظامی گنجوی کی قبر

از قاضی احمد میان اختر، جوناگڑھی

ایران کے سرآمد شعراء حضرت شیخ نظامی گنجوی شہر گنجہ مین پیدا ہوئے، اور وہین مدفون ہوئے، انھون نے سکندرنامہ مین یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ انکی قبر نیکون کی زیارت گاہ ہو:- ؎

نگویم بد اندیش را نیز بد　　　کزان گفتہ باشم بداندیش خود

بدین نیکی آرند بر من فزود　　　زنیکان وازنیکنامان درود

وزین حال گر نیز گردان شوم　　　زیارتگہ نیک مردان شوم

ان کی یہ دعا مقبول ہوئی، چنانچہ صاحب آتشکدہ کا بیان ہے کہ

"شیخ در گنجہ مدفون است و مزار کثیر الانوارش حال نیز محل زیارت اکابر و اعاظم آن دیار میباشد[1]"

اس کا ثبوت ذیل کے واقعات سے بھی ملتا ہے :-

(۱) اسکندر منشی نے اپنی تاریخ مین[2] لکھا ہے کہ ۱۰۱۴ھ مین شاہ عباس صفوی کی فوجین جب گنجہ کے قریب پہنچین تو شیخ نظامی کی تربت پر پڑاؤ ڈالا، اور وہین بروز شنبہ ۱۵ ذو القعدہ ۱۰۱۴ھ (۲۵ مارچ ۱۶۰۶ء) کو جشن نوروز منایا گیا،

(۲) اسی طرح شاہ ناصر الدین قاچار نے اپنے سفرنامہ[3] مین لکھا ہے کہ سفر یورپ سے واپسی کے بعد الزابیتہ پول (گنجہ) جاتے ہوئے انھون نے شیخ نظامی کے مقبرہ کی زیارت کی جو شہر سے آدھا میل دور بر سر راہ واقع ہے، اور نہایت معمولی درجہ کا اور کچی اینٹون سے تعمیر کیا ہوا نہایت شکستہ اور منہدم حالت مین ہے،

نظامی کی قبر اس وقت کس جگہ اور کیسی حالت مین ہے، اس کے متعلق روس کی انجمن آثار قدیمہ کے رسالہ "زیسکی"

---

[1] آتشکدہ صفحہ ۲۴۲ طبع بمبئی [2] تاریخ عالم آرائے عباسی صفحہ ۸۹۴ مطبوعہ طہران، [3] سفرنامہ شاہ ایران صفحہ ۱۴۷ مطبوعہ بمبئی ۱۸۷۶ء،

(زناکرستانر Zap) جلد ۲ صفحہ ۳۵ - ۴۴ مین روسی مستشرق بارتولڈ (Bartold) کے قلم سے ایک مضمون روسی زبان مین شائع ہوا ہے، رسالہ کا پورا نمبر تو نہ مل سکا مگر اس اصل روسی مضمون کی مطبوعہ نقل مع عکسِ مزارِ نظامی ایک جرمنی کتب فروش کی بدولت ہم کو دستیاب ہوئی ہے، اور روسی زبان سے عدم واقفیت کی دشواری کو ہمارے کرمفرما مشہور روسی مستشرق پروفیسر آئی دنو (W. Ivanow) نے حل کر دیا ہے، جو "اسماعیلیات" کے ماہر خصوصی ہین، چنانچہ اسی مضمون کی بنا پر ہم قبرِ نظامی کے متعلق بعض معلومات پیش کرتے ہین،

شہر طفلس کے عجائب خانۂ کوہ قاف (Caucasian Museum) کے ناظم لے، کا زنکو کی اطلاع کے مطابق قبرِ نظامی کے کھنڈر مقامی طور پر "شیخ نظامی" کے نام سے مشہور ہین، اور الزابیتھ پول (گنجہ) سے[1] جو تمامتر روسی حکومت کے ماتحت ہے، چار Versts[2] کی مسافت پر اس قدیم طریق البرید (Old Post Road) کے قریب واقع ہین جو دلمتلو (Dalmitla) کے اسٹیشن کو جاتا ہے،

مرزا محمد آخوند حیف (گنجوی) نے ایک رسالہ بعنوان "شیخ نظامی" آذربائجانی ترکی زبان مین لکھا تھا جو سنہ ۱۹۰۹ء مین گنجہ یا الزابیتھ پول سے شائع ہوا تھا، مؤلف نے اس کو یورپی ماخذ سے مرتب کیا ہے اور قبرِ نظامی کا عکس بھی اس مین دیا ہے، اس رسالہ کے مطابق قبرِ نظامی دراصل "قدیم شہر" (گنجہ) مین واقع ہے، مؤلف اس قبر کی شکستہ حالت کا ذکر کرتے ہوئے عالمِ اسلامی کا مقابلہ یورپ سے کرتا ہے، جہان اہلِ علم کی بہت قدر کیجاتی ہے، وہ لکھتا ہے کہ

"شعرائے اسلام، سعدی، حافظ، فضولی، خاقانی، قاآنی وغیرہ کے مقابر اس وقت شکستہ حالت مین پڑے ہوئے ہین، اور کسی سے اتنا نہین ہو سکتا کہ انکی مرمت کرائے"[3]

مؤلف نے اس رسالہ کی آمدنی تمامتر قبرِ نظامی کی مرمت کے لئے وقف کر دی ہے، لیکن یہ نہین معلوم ہو سکا کہ اس کے بعد قبرِ نظامی کی مرمت کسی نے کرائی یا نہین؛ واللہ درمن قال:-

---

[1] مشرقی جانب (انسائیکلوپیڈیا۔ آف اسلام ج ۲ صفحہ ۱۳۰) [2] تقریباً ۲-۳ میل [3] شاید مؤلف کو سعدی اور حافظ کے مقبرون کا صحیح علم نہین ہے، کہ وہ اس وقت بہت آباد اور اچھی حالت مین ہین، اور شیراز مین سعدیہ اور حافظیہ کے نام سے مشہور ہین

نہ گور سکندر رہ ہے قبر دارا مٹے ناموں کے نشان کیسے کیسے

۱۳۲۵ھ مین قبر نظامی کی قابل افسوس کس مپرسی کی حالت کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک ایرانی اہل قلم نے لکھا ہے کہ

" واز قرار تقریر بعضی کہ چند سال قبل دیدہ اند محوطۂ مقبرۂ این حکیم بزرگ جائے ستوران و خران شدہ با وجود احترامی کہ بزرگان فرنگ از آثار حکمای ہر ملت و طائفہ دارند جای تعجب است کہ چرا اُمنای دولت معظمۂ امپراطوریہ در تعمیر و تنظیف مقبرۂ این بزرگوار اہمال کردہ غمض عین فرمودہ اند امیدوارم بعدۂ ملتفت این نکتہ شدہ انچہ لازمۂ احترام و نگاہداری ہمیشہ آنجناب است معمول دارند[1]"

[1] دیباچہ خمسۂ نظامی مطبوعہ بمبئی صفحہ ۴،

تاریخ صقلیہ جلد اوّل

از مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی

مسلمانون نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی اور اسپین کیطرح اسکو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنادیا، اور تقریباً پانچسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس کہ اسکی کوئی تاریخ اردو انگریزی مین کیا عربی مین بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدون مین اسکی تاریخ مرتب کیگئی ہے جنمین سے پہلی جلد اب شائع ہوگئی ہے جو سیاسی سرگذشت پر مشتمل ہے، اس مین صقلیہ کے جغرافی حالات سسلی اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملون کی ابتدار، اسلامی حکومت کا قیام عہد بعہد کے دورون کا عروج، اسلامی حکومت کے خاتمہ اور صقلیہ و جزائر صقلیہ مین مسلمانون کے مصائب اور جلاوطنی کا تفصیلی مرقع دکھایا گیا ہے، کتاب مین چند رنگین نقشے بھی منسلک ہین،

ضخامت مجموعی ۵۵۲ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ قیمت:۔ للعہ

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

قصۂ آدم و حوا کی اثری تائید

"حضرت ابراہیم کے شہر اور کی کھدائی اور اس کے آثار کا تذکرہ اس سے پہلے ان صفحات مین آچکا ہے"
ماہرین آثار قدیمہ آجکل ایک دوسرے شہر کی کھدائی مین مصروف ہین، اور خیال ہے کہ یہ شہر اور سے بھی قدیم تر ہے
اسکی کھدائی مین ایک مصور ٹھیکرا دستیاب ہوا ہے، اس کے متعلق علمائے آثار کا خیال ہے، کہ یہ حضرت آدم و حوا کے قصہ
کی تمثیل ہے، اسی پر رسالہ الہلال مصر بابت ماہ مئی مین ایک مختصر مقالہ آیا ہے، اسکی تلخیص ذیل مین پیش کیجاتی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کا قصہ تمام قدیم قومون مین مشہور و متداول ہے، توراۃ مین یہ
قصہ جس طرح مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا اور انکی
ناک مین ایک زندہ روح پھونکی، اور انکی اعانت کے لیے ان کے ساتھ حضرت حوا کو اس طرح پیدا کیا کہ پہلے
ان پر نیند طاری کی اور جب وہ سوکر اٹھے تو اپنے پہلو مین حوا کو پایا اور ان کے ساتھ ایک شاداب باغ مین
رہنے لگے، اس باغ کے درختون مین سے خداوند تعالیٰ نے ان پر صرف ایک درخت کے پھل کھانے کی ممانعت
کی تھی یعنی خیر و شر کے معرفت کا درخت، لیکن اس ممانعت سے حضرت آدم اور حوا کے دل مین اس درخت
کی طرف رغبت پیدا ہوئی، اور شیطان نے سانپ کی شکل مین نمایان ہوکر حوا کو اس درخت کے پھل کھانے کی
ترغیب دی، اور وہ اسکی باتون مین آگئین، خود اسکا پھل کھایا اور حضرت آدم علیہ السلام کو بھی کھلایا، نتیجہ یہ ہوا کہ
دونون اس جرم مین جنت سے نکالے گئے،

یہ اس قصے کا خلاصہ ہے، اور علمائے آثار متفق اللفظ ہین کہ انسان اول کا ظہور اس ملک مین ہوا جو ما بین النہرین

کے نام سے مشہور ہے، اور "جنت عدن" سے چاہے کوئی حقیقی جگہ مراد ہو یا مجازی، لیکن توراۃ کے تمام قرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسی ملک مین تھی اور اسکی فضا، اسکی آب وہوا اور اس کے پھول پھل انسان کی ترغیب کا بہترین ذریعہ تھے،

حال کی اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ علمائے آثار نے چند ایسے جدید آثار کا سراغ لگایا ہے جن سے حضرت آدمؑ اور حضرت حوا کے قصے کی تائید ہوتی ہے، یہ آثار شہر "تیب جورا" مین ملے ہین جو انسان کے آباد کردہ شہرون مین سب سے قدیم ہے اور چھ ہزار سال سے پہلے آباد کیا گیا ہے،

یہ اثر ایک ٹھیکرا ہے جس پر ایک مرد اور ایک عورت کی تصویر بنی ہوئی ہے جنکی پیٹھ رنج وغم سے ٹیڑھی ہوگئی ہے، اور ان کے چہرے سے پریشانی ظاہر ہورہی ہے، دونون برہنہ جنت سے نکلے ہین، اور اُن کے پیچھے ایک سانپ کھڑا ہوا ان کا انتظار کر رہا ہے، ٹھیکرے پر عورت اور مرد کا نام لکھا ہوا نہین ہے، لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ دونون سانپ کے فریب مین آگئے ہین اور اسکی وجہ سے اس باغ سے نکال دیے گئے ہین، جسمین دونون رہتے تھے،

تحقیقات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس نقاش نے یہ تصویر بنائی ہے وہ ۳۵۰۰ء قبل میلاد مین تھا یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم وحوا کا قصہ جس زمانے مین لکھا ہے اس سے دو ہزار سال پہلے اسکا وجود تھا، ٹھیکرے پر اس تصویر کے بنانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ عام طور پر مشہور تھا اور ممکن ہے کہ دنیا کا پہلا قصہ یہی ہو،

شہر "تیب جورا" جسکا ذکر اوپر گذر چکا ہے ملک مابین النہرین کے شمال شرقی جانب واقع ہے اور ایک علمی جماعت نے ڈاکٹر سپیزر کی صدارت مین اس کے کھنڈرون کی تحقیقات کی ہے، یہ جماعت چند سال سے کلدانیون کے شہر اُدر کے کھنڈرون کی تحقیقات کر رہی تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جنم بھوم ہے، اور جس کی نسبت علماء کا خیال تھا کہ وہ دنیا کا سب سے قدیم شہر ہے، اس کے بعد شہر تیب جورا کے کھنڈرون کا پتہ چلا تو معلوم ہوا کہ وہ اُدر

سے بھی قدیم تر ہے بلکہ اگر ہم غارون اور چھوٹے گانون کو مستثنیٰ کرلین تو وہ دنیا کا سب سے قدیم شہر ہے اور اس حیثیت سے اگر اس کے کھنڈرون مین قصۂ آدم و حوا کے آثار ملین تو کوئی عجیب بات نہین ہے،

علمائے آثار نے جب ما بین النہرین کے کھنڈر کھودنے شروع کئے، تو اس وقت وہ اشور، بابل اور کلدان کی تاریخ سے بہت کم واقف تھے، صرف توراۃ کے ذریعہ سے ان کو یہ معلوم تھا کہ ان ممالک مین ایک تمدن پیدا ہو کر مٹ گیا، لیکن ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ تمدن کیونکر پیدا ہوا؟ کیونکر بڑھا، اور ان پر کس قدر دور گذرے، کنعانیون فلسطینیون اور عبرانیون کے تمدن اور ان کے باہمی تعلقات کا بھی یہی حال تھا، لیکن گذشتہ صدی کے نصف اخیر مین ان علمار نے ان تباہ شدہ اقوام کے آثار کی تحقیقات شروع کی، اور ان کے تمدنی تہ تک پہنچنا چاہا، ان کوششون کی بدولت بہت سے ایسے آثار ملے جن کے مطالعہ سے اُن تعلقات کا پتہ چلا جو عبرانی تمدن اور دوسری تباہ شدہ اقوام بالخصوص اشوری اور بابلی تمدن کے درمیان پائے جاتے تھے، اس بحث و مطالعہ کے ذریعہ سے ان قومون کی بہت سی مذہبی باتون کا پتہ ملا جنمین ایک قصہ طوفانِ نوح کا بھی تھا جو بابلیون کے قصون کے درمیان پورا موجود تھا انکو یہ بھی معلوم ہوا کہ بابلی ارواح، ملائکہ، کروبیم، اور سرافیم پر جو عبرانی مذہب مین مذکور ہین ایمان رکھتے تھے،

ان باتون کے معلوم ہو جانے کے بعد ان کے لیے قصۂ آدم و حوا کی واقفیت کوئی عجیب چیز نہ تھی کیونکہ قوی دلائل سے بابلی اور عبرانی آداب مین مستحکم تعلقات ثابت ہو چکے تھے، اس لئے ممکن ہے کہ ان قومی قصون اور مذہبی روایتون کا جو بابلیون اور عبرانیون مین منقول ہوتی چلی آتی تھین ماخذ ایک ہو بلکہ دوسرے قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم و حوا، اور ان کی لغزش کا قصہ اہل بابل کے درمیان بھی مشہور رہا کیونکہ علمار کو ایسے آثار ملے ہین جنمین اس قصے کی طرف غیر صریحی اشارات پائے جاتے ہین، یہ تو علمار کے ایک گروہ کی رائے ہے، لیکن دوسرے گروہ کے نزدیک ان قرائن سے صراحۃً آدم و حوا، کا قصہ معلوم ہوتا ہے،

اسی طرح بابلیون اور عبرانیون کی مذہبی روایات کے باہمی تعلق مین علمار کا اختلاف ہے، لیکن مشہور یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جن سے یہودی قوم علمائے تورات کے نزدیک پیدا ہوئی، اپنی جنم بھوم اور سے

ہجرت کی، اگرچہ اس شہر کو اور کلدانی کہا جاتا ہے لیکن حقیقت مین وہ اپنے لفظی معنی کے لحاظ سے ایک بابلی شہر تھا اس بنا پر اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام بوقت ہجرت کچھ بابلی قصے اپنے ساتھ لیتے گئے ہون تو یہ کوئی عجیب بات نہین ہے، کچھ زمانے کے بعد "ارض موعد" مین یہودیون اور کنعانیون کا اجتماع ہوا، اور کنعانیون اور فلسطینیون مین نسبی تعلقات قائم تھے اور ان سے انھون نے بہت سے قصے نقل کئے جنھین آیندہ زمانے مین تغیر و تحریف نے راہ پائی اس لیے جب کنعانیون او فلسطینیون کے ساتھ عبرانیون کا اجتماع ہوا اور ان سے اہل بابل کی بہت سی روایتین سنین تو ان کو اس پر کوئی حیرت نہین ہوئی،

یہ سوال بے شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ آدم و حوا کی تخلیق کا قصہ اہل بابل تک کیونکر پہنچا ؟ ماہرین سردست اس کا کوئی جواب نہین دیتے، وہ صرف اسیقدر کہتے ہین کہ اتنا ضرور ثابت ہے کہ یہ قصہ لوگون کو کم از کم حضرت موسیٰ سے دو ہزار سال پہلے یا اس سے بہت پیشتر معلوم تھا،

"ع"

جدید ترکی زبان مین ایک جدید تاریخ عالم

حال مین غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے تاریخ عالم پر ایک کتاب اپنی نگرانی مین لکھوا کر جدید رسم خط مین شائع کی ہے اسکا مقصد نوجوانان جمہوریہ مین قومیت کی ایک تازہ روح پیدا کرنا ہے، عیسائی رسالہ "مسلم ورلڈ" (اپریل ۳۳ء) مین اس پر ایک مضمون نکلا ہے، اہل مغرب اسلام اور مسلمانون سے متعلق اپنی قدیم ذہنیت کو جس طرز جدید مین چھپانے کی کوشش کرتے ہین وہ اس مضمون مین بھی ظاہر ہے، تاہم نفس مضمون کے لحاظ سے اس کا مطالعہ ناظرین کیلئے دلچسپ ہوگا، ذیل مین ہم اسکی تلخیص پیش کرتے ہین :-

غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے حال مین تمام دنیا کی تاریخ چار جلدون مین شائع کی ہے، ترکی قوم کے موجودہ دورِ حیات مین اس کتاب کی اشاعت ایک خاص اہمیت رکھتی ہے، کیونکہ یہ کتاب ملک کے سامنے دنیا کا ایک جدید منظر پیش کرتی ہے، یہ تالیف اس نظامِ عمل کا ایک جزو ہے جو ترکون کی قدیم ذہنیت کی جگہ ایک جدید ذہنیت پیدا کرنے کے لیے قائم کیا گیا ہے، ان جلدون مین ابتدائے آفرینش سے زمانہ موجودہ تک کے حالات درج ہین

چونکہ جدید رسم خط نے موجودہ نسل کو تمام قدیم ترکی خیالات سے منقطع کر دیا ہے، لہذا یہ کتاب اس خلا کو پُر کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہے، پہلی جلد مین زمانہ قبل تاریخ سے یونانی اور رومن عہد تک کے حالات ہین، دوسری جلد مین قرونِ وسطیٰ کی تاریخ ہے، جسمین آلِ عثمان سے قبل کی ترکی سلطنتون کے حالات زیادہ تفصیل سے بیان کئے گئے ہین، تیسری جلد مین سلطنت عثمانیہ اور یورپ کیساتھ اس کے تعلقات کا بیان ہے، اسی مین قرونِ وسطیٰ کے آخری دور اور یورپ جدید کی تاریخ کا بھی ایک جزو شامل ہے، چوتھی جلد مین جنگ عمومی کے خاتمہ پر جمہوریہ ترکی کے قیام کی تاریخ اور گذشتہ دس سالون کے حیرت انگیز کارنامون کا ذکر ہے،

یہ تاریخ آفرینش کی بحث سے شروع ہوتی ہے اور عام اسلامی عقیدہ کے خلاف بیان کرتی ہے کہ دنیا کے نشو و نما مین خدا کو کوئی دخل نہین تھا، جیسا کہ اسلام سے واقفیت رکھنے والون کو معلوم ہے حضرت محمد (صلعم) کی بڑی دلیل خدا کے وجود پر یہی تھی کہ اس نے کائنات کو پیدا کیا، اس کا ذکر بار بار قرآن مین آتا ہے اور خدا کے اسلامی نامون مین "خالق" ایک عام نام ہے،

یہ تاریخ ترک مورخین کی ایک جماعت نے غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی ذاتی ہدایت کے ماتحت تیار کی ہے، یہ مشرق و مغرب کی تاریخی تصانیف پر مبنی ہے اور اسکی تالیف مین بہت احتیاط برتی گئی ہے، ملک مین جتنے ثانوی یا اعلیٰ مدارس ہین ان سب کے طلبہ کے لیے اس کا مطالعہ ضروری ہے، اور ابتدائی مدارس کے اساتذہ سے یونیورسٹی کے اساتذہ تک ہر ایک کے لیے اس کتاب کا خریدنا ضروری قرار دیا گیا ہے، یہ اساتذہ سرگرم مقامی لیڈر ہوتے ہین، اور ان کا اثر قومی کلبون اور اسی طرح کے دوسرے ادارون پر کافی ہوتا ہے، اس طرح یہ لوگ اس کتاب کے مضامین سے عامۃ الناس کو باخبر اور مطلع کرتے رہین گے، چونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ اس کتاب کی تالیف مین صدر جمہوریہ نے حصہ لیا ہے، اور اسی نے اس کے اصول مرتب کئے ہین، اس لیے عام لوگون پر اسکا اثر بہت نمایان طور پر پڑے گا، اور چونکہ لکھنے والون کی جماعت مین ملک کے تقریباً تمام مورخین شامل ہین اسلئے تعلیم یافتہ طبقون مین بھی کتاب وقعت کی نگاہ سے دیکھی جائیگی،

حیات انسانی کے ابتدائی دور کے بیان مین ترکون کی اصل و ابتدا پر ایک مفصل بحث ہے، یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ زمانۂ قدیم مین جو قومین وسط ایشیا سے کوچ کر کر کے مغرب کی طرف روانہ ہوتی تھین وہ ترکی النسل تھین دکھایا گیا ہے کہ قدیم ترک ایک طاقتور نسل کے لوگ تھے، اور ایک قدیم تہذیب و تمدن کے مالک تھے،

عہد تاریخی مین سلطنت رومہ کے زوال کے بعد مختلف ترکی مملکتون کا ذکر تفصیل کیساتھ کیا گیا ہے، اور دکھایا گیا ہے کہ دیوار چین کی تعمیر کے بعد ہی ترکون نے مغرب کی جانب کوچ کرنا شروع کیا، اور اس دیوار کی تعمیر ہی بعد مین سلطنت رومہ پر وحشی اقوام کے حملہ کا باعث ہوئی، چین کے متعدد شاہی خاندان ترکی النسل تھے، اسیطرح ہندوستان کے شاہان مغلیہ اور مصر کے شاہان مملوک بھی ترک ہی تھے، چین سے جو کاروان یورپ کو جایا کرتے تھے وہ وسط ایشیا کی مختلف ترکی سلطنتون سے ہو کر گذرتے تھے، اور اس طرح قطب نما، بارود، اور چھاپنے کی مشین یورپ پہنچی، کئی سو برس تک یورپ کے طبی مدارس مین فاضل ترکی طبیب ابو علی سینا ہی کی تصانیف کا درس دیا جاتا تھا، کتاب مین اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ ان تمام عہدون مین ترک صلح پسند اور متمدن تھے، یہ تالیف اس خیال کو مٹا دینا چاہتی ہے کہ ترک ایک جنگجو قوم ہے، برخلاف اس کے یہ ترکون کو تہذیب و تمدن کا علمبردار دکھانا چاہتی ہے،

عہد عثمانیہ کے بیان مین دیمقراطی حکومت کے فوائد سلاطین گذشتہ کے نقائص سے مقابلہ کرکے دکھائے گئے ہین، یورپ کی قدیم مالیاتی محکومی اور اس کے برے اثرات نمایان طور پر پیش کئے گئے ہین، ترکی پالیسی معاشیاتی آزادی ہے اور گذشتہ چند سالون مین ترکون نے اس پالیسی کو برقرار رکھنے کے لیے خوشی سے بہت سی سختیون کو برداشت کر لیا ہے،

مسیحیت کی طرف ترکون کے معاندانہ رویہ کے متعلق جو خیال عام طور پر پھیلا ہوا ہے، اس کے لحاظ سے اہل مغرب کو اس رویہ پر حیرت ہے جو اس کتاب مین یہودیت اور مسیحیت کی طرف ظاہر کیا گیا ہے، اسمین تورات کی بہت کچھ ستایش کیگئی ہے اور دکھایا گیا ہے کہ یورپ کے لٹریچر اور آرٹ پر اس کا بہت زیادہ اثر پڑا ہے،

حضرت عیسیٰ کے حالات سلطنت رومہ میں مسیحیت کی اشاعت کے سلسلہ میں بیان کئے گئے ہیں، انکے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ انسان تھے، ان کو رسمی طریق پرستش سے کوئی سروکار نہ تھا بلکہ وہ ایک بہتر زندگی کی بشارت لائے تھے، اس کے بعض جملے یہ ہیں:- "وہ وحدانیت باری تعالیٰ کے عقیدہ کی تعلیم دیتے تھے حضرت عیسیٰ کا اصول مذہب دلون کو بلند اور متحد کرنا تھا نہ کہ پرستش کے طریقے تجویز کرنا ...... ابتدائی مبلغین کے خلوص، ایثار، اور جرأت کی وجہ سے لوگون نے مسیحیت قبول کی" حضرت عیسیٰ کے متعلق عزت واحترام کا یہ رویہ نیز ان کی وہ سوانح عمری جو حکومت کی طرف سے شائع ہوئی ہے ظاہر کرتی ہے کہ اب قدیم تعصبات اور نفرت کو جو ہر عیسائی شے سے تھی برطرف کرنے کی ایک مستقل خواہش پیدا ہو گئی ہے۔

چوتھی جلد میں مختصر طور پر ان حیرت انگیز کارنامون کا بیان ہے جو جدید ترکی نے غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی قیادت میں گذشتہ دس سال میں دکھائے ہیں، اس جلد کے پہلے حصہ میں اس فوجی مہم کا ذکر ہے جس نے ترکی کو دول متحدہ کی سطح پر لا کھڑا کر دیا، اس کے بعد اصلاح کے مختلف شعبون کا بیان ہے، جسمین قانونی، مذہبی، اور مدنی اصلاحات شامل ہیں، جدید قومی نظام مدارس کی ترقی کا بیان اور مسجدون کے قدیم مکاتب کے منسوخ کئے جانے کا ذکر ہے، اس جلد میں دکھایا گیا ہے کہ کیونکر وہ اختیارات جو سلطان کی ذات کے ساتھ مخصوص تھے، جمہوریہ کی مجلس قومی کو تفویض کر دیئے گئے،

ترکی حال میں جس انقلاب سے گذری ہے اس کے متعلق مشرق و مغرب کے بہت سے اہل قلم نے مضامین اور کتابین لکھ ڈالی ہیں اور ہر ایک نے اس انقلاب کے متعلق مختلف نقطہ ہائے نظر پیش کئے ہیں، لیکن اس جلد میں ہمین سرکاری بیان ملتا ہے جو انھین لوگون کا پیش کردہ ہے، جو اس انقلاب کے بانی ہیں، اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سامنے کون سے مقاصد تھے، جو کچھ انھون نے کیا وہ کیون کیا، اور کیونکر انھون نے ان مقاصد کی تکمیل کی،

"ع ز"

ادبیات

خونِ جگر

از حضرت جگر مرادآبادی،

نہ راہزن، نہ کسی رہنما نے لوٹ لیا
ادائے عشق کو، رسمِ وفا نے لوٹ لیا

نگاہِ لطف کی اک اک ادا نے لوٹ یا
وفا کے بھیس مین، اس بے وفا نے لوٹ لیا

نہ پوچھ شومیِ تقدیرِ خانہ بربادی
جمالِ یار کہان، نقشِ پا نے لوٹ لیا

وہ دل کو توڑ کے بیٹھے تھے مطمئن کہ انھین
شکستِ شیشۂ دل کی صدا نے لوٹ لیا

قسم ہے تیری پشیمان نگاہیون کی قسم
مجھی کو خود۔ مری شرمِ وفا نے لوٹ لیا

شکایتِ دلِ ایذا طلب کو کیا کیجے
تمام کیف تو شکرِ جفا نے لوٹ لیا

کسی بہارِ مجسم کا آہ کیا شکوہ
مرے ہی اس دلِ رنگین قبا نے لوٹ لیا

وہ ایک قطرۂ خون بچ رہا تھا جو دل مین
اُسے بھی گوشۂ چشمِ حیا نے لوٹ لیا

زبان خموش، نظر بے قرار، چہرہ فق
تجھے بھی کیا تری کافر ادا نے لوٹ لیا

"وہی ہے لے، وہی آواز ہے وہی انداز"
مجھے تو اس دلِ آفت نوا نے لوٹ لیا

دلِ تباہ کی روداد اور کیا کہئے
خود اپنے شہر کو فرمان روا نے لوٹ لیا

قریبِ دل ہی یکایک اٹھے تھے کچھ فتنے
یہین کہین کسی محشر ادا نے لوٹ لیا

نہ اب خودی کا پتہ ہے نہ بیخودی کا جگرؔ
ہر ایک لطف کو لطفِ خدا نے لوٹ لیا

نظامِ زندگی

از

جناب سید حامد حسین صاحب اثر بی اے ایل ایل بی علیگ

جادۂ حق پر نہ ہو جب تک خرامِ زندگی
زندگی کی صبح اچھی کچھ نہ شامِ زندگی

بنجر وزہ ہے زمانہ مین قیامِ زندگی
پانچ حرفون سے مرکب یون ہے نامِ زندگی

موت کے طالب کو حاصل ہے دوامِ زندگی
آرزو سے زندگی ہے اختتامِ زندگی

کچھ کٹی قیدِ قفس مین کچھ رہی نذرِ جنون
میری قسمت سے ہوا یون انقسامِ زندگی

شمع جل کر کہہ رہی ہے گریۂ پیہم کے ساتھ
صبح ہو جاتی ہے کتنی جلد شامِ زندگی

موت کے پردہ مین پنہان ہے کوئی شکلِ حسین
خود بخود اوٹھتا چلا جاتا ہے گامِ زندگی

شہر و گورستان دونون زندگی کے نام ہین
اک مقامِ موت ہے، اور اک مقامِ زندگی

جس کی غیرت اوٹھ گئی، جس کی حمیت اُٹھ گئی
ہو چکا اس قوم کا لبریز جامِ زندگی

فرقہ بندی سے نہ ہو خطرہ مین کیون قومی بقا
ربط ہی تو ہے عناصر کا نظامِ زندگی

ہر نفس بے کل نہ ہو جن کا خیالِ قوم سے
ایسے لوگون کے لئے ہے ننگ نامِ زندگی

راہِ حق مین جان دینا ہی ہے مقصودِ حیات
موت ہی کے نام سے زندہ ہے نامِ زندگی

ایسی کوئی شے نہین ہے، جو فنا سے بچ سکے
موت ہو سکتی نہین، ہرگز غلامِ زندگی

تفرقہ کے ذکر سے بہتر ہے ذکرِ اتفاق
وہ پیامِ موت ہے یہ ہے پیامِ زندگی

کامیابی رہتی ہے، بے تاب کچھ اُن کے لئے
دیتی ہین ناکامیان جن کو پیامِ زندگی

آشنائے رمزِ خودداری ہیں جو قومین، اثر
قابلِ تعریف ہے ان کا نظامِ زندگی

مطبوعات جدیدہ

مقدمات عبدالحق، حصہ اول و دوم، مرتبہ جناب مرزا محمد بیگ صاحب، حجم ۴۰۹، ۲۱۲،
تقطیع چھوٹی، قیمت سے روعا رتبہ:- مکتبہ ابراہیمیہ، اسٹیشن روڈ، حیدرآباد، دکن،

مولوی عبدالحق صاحب، سکریٹری انجمن ترقی اردو کی علمی و ادبی خدمات کا بڑا ذخیرہ ان مقدمون کی شکل مین ہے، جو وہ مختلف کتابون پر اپنی علمی و ادبی زندگی کے دور آغاز سے ابتک لکھتے رہے ہین، جن کتابون پر مولوی صاحب موصوف کے مقدمے تھے، ان مین سے اکثر مین نہ صرف "نونی لگنی شروع ہوگئی" بلکہ بعض کتابین اور رسالے ایک مدت گذری کہ اپنی زندگی پوری کرکے گمنام ہوچکے ہین، اور انھی کے ساتھ وہ مقدمے بھی دفن ہوچکے تھے، مرتب نے اپنے اس مجموعۂ مقدمات سے ان گمشدہ تحریرون کو ایک مرتبہ پھر نگاہون کے سامنے کردیا ہے، یہ مقدمے دو ضخیم جلدون مین سمائے ہین، پہلے حصہ مین "اسلامیات"؛ "سائنس و فلسفہ" اور "تاریخ و تذکرہ" پر ۱۴ مقدمے ہین، اور دوسرے حصہ مین "ادبیات" "لسانیات" اور "متفرقات" کے عنوانون سے چند مقدمے ہین،

مولوی صاحب موصوف کی علمی و ادبی زندگی کا بڑا حصہ اسی مقدمہ نویسی مین بسر ہوا، ان کا خاص فن "ادب اردو اور اس کی تاریخ" ہے، اسلیے مقدمات کی بیشتر تعداد کسی نہ کسی نوع سے اسی موضوع سے متعلق ہے، اور چونکہ ان مین سے ہر مقدمہ الگ الگ کتاب پر تھا، اور بسا اوقات انھون نے ایک ہی مصنف کی علحدہ علحدہ کتابون پر جدا جدا مقدمہ لکھا ہے، اس لیے مضامین و مباحث کی تکرار کا ہونا ضروری تھا، جس کا احساس اس مجموعی شکل مین زیادہ ہوتا ہے، مولوی صاحب موصوف اردو ادب کی تاریخ مین اور اردو کے بعض انشا پردازون کے متعلق اپنے خاص خیالات اور اپنی منفرد تنقید اور رائے لکھتے ہین، جو ان مقدمات مین کم و بیش ہر جگہ نمایان ہے

اور بلکہ مولوی صاحب کو اردو کے بعض مسلم انشا پردازون اور ناقدون سے جو دیرینہ اختلاف رہا ہے، اسکی بو نہ صرف ادب اور تاریخ ادب کے مضامین مین آتی ہے، بلکہ وہ راے اور تنقید سے گذر کر ذاتیات کے حدود تک پہنچ گیا ہے جس کی نمایان مثال "مقدمۂ تمدن ہند" ہے، جس مین تمدن ہند کے مترجم شمس العلما ڈاکٹر سید علی بلگرامی کے سوانح حیات مین بے ضرورت اور بے محل طور پر بعض ایسی شخصیتون پر خواہ مخواہ کے ذاتی حملے کئے گئے ہین، جن سے مولوی صاحب کو ان کی زندگی مین اختلاف رہا، اور انکی وفات کے بعد بھی انھون نے انھین کبھی کسی کلمۂ خیر سے یاد نہ فرمایا، ہمین اس کا افسوس ہے کہ مرتب "مقدمات عبد الحق" نے اس مجموعہ کو شائع کرنے سے پیشتر مولوی صاحب کی خدمت مین پیش نہین کیا کہ شاید وہ وقت کی ان گرم تحریرون کو جن مین سے بعض محض جذبات اور ماحول کے لحاظ سے قلم سے نکلی ہونگی، اس عہد پیری مین کسی معتدل شکل وصورت مین لے آتے، اور تلافی مافات بھی ہوجاتی، بہرحال مولوی صاحب موصوف اردو کے ایک پرانے خدمتگذار ہین، اور اردو دانون پر ان کا یہ جائز حق ہے کہ وہ اُن سے اپنی تحریرون کے پڑھنے کا مطالبہ کرین، اور ہمارے نوجوانون کے لئے بھی یہی سزاوار ہے کہ وہ بزرگون کی ہر قسم کی تحریرین دیکھین، کہ رطب و یابس کا فیصلہ تو وہ اپنے ذوق سلیم سے خود کرلین گے،

سید الانبیاء، از ٹامس کارلائل مترجمہ جناب محمد اعظم خان صاحب، حجم چھوٹی تقطیع کے ۸۸ صفحے، قیمت مجلد عہ، مترجم سے نصیر دلا، عثمان پورہ، حیدرآباد، دکن کے پتہ سے مل سکتی ہے،

"سید الانبیاء" کارلائل کے مشہور سلسلۂ خطبات "ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ" مین سے خطبۂ "محمد" (صلعم) کا اردو ترجمہ ہے، کارلائل نے اس خطبہ کے ذریعہ ایک ایسے زمانہ مین یورپ مین آنحضرت صلعم کے صادق القول ہونے کا بالاعلان اعتراف کیا تھا، جب کلیسا کے پادریون، اور عام متعصب مستشرقین کی نہایت گمراہ کن روایتین اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق یورپ مین پھیلی ہوئی تھین، لیکن اسی قند مین زہر بھی ملا ہے، کارلائل نے کچھ تو مجمع کے جذبات کا پاس کرکے، اور کچھ اپنے غلط ماحول، اور واقعات کو صحیح روشنی مین نہ دیکھ سکنے کے باعث، بعض بے معنی اور مبنی بر غلط افکار بھی پیش کئے ہین، مترجم نے اپنے دیباچہ مین اُن غلطیون پر قارئین کو متنبہ کردیا ہے، کارلائل

انگریزی زبان کا مستند و ممتاز انشا پرداز ہے، مترجم نے کوشش کی ہے، کہ اس کے زور بیان اور تشبیہ و استعارات کے استعمال کو بھی اردو مین حسب مقدرت نباہ لے، اور اس مین شبہ نہین کہ ترجمہ کی زبان مین سلاست اور لطفِ بیان پیدا ہو گیا ہے، تاہم کہین کہین ترجمہ کی عبارت سست بھی رہ گئی ہے، (مثلاً ص ۴۳ وغیرہ) اور اندازہ ہوتا ہے کہ اصل عبارت مین جو زور بیان ہے مترجم کا قلم اسے سنبھالنے کی کوشش مین درماندہ رہا ہے، لیکن عمومی حیثیت سے اسے ایک اچھا ترجمہ کہہ سکتے ہین، اس خطبہ کے پہلے بھی متعدد تراجم شائع ہو چکے ہین،

ورڈسورتھ اور اسکی شاعری، از جناب میر حسن مدیر مجلۂ عثمانیہ، حجم ۱۸۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت مجلد عہ، مولف سے بی بی الاوہ، نمبر ۳۰۳-۷، حیدرآباد، دکن کے پتہ سے مل سکتی ہے،

ورڈسورتھ، انگریزی ادب کا معیاری شاعر ہے، جناب میر حسن نے اس کو اردو دان طبقہ سے روشناس کیا ہے، اور اس رسالہ مین اس کے سوانح اور کلام کو پیش کیا ہے، لیکن یہ حصے الگ الگ نہین، بلکہ اولاً ورڈسورتھ کا ابتدائی تعارف کرا کر خود اس کے کلام کی روشنی مین اسے شفقت دور سے گذارنا شروع کیا، یہانتک کہ وہ شاعر بنکر نمودار ہوا، اور اوسکی نظمین سامنے آنے لگین، پھر اسکی زندگی مین جو واقعات پیش آتے گئے، اور نظمون کے جو اثرات پیدا ہوتے گئے، اور اسکی طبیعت پر فلسفہ و شعر کے جس مسلک و مشرب کے رجحانات رہے، سب کو اسی سلسلہ مین بیان کیا ہے، اور پھر اس کی زندگی اور شاعری پر جو تنقیدین ہوئین، اور خود مرتب کو اسکی شاعری مین جو معیار اور اسکے فلسفہ مین جو رجحان نظر آیا، اسکو اسی سلسلۂ سوانح مین بیان کیا ہے، اور جابجا دوسرے شعراء سے اس کا موازنہ بھی کیا ہے، مولف نے یہ ایک اچھا طریق سوانح نگاری اختیار کیا ہے، اگر اسی رنگ پر وہ دوسرے باکمال شعرائے یورپ کو روشناس کرنے مین کامیاب ہو جائین جیسا کہ ان کا قصد ہے، تو اردو کی ایک مفید خدمت انجام دینگے، لیکن ضرورت ہے کہ تحریر اور انداز بیان مین اختصار ملحوظ رکھا جائے، اور طریق ادا مین بھی شگفتگی پیدا کیجائے اگرچہ نظمون کا ترجمہ صاف، سلیس اور رودان ہے، اور اس کتاب مین براعظم یورپ کا نام اس طور پر لیا گیا ہے، کہ شبہ ہوتا ہے کہ شاعر کسی مشرقی ملک کا باشندہ ہے، طریق ادا مین ایسے التباسون سے بچنے کی بھی ضرورت ہے، اسیطرح

مولف نے اپنے دیباچہ مین دکھایا ہے، کہ مولنا حالی اپنی جدید نظمون مین انکی شاعری سے متاثر ہوئے ہین، ہمین اس نظریہ کے ماننے مین بہت کچھ تامل ہے، بہرحال توقع ہے کہ ادبی حلقون مین یہ رسالہ دلچسپی سے دیکھا جائے گا،

طب النبی، مؤلفہ جناب حکیم غلام غوث صاحب حجم ۱۲۸ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی معمولی، قیمت عہ

مؤلف سے اشراق الاسلام، نوان کوٹ، ڈاکخانہ بگا لاڑان، ریاست بھاولپور کے پتہ سے مل سکتی ہے،

دور حاضر مین احادیث پر جو حملے کئے جاتے ہین، ان مین کتب احادیث کی کتاب الطب بھی نشانہ بنائی جاتی ہے، اور بعض احادیث کا محض اسلئے استخفاف ہوتا ہے کہ ان کے ناقص علم مین وہ علم طب کے اصول کے منافی ہین، جناب مولوی حکیم غلام غوث صاحب ہمارے شکریہ کے مستحق ہین، کہ انھون نے زیر نظر رسالہ طب النبی مین، طب نبوی کو طب یونانی اور جدید علم طب کے معیار پر پرکھنے کی خدمت انجام دی ہے، کتاب کے دو حصے ہین، "اولاً طب النبی بالادویۃ الطبعیۃ" ہے جو دو ابواب "کلیات" و "مفردات" پر مشتمل ہے، "کلیات" گویا "اصول حفظان صحت" کے بیان مین ہے جسین مختلف احادیث کو حفظان صحت کے جدید اصولون سے منطبق کیا گیا ہے، اگرچہ اس مین بعض مقامات پر تشفی بخش تطابق نظر نہین آتا کہ مصنف جس توجیہ کے ساتھ اس حدیث کو منطبق کرنا چاہتے ہین، وہ اسلئے صحیح نہین کہ خود اسی حدیث ہی مین اس توجیہ کے خلاف کوئی دوسری وجہ اس حکم کی بیان کردیگئی ہے، مثلاً ص ۱۱۹ اور ۲۶ وغیرہ مین "دخانیت" "ٹخنون سے اونچا پائجامہ" اور "تمباکو" وغیرہ کے بیانات، تاہم مصنف کی محنت و فکر لائق ستایش ہے، اور بظاہر اکثر جگہ وہ اپنے مقصد مین کامیاب ہوئے ہین، اور "مفردات" کے بیان مین، احادیث مین جن جن اشیاء و ادویہ سے علاج کا ذکر آیا، اور جو طریقے درج ہین، ان کے خواص و اثرات کو دکھایا ہے، کتاب کا دوسرا حصہ "طب النبی بالادعیہ" ہے جس کو مولنا عاشق الٰہی صاحب مترجم قرآن مجید نے چند صفحون مین آخر مین منسلک کردیا ہے، جس مین امراض کے متعلق ماثور دعائین نقل کیگئی ہین، لیکن یہ حدیثین بلا حوالہ درج ہین، اور پہلے حصہ کی حدیثین جو باحوالہ درج کیگئی ہین، انہین بعض حدیثین ضعیف اور موضوع بھی آگئی تھین، مولنا عاشق الٰہی صاحب نے اپنے حواشی مین ان کی تصحیح کا فرض ایک حد تک انجام دیدیا ہے،

"م"